مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دوماہی دینی وعلمی مجلہ

محرم، صفر ۱۴۳۰ھ

مدیر مسئول ومدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۸۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی دوسو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلا دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائل نمبر 9453497685

فہرست مضامین

اداریہ

جمعیۃ علماء ہند کا اُنتیسواں اجلاسِ عام

۸، ۹ رنومبر کا دن حیدرآباد کی تاریخ میں ایک تاریخی دن بلکہ تاریخ ساز دن تھا، ان دنوں میں اکابر کی یادگار اور ہندوستان کی مشہور ملی ودینی جماعت "جمعیۃ علماء ھند" اپنے محبوب صدر حضرت مولانا قاری عثمان صاحب کی صدارت اور اپنے محبوب قائد ملت حضرت مولانا محمود مدنی کی قیادت اور نہایت پرجوش اور نوجوان ناظم عمومی مولانا حکیم الدین قاسمی کی نظامت میں اپنا انتیسواں اجلاس عام جس کا مرکزی موضوع دہشت گردی کیخلاف آواز بلند کرنا تھا اور پوری دنیا کو یہ پیغام دینا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے، دہشت گردی کی تعلیم یا اس کی حوصلہ افزائی سے دور سے دور کا اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے، اور دشمنانِ اسلام خصوصًا امریکہ اور مغربی طاقتوں اور صیہونی پروپیگنڈوں سے اقوام عالم کو آگاہ کرنا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل چپکانے والی جو طاقتیں ہیں، دنیا میں جہاں بھی دہشت گردانہ کارروائیاں ہورہی ہیں ان کی اصل اور جڑ یہی طاقتیں ہیں، اور ہندوستان میں فرقہ پرست جماعتوں کو بتلانا تھا کہ تم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھو کہ تمہاری حب الوطنی کا معیار کیا ہے، غرض اس اہم موضوع اور اسکے ضمن میں مسلمانوں کے ملی وسیاسی ودینی مسائل کے مختلف موضوعات اس اجلاس عام میں زیر بحث آئے تھے اور ان پر تجویزیں پاس ہوئی تھی۔

یہ اجلاس اسلئے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ اس وقت ملک کے حالات مسلمانوں کے حق میں فرقہ پرست طاقتوں اور مسموم ذہنیت کے سیاسی حکمرانوں نے بد سے بد تر بنا دیئے ہیں، ملک میں امن وامان کا ماحول ختم ہوچکا ہے، جگہ جگہ دہشت گردانہ کاروائیاں ہورہی ہیں، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کسی کے مذہبی مقامات محفوظ نہیں ہیں، یہ دہشت گردانہ کاروائیاں کون کررا رہا ہے اس کا پتہ نہیں، مگر پکڑ دھکڑ مسلمانوں کی شروع ہوجاتی ہے، اس اجلاس عام کے ذریعہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی تھی، جمعیۃ کی اس آواز میں اسی وقت جان پڑ سکتی ہے جب کہ یہ اجلاس عام ہر طرح سے کامیاب ہوتا اور پورے ملک سے منتخب اور پڑھے لکھے لوگ اس میں شریک ہوتے، الحمدللہ جمعیۃ علماء کی پر زور اور پُر تاثیر قیادت اور مولانا محمود مدنی کی فعال شخصیت اور اللہ کی تائید اور نصرت کے طفیل یہ اجلاس عام نہ صرف ہر طرح سے کامیاب رہا بلکہ ایک یادگار اجلاس بن گیا، اخباری رپورٹ کے مطابق پورے ملک سے چھ ہزار علماء اس میں شریک ہوئے، مگر یہ تعداد ان علماء کرام کی ہے جن کا استقبالیہ میں باقاعدہ اندراج تھا ورنہ اندازہ یہ ہے کہ ملک بھر سے آنے والے علماء کرام کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔

۸ ر ۹ ر نومبر کی تاریخ سے دو روز پہلے ہی سے ملک کے اطراف وجوانب سے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی تھی اور ۸ ر ۹ ر نومبر کی تاریخوں میں تو ایک لاکھ سے زائد کا مجمع حیدرآباد پہونچ گیا تھا۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں سے علماء کرام اور عوام کی اتنی بڑی تعداد کی اس اجلاس میں شرکت یہ گواہی دے رہی تھی کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کی قیادت کرنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ جمعیۃ علماء ہند ہے، نیز شرکاء اجلاس کی یہ تعداد اس بات کی بھی شہادت مہیا کر رہی تھی کہ مخالفین کے پروپیگنڈہ کے علی الرغم حضرت قاری محمد عثمان صاحب صدر جمعیۃ علماء کی صدارت اور قائد ملت حضرت مولانا محمود مدنی کی قیادت پر عام طور پر ہندوستان کے اکابر علماء ومشائخ متفق ہیں، سب سے بڑی

بات یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے بزرگ ومحترم مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم اور دارالعلوم کے اساتذہ کی ایک جماعت کی اس اجلاس میں شرکت نے یہ بتلادیا کہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کا رشتہ بڑا مضبوط ہے، اور مخالفین جمعیۃ کی کوئی سازش بھی اس رشتہ کو کمزور نہیں کرسکتی۔

اس اجلاس کے لئے جب صوبہ آندھرا پردیش کے جمعیۃ علماء کے صدر حافظ پیر شبیر احمد صاحب نے دعوت پیش کی تو شہر حیدرآباد کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اور اس وقت جنوبی ہند کے مسلمانوں کے حق میں جو نازک احوال ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا محمود مدنی نے حافظ صاحب کی دعوت کو مجلس عاملہ میں رکھا اور مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد ۸ / ۹ نومبر ۲۰۰۸ء کی تاریخیں اس اجلاس عام کے لئے منظور کرلی گئیں۔

چونکہ شہر حیدرآباد کا فاصلہ وسط ہند سے بہت دور کا ہے اسلئے ذمہ داران جمعیۃ کو اس کی فکر تھی کہ اس اجلاس عام میں شرکاء کی تعداد اتنی کم نہ ہو کہ اس اجلاس کی کامیابی پر سوالیہ نشان لگ جائے، مگر ہمیں تعریف کرنی ہوگی مولانا محمود مدنی جگر گوشۂ فدائے ملت مولانا اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ کی بلند ہمتی، بلند حوصلگی استقامت اور بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق والے جذبے کی کہ انھوں نے تمام اندیشوں اور فکروں کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کی توفیق وتائید کے بل بوتے پر اس اجلاس عام کو کامیاب بنانے کی تیاری میں خود بھی جٹ گئے اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ افراد کی ایک بڑی تعداد کو کئی ہفتہ پہلے سے لگادیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ نہ صرف جنوبی ہند کا علاقہ بلکہ پورا ہندوستان اس اجلاس کی گونج سے گونج اٹھا، اور پھر دنیا نے دیکھا کہ کس طرح سے انسانی سمندر شہر حیدرآباد کی طرف چل پڑا، اور حیدرآباد کے نظام کالج کا وسیع وعریض گراؤنڈ جہاں اجلاس ہونا تھا ناکافی ہورہا تھا اور ہزارہا ہزار کی تعداد میں لوگ گراؤنڈ کے باہر سڑک پر تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ شہر حیدرآباد نے مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع پہلی بار دیکھا۔

۸ر نومبر کی صبح بعد فجر مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس اور اسی روز دوپہر بعد دوسرا اجلاس ہوا، اور ۸ر اور ۹ر نومبر کی دو تاریخوں میں منتظمہ کے چار اجلاس ہوئے جس میں صرف منتظمہ کے اراکین شریک ہوئے، اور ۸ر کی شام کو چھ بجے سے اجلاس عام شروع ہوا جو دس بجے تک جاری رہا، اجلاس عام میں مختلف طبقوں اور مذہبی جماعتوں کے نمائندہ افراد کی شرکت اس اجلاس کے حسن اور اس کی اہمیت کو دوبالا کر رہی تھی۔ پیرانہ سالی اور طبیعت کی انتہائی کمزوری کے باوجود دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب کا اس اجلاس میں شریک ہونا اور اس کے لئے اتنی دور دراز کا سفر کرنا خود اپنی جگہ پر اس اجلاس کی اہمیت کا احساس دلا رہا تھا۔

حافظ پیر شبیر احمد صاحب صدر صوبہ آندھرا پردیش جو دیکھنے میں ایک سادہ سے انسان معلوم ہوتے ہیں، مگر اللہ نے ان میں انتظامی صلاحیت بے انتہا رکھی ہے، ان کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند صوبہ آندھرا پردیش نے جو سماجی و دینی و اصلاحی کام کئے ہیں اور آندھرا پردیش کی جمعیۃ میں جو فعالیت پیدا ہوئی ہے، اس کی مثال ان کے عہدہ صدارت سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملتی، ان کی ان خدمات کے طفیل اللہ نے ان کو عوامی اور سیاسی طور پر شہر حیدرآباد میں اور صوبہ آندھرا پردیش میں مقبول و محبوب شخصیت بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی نظر انتخاب نے حافظ صاحب کے معمولی و سادہ لباس میں چھپی ان کی سحر انگیز شخصیت کا اندازہ لگا لیا تھا، اور انھوں نے ہی نے ان کو جمعیۃ علما صوبہ آندھرا پردیش کا صدر منتخب کیا تھا، حافظ صاحب اسی وقت سے آج تک صوبہ آندھرا پردیش جمعیۃ کے صدر چلے آرہے ہیں، اور آج دینی، ملی، وسیاسی و سماجی کاموں کے لئے ان کی ذات ایک پہچان بن گئی ہے، ہمارے یہ حافظ صاحب حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے بیعت وارشاد کا تعلق رکھتے ہیں، نماز، تلاوت، ذکر و اذکار کے نہایت پابند لوگوں میں سے ہیں، چونکہ مزاج میں دینداری اور للہیت ہے اسلئے انھوں نے اس اجلاس کی کامیابی کے لئے جو دنیاوی ظاہری اسباب اختیار

کر رکھے تھے وہیں اپنا تعلق اللہ سے بھی جوڑ رکھا تھا، معلوم ہوا کہ انھوں نے اس اجلاس کی کامیابی کے لئے لوگوں کو مساجد میں اعتکاف کیلئے بٹھلایا، لوگوں سے روزے رکھوائے اور بزرگوں سے دعائیں کرائیں، اب ہمیں کہنے میں ذرا بھی تردد نہیں ہے کہ اس اجلاس کی اتنی شاندار کامیابی محض اللہ کی توفیق، اس کے فضل اور اس کی تائید اور ان دعاؤں اور رجوع الی اللہ کا طفیل تھا۔

شیخ الہند ایکسپریس

مولانا محمود مدنی کو اللہ نے کام کرنے کی عجیب وغریب صلاحیت دی ہے، نیز نگاہ اتنی دور بیں اور دور رس ہے کہ جہاں ہم لوگوں کی نگاہ نہیں پہونچتی ہے وہاں اس نوجوان قائد ملت کی نگاہ پہونچ جاتی ہے، ادھر ہم تو سمجھ رہے تھے کہ حیدرآباد جیسے دور دراز شہر کا سفر بہت سے لوگوں کے لئے اس کے بارے میں سوچنا بھی دردسر ہوگا مگر مولانا محمود کا اندازہ تھا کہ یوپی کے مختلف شہروں سے خصوصًا مغربی یوپی کے شہروں سے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا انسانی قافلہ حیدرآباد جائے گا، اس کیلئے انھوں نے ایک تاریخی فیصلہ اور تاریخی انتظام کیا، اور وزارت ریلوے سے رابطہ قائم کرکے شیخ الہند ایکسپریس کے نام سے خاص اس اجلاس عام کے لئے ایک اسپیشل ٹرین چلوائی، یہ کام جو بہت آسان نہیں تھا مولانا محمود مدنی کی فعال شخصیت اور حکومت کے لوگوں میں ان کی مقبولیت اور قائدانہ صلاحیت کے اعتراف کی وجہ سے بہت آسانی سے انجام پاگیا، وزارت ریلوے نے نہایت خوبصورت، نہایت آرام دہ اٹھارہ ڈبوں والی ٹرین نہایت ہی قلیل معاوضہ میں مہیا کرادی، ۶ر نومبر دوپہر کے قریب نعرۂ تکبیر اللہ اکبر اور جمعیۃ علماء ہند زندہ آباد، دارالعلوم زندہ آباد کے نعروں کی گونج میں اس ٹرین کو صدر جمعیۃ علماء ہند نے ہری جھنڈی دکھا کر دیوبند سے حیدرآباد کے لئے روانہ کیا۔ دیوبند کے اسٹیشن سے یہ ٹرین حیدرآباد کے لئے روانہ ہو رہی تھی اور فلک نیم باز ان لوگوں کی حرکت وذہنیت پر مسکرا رہا تھا جو اس نوجوان قائد ملت کی قیادت پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔

اس ٹرین کا دیوبند کے اور حیدرآباد کے درمیان صرف تین اسٹاپ تھا، پہلا

میرٹھ، دوسرا دہلی اور تیسرا بھوپال، پورا نظام ٹکٹ سے لے کر کھانے پینے تک جمعیۃ کے کارکنوں کے ہاتھ میں تھا، الحمد للہ کہا جا سکتا ہے کہ اس پوری ٹرین میں آدھے سے زیادہ علماء کرام سفر کر رہے تھے جن میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ کی ایک بڑی جماعت تھی۔

جن اسٹاپوں پر اس ٹرین کو رکنا تھا استقبال کرنے والے مسلمانوں کا ایک بڑا مجمع ہوتا، میڈیا والے ہوتے اور سیکورٹی کا پورا انتظام ہوتا، کسی فرد کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی، ٹرین کے اندر بھی اسلحہ کے ساتھ پولیس موجود ہوتی، اور صوبہ واران کا تبادلہ ہوتا۔ سات نومبر کا دن گذار کر رات کو ۱۲ بجے کے قریب یہ ٹرین حیدرآباد شہر کے فلک نما نامی اسٹیشن پر پہونچی، اس اسٹیشن پر اس ٹرین کے استقبال کے لئے حاضرین کی بہت بڑی تعداد تھی، جس نے اس ٹرین کا نعروں کی گونج سے زبردست استقبال کیا۔ اجلاس ختم ہونے کی تاریخ تک یہ ٹرین حیدرآباد ہی میں رہی اور دس نومبر کی شام کو پھر اسی شان کے ساتھ دیوبند کے لئے روانہ ہوئی، آمدورفت کا کرایہ مسافروں سے برائے نام صرف چارسو روپیہ لیا گیا، مخصوصین کیلئے اے سی ڈبہ نہایت صاف ستھرا اور خوبصورت ریلوے نے لگایا تھا، احقر مدیر زمزم کا واپسی کا ٹکٹ اگرچہ دوسری ٹرین سے براہ راست بنارس کیلئے تھا، مگر بعض کرم فرماؤں کے اصرار اور ان کی محبت نے مجھے بھی مجبور کیا کہ میں ان کے ساتھ اسی ٹرین سے دہلی تک چلوں، ان کی پر لطف صحبتوں کے ساتھ میں نے بھی اس تاریخی ٹرین کے سفر کا لطف اٹھایا، اس ٹرین میں جتنے بھی کوچ تھے ان سب کو کسی نہ کسی اکابر کے نام سے منسوب کیا گیا تھا جس اے سی ڈبہ میں ہم لوگ تھے وہ شیخ الاسلام نام کا کوچ تھا۔

اجلاس کے بعض موضوعات

بعض وہ موضوعات جو اجلاس میں زیر بحث رہے اور جن پر تجاویز پاس ہوئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کی تدابیر اور متاثرین کو معاوضہ کی ادائیگی کیلئے قانون سازی پر غور (۲) ملک کے پسماندہ و ناخواندہ علاقوں میں دینی مکاتب کے قیام کی تحریک پر غور (۳) پسماندہ و ناخواندہ علاقوں میں قادیانیوں اور عیسائی مشنریوں کی

ارتدادی سرگرمیوں پر غور (۴) ملت مسلم اور اقلیتوں کے اتحاد پر غور (۵) مسلم اوقاف کے تحفظ پر غور (۶) دہشت گردی کے الزام میں بے جا گرفتاری وغیرہ سے متاثر لوگوں کی رہائی پر غور (۷) فلسطین میں مسلسل جارحیت اور انسانیت سوز مظالم پر غور (۸) عالم اسلام کے مسائل خصوصًا بالخصوص افغانستان اور عراق پر امریکی جارحیت پر غور (۹) تناسب آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے ریزرویشن پر غور (۱۰) حکومت کی طرف سے مجوزہ مدرسہ بورڈ کے نقائص ومضمرات پر غور۔

ان تمام مسائل پر بحث ومباحثہ کے بعد نہایت جامع تجاویز پاس ہوئیں جن کو پہلے مجالس منتظمہ میں پیش کیا گیا اور اراکین منتظمہ سے اس کی تائید کرائی گئی پھر اجلاس عام میں ان میں سے جو زیادہ اہم تجاویز تھیں انھیں پیش کر کے ملک بھر سے آئے ہوئے مختلف جماعتوں کے ذمہ داروں سے ان کی تائید کرائی گئی۔

اس اجلاس کی کامیابی پر ایک صاحب بصیرت عالم کا تبصرہ

میرے دوستوں میں سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں جو اپنی تصانیف کے ذریعہ سے اور فقہ کے موضوع پر اپنی خدمات کے ذریعہ سے ہند وبیرون ہند میں معروف ومشہور شخصیت ہیں، اہل علم کے حلقوں میں ان کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ طبعًا ومزاجًا جمعیتی ذہن کے آدمی نہیں ہیں، مگر ہیں بڑے صاحب بصیرت آدمی، جمعیۃ کے حالات سے باخبر رہتے ہیں، حیدرآباد میں ایک بڑا دینی ادارہ چلاتے ہیں، اجلاس عام کے بعد جب ان سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا "آپ لوگوں نے تحویل قبلہ کردیا" یعنی جنوبی ہند کے بارے میں عام تصور یہ تھا کہ یہاں کے علماء اور جمعیتی حلقہ مولانا ارشد مدنی کی طرف میلان رکھتا ہے، مگر اس اجلاس کی کامیابی نے ثابت کردیا کہ جنوب کے لوگ بھی مولانا محمود مدنی اور قاری عثمان صاحب کے ساتھ ہیں اور جو اب تک نہیں تھے وہ اب ہو گئے، مولانا خالد صاحب نے فرمایا کہ اب مولانا ارشد مدنی کو خاموشی سے بیٹھ جانا چاہئے

اور دارالعلوم دیوبند میں خدمتِ تدریس میں اپنے کو لگا دینا چاہئے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ صرف مولانا خالد ہی کی بات نہیں ہے بلکہ جماعتِ دیوبند اور خاندانِ مدنی سے وابستہ تمام مخلص لوگوں کی یہی رائے ہے، حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی جانشین خاندان مدنی میں نظر نہیں آتا، خیال تھا کہ مولانا ارشد مدنی کچھ اس خلا کو دارالعلوم میں رہ کر پورا کریں گے، مگر حضرت مولانا مدظلہٗ نے تو اب اپنا میدان کچھ اور ہی بنا لیا ہے، سیاست کا مزہ ان کو مل گیا ہے، اب ان کو دارالعلوم میں حدیث پڑھانے سے زیادہ جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کی چاہت ہے۔ اس کیلئے مولانا وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو ایک دنیا دار سیاست کا مارا انسان کرتا ہے، اس وقت مولانا مقدمات پر مقدمات دائر کر رہے ہیں، ایک مقدمہ ہارتے ہیں پھر دوسرا دائر کر دیتے ہیں، اس وقت انھوں نے تمام اراکین مجلس عاملہ پر مقدمہ دائر کر رکھا ہے، دہلی ہائی کورٹ سے دشمن میرے نام آچکا ہے، دارالعلوم کے اساتذہ ملک کی مقتدر شخصیتیں مدارس کے شیخ الحدیث حتیٰ کہ حضرت شیخ الاسلام کے خلیفہ و مجاز بزرگ و معمر لوگوں پر بھی مولانا نے مقدمہ دائر کر رکھا ہے، اور ان سب کو عدالت میں کھینچ لانے کی ان کی کوشش ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حیدرآباد کے اس اجلاس کے بعد اگر مولانا اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کر لیں تو ہم لوگوں کیلئے خوشی کی بات ہوگی، ان کیلئے دارالعلوم میں رہنا اور پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ اختیار کرنا ہی انکی شایانِ شان بات ہے۔

اس وقت وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے علماء کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت کافی متاثر ہو رہی ہے، جو لوگ ان کے چاہنے والے تھے، آہستہ آہستہ ان کا ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ مقدمات پر پانی کی طرح سے لاکھوں روپے مولانا خرچ کر رہے ہیں، کیا مولانا یہ بھول گئے ہیں کہ ان کو خدا کے یہاں اس کا حساب دینا ہوگا؟ یہ پیسے مولانا کی گاڑھی اور خون پسینہ کی کمائی کے نہیں ہیں، یہ زکوٰۃ و صدقات کی وہ رقمیں ہیں جن کو بذریعہ چندہ مولانا نے بٹورا ہے، زکوٰۃ صدقات کی رقمیں کہاں خرچ کی جاتی ہیں مولانا نے اس سے خود۔

واقف ہیں۔ مولانا ارشد مدنی سوچیں پھر سوچیں پھر سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، جانشین شیخ الاسلام اور صاحبزادہ حضرت مدنی نے اس مقدس اور محترم خاندان کی جس طرح مٹی پلید کر دی ہے اس کا تصور کس کو تھا؟۔

اللھم وفقہ للسداد وا عنہ علی الرجوع الی الصواب۔

(۱) وما کل مرتاج الی المجد ماجد — ولا کل من یھوی السیادۃ سید

ومن یزرع المنکور یذرا فانہ — علی قدر ما قد قدم البذر یحصد

ص۱۵ کا بقیہ:-
کر رہے ہو، تمہاری اس ادا پر اللہ کو کیسا پیار آتا ہوگا اور وہ کیسی محبت کی نگاہ تم پر ڈالے گا میرے بھائیو! تھوڑا سا وقت اللہ کے ذکر کے لئے اپنے اوقات میں سے ضرور فارغ کرو اور صبح کا وقت فجر بعد یا فجر سے پہلے تو اس کام کیلئے بہترین وقت ہے۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نرم طبیعت، اچھے اخلاق اور نرم گفتگو والا ہو تو اللہ اس کے اوپر جہنم کو حرام کر دیتا ہے۔ (ایضاً)

نرم طبیعت کا ہونا کہ وہ فوراً طیش میں نہ آجایا کرے، اور اچھے اخلاق سے متصف ہونا کہ لوگ اس سے ملنے جلنے میں تکلف نہ کریں، اور گفتگو نرم کرنا کہ اس کے ساتھ بات چیت کرنے میں کسی کو وحشت نہ ہو، یہ آدمی کی وہ اعلیٰ وعمدہ صفات ہیں اور اللہ کے یہاں ان صفات کی اتنی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے انسان پر جہنم حرام کر دیتا ہے یعنی ایسا شخص سیدھا جنت میں جائے گا۔

---

(۱) بزرگی کی جو امید لگائے رہتا ہے وہ بزرگ نہیں ہوتا، اور جو سرداری کا خواہشمند ہوتا ہے وہ سردار نہیں ہوتا ہے۔ اور جو برائی کا بیج بوتا ہے وہ جتنا بوتا ہے اسی کی مقدار برائی کاٹتا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

(۱) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے پاس اس کے بھائی مسلمان کا ذکر اسکی عدم موجودگی میں برائی سے ہو رہا ہو اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہے تو اگر اس نے اپنے بھائی کی مدد کی تو اللہ اس کی دنیا و آخرت میں مدد فرمائے گا۔ (جامع الاحادیث للسیوطی جلد ۶)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر شریعت کی طرف سے بہت سے حقوق عائد کئے گئے ہیں، انھیں میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان کا اس کی عدم موجودگی میں برائی سے ذکر ہو رہا ہو اور لوگ اس کی غیبت میں مبتلا ہیں تو اگر وہاں موجود مسلمانوں میں سے کوئی شخص اس کا دفاع کر سکتا ہے تو اس کو خاموش نہیں رہنا چاہئے، اس کی طرف سے دفاع کرنا چاہئے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی جا رہی ہے اس کے اچھے اخلاق اور اچھے اعمال کا اس مجلس میں تذکرہ کیا جائے۔ اس سے اس غیبت کرنے والے کی زبان بند ہو گی، اسی بات کو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس غیر موجود مسلمان بھائی کی مدد کی جانی چاہئے، اور یہ اتنا بڑا عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت کے روز تنگی و پریشانی میں اس کی مدد فرمائیگا۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کہ جس کو نعمت حاصل ہو اس کو اللہ کی حمد کرنا چاہیئے ، اور جس کو روزی ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو اس کو اللہ سے استغفار کرنا چاہیئے اور جس کو کوئی پریشانی لاحق ہو اس کو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیئے ۔ (ایضاً)

اس حدیث پاک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں کیلئے تین ہدایات ارشاد فرمائیں پہلی یہ کہ اگر اللہ نے کسی کو مال و متاع سے نوازا ہے اور اس کی زندگی میں اللہ کی نعمتوں کے آثار ہیں یعنی وہ خوش حالی کی زندگی گزار رہا ہے تو اس کو اللہ کی اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے ، اور اللہ کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ اور اسکے بندوں کا جو حق ہے اس کو ادا کرے ، غریبوں اور بے سہارا کی مدد کرے ، پاس پڑوس کا خیال رکھے اعزاء واقارب کے ساتھ حسن سلوک کرے یعنی وقت ضرورت ان کی مدد کرے ، کبر و غرور اور نخوت سے بچے ، کسی کو حقیر نہ سمجھے ، اللہ کیلئے متواضع بن کر زندگی گذارے ، اور وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی عطا ہے ، یہ نعمتیں محض اس کا فضل ہے ، اس کی ذات کا اس میں کچھ عمل دخل نہیں ، اگر اللہ کا فضل و احسان نہ ہوتا تو یہ نعمتیں اسے حاصل نہ ہوتیں ۔

دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ ہے کہ اگر کسی کی زندگی روزی روٹی کے اعتبار سے تنگی میں گزر رہی ہے ، اس پر فقر کا سایہ ہے ، تو اللہ سے استغفار کرے ، فقر سے نجات پانے کا استغفار بہترین نسخہ ہے ۔ قرآن میں بھی ہے ۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال و بنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھارا ۔

یعنی تم لوگ اللہ سے استغفار کرو ، اللہ بہت بخشنے والا ہے ، تمہارے اوپر وہ زور کی بارش برسائے گا ، وہ تمہیں مال دے کر اور اولاد دے کر تمہاری مدد کرے گا ، اور وہ تمہارے لئے باغات اور نہریں پیدا کر دے گا ۔

یعنی استغفار کرنے والوں کو استغفار کی برکت سے ہر طرح کی خوشحالی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کا فقر و فاقہ دور ہو جاتا ہے ، جن کی زندگی میں فقر ہو تو اس کیلئے ہمارے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے بھی یہی استغفار والا نسخہ تجویز کیا ہے۔

اور تیسری ہدایت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی مصیبت پیش آئے اور ناگہانی حادثہ میں کوئی مبتلا ہوجائے تو وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کرے، ان کلمات مبارکہ کی برکت سے اس کی پریشانی رفع ہو گی اور اس کے دل کو قوت حاصل رہے گی۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں اگر کسی کو اچھی چیز نظر آئے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے، اور اگر خواب میں ناگوار طبع چیز دیکھے تو اللہ سے پناہ چاہے یعنی اعوذ باللہ پڑھے اور اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔ (ایضاً)

خواب کے بارے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ اگر خواب میں خواب دیکھنے والے کو اچھی اور خوش کرنے والی چیز نظر آتی ہے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور الحمدللہ پڑھے، اور اگر ناپسندیدہ چیز نظر آئے تو اعوذ باللہ پڑھے اور اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے، عام طور پر لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے اور ہر خواب کو ہر ایک سے ذکر کر دیتے ہیں، اچھا خواب بھی اگر ذکر کرنا ہو تو کسی اللہ والے سے اس کا تذکرہ کرے، بُرا خواب تو کسی سے ذکر ہی نہیں کرنا چاہیئے، بس اپنے آپ ہی اعوذ باللہ پڑھ لے، کبھی بُرا خواب کسی سے ذکر کرنے میں اگر اس کی تعبیر بتلانے والے نے بتلا دیا تو اسی طرح کا واقعہ پیش آجاتا ہے اور آدمی تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی تو اللہ اس کے مرتبہ بلند کرتا ہے، اور جس نے خرچ میں میانہ روی اختیار کی تو اللہ اس کو غنی بناتا ہے، اور جو اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ اس سے محبت کرتا ہے (ایضاً)

اللہ کو متواضع بندہ بہت محبوب ہے اور متکبر بندہ اتنا ہی مبغوض ہے، تواضع انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے نیک بندوں کی خصلت ہوتی ہے اور تکبر شیطان کی صفت ہے۔

جو شیطان کی صفت اپنائے گا وہ دنیا و آخرت میں اسی طرح سے رسوا اور ذلیل ہوگا جس طرح سے شیطان ہوا ہے، اس لئے تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے اور متکبر بننے سے روکا گیا ہے دنیا میں تمہیں بھی اس کا تجربہ ہوگا کہ متواضع بندہ لوگوں میں محبوب رہتا ہے اور لوگ اس کی عزت وتکریم کرتے ہیں، اور متکبر آدمی کو لوگ بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں، خواہ وہ دنیا میں کتنی ہی شان و شوکت والا ہو۔

دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ جو آدمی خرچ کرنے میں اسراف اور فضول خرچی سے کام نہ لے اور نہ کنجوسی اختیار کرے کہ ضرورت کے موقع پر بھی وہ خرچ نہ کرے اور اپنی مٹھی بند کئے رہے، بلکہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے، اور اعتدال کو کام میں لائے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو غنی کرے گا، اور وہ فقر و فاقہ کی مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

اس بات کی سچائی کا اگر تمہیں اندازہ کرنا ہو تم اپنے آس پاس رہنے والوں کو دیکھو جن کے اندر خرچ کرنے میں اقتصاد یعنی اعتدال پسندی ہوتی ہے انکی زندگی بڑے آرام چین کی گزرتی ہے، اور جن کے یہاں فضول خرچی و اسراف ہوتا ہے وہ ایک نہ ایک روز پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، جہاں وہ سو خرچ کرتا تھا اس کے پاس اتنا بھی نہیں ہوتا کہ وہاں دس خرچ کرے۔

اور رہا وہ شخص جس کی مٹھی ہر وقت بند رہتی ہے تو اس کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ فقیر ہی رہتا ہے۔

تیسری بات آپؐ نے یہ فرمائی کہ آدمی جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ کا وہ محبوب ہو جاتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کو یاد کرے گا تو وہ ہر اس کام سے بچے گا جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے، وہ اللہ کی اطاعت میں اپنی زندگی گذارے گا اور ایسا شخص اللہ کا محبوب اور پیارا نہ ہوگا تو کون ہوگا، محبوب کی ذکر کی کثرت آدمی کو اس کا محبوب بنا دیتی ہے، سوچو رات کی تنہائی ہو، دنیا محو خواب ہو اور تم اس وقت اللہ اللہ

بقیہ ص۱۱ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری — قسط ۱۸

مقامِ صحابہؓ کتاب و سنّت کی روشنی میں

اور

مولانا مودودی

جاہلیت کے سامنے اسلام کی اس سے بدترین شکست اور کیا ہو سکتی ہے اور ایک دشمن اسلام اسلام کی اس سے بدتر تصویر دوسری کیا پیش کر سکتا ہے؟

ص ۱۷۲ پر مولانا "قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں مسلمانوں کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا حالانکہ وہ اسلامی ریاست کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے تھا۔" (ص ۱۷۲)

ص ۱۷۳ پر فرماتے ہیں:

لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی، اس کے تقاضے وہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے پورا کرتے تھے اور اس معاملہ میں حلال و حرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے۔"

اور یہ پالیسی کب سے شروع ہوئی، مولانا لکھتے ہیں۔

یہ پالیسی حضرت معاویہ کے عہد سے شروع ہوگئی تھی (ص ۱۷۳)

اور پھر مولانا نے اس دعویٰ کو کہ یہ پالیسی حضرت معاویہؓ کے زمانہ سے شروع

ہوگئی تھی چند مثالوں سے ثابت کیا ہے جس سے اس دور کے جاہلی نظام کا اندازہ لگتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے نہ مسلمان کافر کا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔" ص ۱۷۳

گویا اس طرح حضرت معاویہؓ نے آنحضورؐ اور خلفائے راشدین کی اس سنت کو بدل دیا اور قانون کو اپنی رائے کا تابع بنا لیا۔

دوسرا الزام اس سلسلہ کا یہ ہے :

" دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہؓ نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہؓ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔" ص ۱۷۳

اس سلسلہ کا تیسرا الزام یہ ہے۔

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی بوچھار کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔" ص ۱۷۴

اس پر مولانا کا حاشیہ ملاحظہ ہو :

کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور سے جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا

تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔" (ایضاً)

اگرچہ یہ سب کچھ مولانا مودودی نے حضرت معاویہؓ کی شخصیت کو مطعون کرنے کیلئے لکھا ہے لیکن اس الزام سے اس زمانہ کے صحابہ اور حضرت علی کے قریب ترین رشتہ دار نہیں بچ سکتے کہ وہ معاذاللہ نہایت بے غیرت اور بے حمیت اور بزدل تھے کہ مسجد نبوی کو اور منبر رسول کو اس گندگی سے بچانے کے لئے اور روضۂ نبوی کے احترام کی خاطر وہ اس گالی دینے والے کے منہ نہیں نوچ لیا کرتے تھے۔ اگر حضرت معاویہ کا یہ فعل اخلاقی اعتبار سے سخت گھناؤنا تھا تو ان صحابہ کرام اور حضرت علی کے قریب ترین رشتہ داروں کی یہ خاموشی اور اور منبر رسول پر حضرت علی کے خلاف یہ سب و شتم کی بوچھار کو انگیز کرنا بھی کسی اچھے اخلاق کی علامت نہ تھی یہ بات تو ایک عام مسلمان بھی برداشت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ صحابہ کرام اور حضرت علی کے اقرب ترین رشتہ دار اس کو برداشت کرلیں۔

حضرت معاویہ پر چوتھا الزام۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔

وہ کیا؟

حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونا ان کیلئے الگ نکال لیا جائے"۔ ص۱۷۴

حضرت معاویہ کے معائب و نقائص کا بیان ابھی ختم نہیں ہوا۔ مولانا نے ایک بڑا گھناؤنا الزام حضرت معاویہ پر عائد کیا ہے جس کی نسبت کسی بھی شریف آدمی کی طرف کوئی با حیا آدمی اگر کرے تو اسے پسینہ آجائے لیکن مولانا مودودی نے اس کو بڑی بے تکلفی سے حضرت معاویہ کے سر منڈھ دیا اور یہ سب کچھ ان کے شرف صحابیت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے آپ بھی اپنے احساس کو دبا کر اسے پڑھ لیجئے۔

"زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ کے ان افعال میں سے ہے

جس میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلم قاعدے
کی خلاف ورزی کی تھی، زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے
پیدا ہوئے تھے، لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ کے
والد جناب ابو سفیان نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے
وہ حاملہ ہوئی .... جوان ہو کر یہ شخص
اعلیٰ درجہ کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت
ہوا۔ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبر دست حامی تھا اور
اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔

چونکہ وہ حضرت علی کا زبر دست حامی تھا اور اس نے ان کیلئے بڑی اہم خدمات
انجام دی تھیں اور انتظامی صلاحیت بھی اس میں غیر معمولی تھی اسلئے۔
حضرت معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کیلئے اپنے والد ماجد کی
زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہونچایا کہ زیاد انھیں کا ولد الحرام
ہے پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دیا۔
اس پر تبصرہ اب خود مولانا کی زبان سے سن لیجئے۔
یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہے مگر قانونی
حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا کیونکہ شریعت میں کوئی نسبت
زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ (ص۱۷۵)

مولانا کا یہ بیان آپ پورا پڑھ ڈالئے میں نے نقل کی پوری ذمہ داری کے ساتھ
بلا کم و کاست آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اور آپ خود اندازہ لگا لیں کہ مولانا کی اس
طرح کی تحریروں سے مقصد کیا ہے اور ان کے دل میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں کس طرح
کا جذبہ ہے اور وہ اسلام کے نام پر جو خدمت انجام دے رہے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے
وہ مسلمانوں کی روشن تاریخ کو اور اسلام کے دور اول کو کس رنگ میں پیش کر رہے ہیں، وہ

صحابۂ کرام کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں اور وہ جس دین کے اقامت کے مدعی تھے اس کی اساس کس طرح کے افکار و تصورات پر ہے۔

مولانا مودودی تو گذر چکے ان کی جماعت کے افراد سے ہماری درد مندانہ گذارش ہے کہ خدا کیلئے آپ لوگ مولانا مرحوم کی اس طرح کی تحریرات سے تبری فرمائیں حضرت مولانا مودودی کی ذات اور ان کے افکار و خیالات اتنے مقدس اور محترم نہیں جتنا صحابہ کی ذات کا احترام ضروری ہے۔

یہ حضرت معاویہؓ وہ ہیں جن کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مبارک کا یہ مبارک ارشاد ہے۔

معاویہ کے اونٹ کے نکیل کی مٹی جو اللہ کے رسول کے ساتھ غزوہ میں اس پر لگی وہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے زیادہ بہتر ہے۔

مولانا مودودی کے یہی وہ افکار و خیالات اور اسلاف دشمنی ہے کہ ان کی طرف علماء کا طبقہ متوجہ نہیں ہوسکا اور جو لوگ ابتداً ہوئے بھی وہ ان سے ایک ایک کر کے کنارہ کش ہوتے چلے گئے اب لے دے کے جماعت اسلامی کے افراد میں بیشتر وہی لوگ ہیں جو کالجوں اور اسکولوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کو ان کے مزاج اور خواہش کے مطابق حضرت مولانا مرحوم کے یہاں غذا ملتی رہتی ہے۔

مولانا مودودی کے اس کتاب کے یہ دونوں باب " یعنی خلافت راشدہ سے ملوکیت تک " اور " خلافت و ملوکیت کا فرق " اس طرح کی گندی عبارت بے ہودہ تحریرات، فاسد خیالات صحابۂ کرام کے بارے میں غلط جذبات سے پر ہیں، اور مولانا مودودی مرحوم کے دماغ و مزاج کو سمجھنے کے لئے اس میں کافی مواد ہے۔

بہر حال یہ ہے صحابۂ کرام کی وہ تصویر جس کو مولانا مودودی نے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اب ذرا ایک مرتبہ زحمت اٹھا کر آپ صحابۂ کرام کی اس تصویر کو بھی دیکھ لیجئے جو کتاب و سنت نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور جس کو تفصیل سے پچھلے صفحات میں

دکھلایا جا چکا ہے اور پھر آپ دیکھیں کہ ان دونوں تصویروں میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق ہے ———— مولانا مودودی نے صحابۂ کرام کے اس مقدس گروہ پر امت مسلمہ کے عہد زریں کے ان انسانوں پر اور درسگاہ نبوت سے مستفید ہونے والوں پر خیرامت اور امت وسط کا خطاب پانے والوں پر اور اللہ نے جن کے لئے اپنے رضا کی خوشخبری سنائی ہے ان اللہ والوں پر کون سا وہ گندہ الزام ہے جو نہیں لگایا ہے اور ان کی مقدس شخصیتوں کو مطعون کرنے میں کون سی کسر باقی رکھی گئی ہے ۔

کیا یہ تصویر جو اسلام کے قافلہ اول اور عہد اول کی پیش کی جارہی ہے اس میں اور آج کے اس گندے دور کی ہمارے سامنے جو تصویر ہے اس میں کچھ فرق ہے، وہی ساری گندگیاں، چالبازیاں حصول اقتدار کے لئے سازشیں، دغا اور فریب، کذب و نفاق، افترا، پردازی اور بہتان تراشی، جبر واکراہ جو آج کے اقتدار پسندوں، سیاسی سورماؤں، اور دنیا دار انسانوں کا وطیرہ اور شیوہ ہے اور وہی بے غیرتی اور بے حمیتی جو آج کے لوگوں میں پیدا ہے، وہی دین فروشی اور دنیا سازی جو آج کے زمانہ کا خاصہ بن گیا ہے، وہی حق سے انحراف اور چشم پوشی اور دین کے سلسلہ میں بزدلی جس سے ہمارا آج کا معاشرہ بدنام ہے وہی سب کچھ ان صحابۂ کرام اور اس خیرالقرون کے اندر بھی ثابت نہیں کیا جارہا ہے اور بڑے اصرار کے ساتھ اسے قبول کرانے کی تکنیک اپنائی نہیں جارہی ہے ؟

اور افسوس تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کا نام لے کر اور دین و امت کی خدمت کے پردے میں کیا جارہا ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اسلام کی یہی تاریخ ہے اور اس طرح کی تاریخ مرتب کرنے سے اسلام اور اہل اسلام کی کوئی خدمت انجام پا سکتی ہے تو اس سے کہیں بہتر طریقہ پر اس کام کو مستشرقین اور یورپ کے اسلام دشمن مصنفین انجام دے چکے ہیں ۔

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ ہم جب اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اس طرح کی تحقیق پر جس سے اسلام اور اہل اسلام کی صورت مسخ ہوتی ہے اپنے رنج و غم

کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل ہم صحابۂ کرام کی زندگی کا صحیح رخ اور صحیح تصویر عوام کے سامنے لانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوسا جاتا ہے گویا ہم کوئی بڑے خطرناک جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ہمارے خلاف تقریر و تحریر کا ایک معرکہ قائم کر دیا جاتا ہے اور قلم کی پوری طاقت سے ہمارے حق کو باطل اور اپنے باطل کو حق ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کاش جماعتِ اسلامی کے حضرات اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرتے اور تقلید اور ذہنی غلامی کے جس قلادہ کو اپنی گردن سے انھوں نے صحابۂ کرام، اسلاف امت، اور ائمہ فقہ وحدیث کیلئے اتار پھینکا ہے ان کا طرز عمل مولانا مودودی مرحوم کے بارے میں بھی یہی ہوتا۔

بہر حال آپ کے سامنے صحابۂ کرام کی یہ دونوں تصویریں ہیں ایک کتاب وسنت کی ایک ہمارے معاصر محققین کی تیار شدہ اب آپ کو اختیار ہے جس کو آپ اپنے دین وایمان کے تقاضے اور اسلام کے عہد اول اور عہد زریں کے مطابق پائیں اسے قبول کر لیں اور جس کو اس کے خلاف پائیں اسے رد کر دیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب کی تیاری میں تاریخ کا بڑی گہری نگاہ سے (اگرچہ ایک خاص زاویہ فکر کے ساتھ) مطالعہ کیا ہے، لیکن ان تاریخی کتابوں کا جو حال ہے اس کی حقیقت اس سے پہلے بتلائی جا چکی ہے۔ اور بتلایا جا چکا ہے کہ تاریخ سے صحیح استفادہ کرنے کیلئے صحیح ذوق اور ایمانی نور کی بھی بڑی سخت ضرورت ہے ورنہ تاریخ کے اس طومار میں آدمی حیران اور ششدر ہو کر رہ جاتا ہے یا پھر غلط نتائج لے کر نکلے گا۔

اس سلسلہ میں خود مولانا مودودی کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ مولانا ایک صاحب کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

> پھر لطف یہ ہے کہ مصنف اپنے ان تمام نظریات کی بنا تاریخی استدلال پر رکھتا ہے حالانکہ اگر حدیث کی روایات قابلِ اعتبار نہیں ہیں تو تاریخ ان سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتبار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

..... تاریخ کے پاس یا تو کوئی سند ہی نہیں ہے، جن قدیم کتابوں کو آپ تاریخ کا سب سے زیادہ معتبر ذخیرہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق آپ کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ جن مصنفین کی طرف وہ منسوب ہیں انھیں کی لکھی ہوئی ہیں اسی طرح جو حالات ان کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی آپ کوئی ایسی سند نہیں رکھتے ہیں جن کی بنا پر ان کی صحت کا یقین کیا جا سکے۔ (ص ۲۰۳ تفہیمات جلد اول)

جس تاریخ کی کتابوں کے بارے میں مولانا مودودی کا یہ نظریہ ہے۔ افسوس ہے کہ اس تاریخ اور انھیں تاریخ کی کتابوں سے مدد لے کر حضرت مولانا ہمارے سامنے صحابۂ کرام کی اور اسلام کے عہد اول کی وہ تصویر پیش کر رہے ہیں جس کا بیان ابھی آپ کے سامنے گذرا۔ خدارا ذرا یہ انصاف بھی ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا مودودی طٰہٰ حسین کے نظریے سے متاثر ہیں

مولانا مودودی سے قبل طٰہٰ حسین جو مصر کا ایک ملحد اور بے دین مصنف ہے اس نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا اور اس نے اس سلسلہ میں دو کتابیں "عثمان" اور "علی" لکھی تھیں، اس نے ان دونوں کتابوں میں نہایت مکروہ طریقہ پر اسلام کی تاریخ پیش کی ہے اور میرا خیال ہے کہ مولانا مودودی طٰہٰ حسین سے متاثر ہیں انکی یہ کتاب یعنی "خلافت اور ملوکیت" اسی تاثر کا نتیجہ ہے، جب یہ کتاب میرے مطالعہ میں آئی اس سے پہلے میں طٰہٰ حسین کی یہ دونوں کتابیں میں پڑھ چکا تھا، مولانا مودودی کی اس کتاب کو پڑھ کر میں نے کہہ دیا تھا کہ یہ کتاب طٰہٰ حسین کی کتاب کی صدائے بازگشت ہے۔

میں چاہ رہا تھا کہ اس موقعہ پر طٰہٰ حسین کی ان دونوں کتابوں سے کچھ اقتباسات نقل کر کے ناظرین کو یہ دکھلا دوں کہ یہ جو میں نے کہا ہے کہ مولانا مودودی طٰہٰ حسین سے متاثر ہیں وہ کہاں تک صحیح ہے، لیکن میری یہ کتاب میرے اندازے سے زیادہ ضخامت اختیار کرتی جا رہی ہے اس وجہ سے میں ناظرین سے اس موقعہ پر یہ گذارش کروں گا کہ وہ خود ان دونوں کتابوں کا یعنی علی اور عثمان کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ میری اس بات میں

بقیہ ص ۵۷ پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری — قسط ۱۴

بریلوی مذہب پر ایک نظر

آدم کو برا علم سکھلایا گیا، برا علم سیکھنا برا نہیں، جادو سیکھنا فرض ہے کفریہ کلموں کو سیکھنا فرض ہے

مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں۔

مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا، اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا تو حضرت آدمؑ کو یہ علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے ۔ علم ریا و حسد و حرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔ (جاء الحق ص ۳۴۶)

فائدہ :۔ مفتی صاحب کی حضرت آدمؑ کی شان میں یہ بڑی گستاخی ہے کہ وہ فرما رہے ہیں کہ حضرت آدم کو بُری چیزوں کا علم دے کر استاد بنایا گیا اس کلمہ کفریہ کے کہنے کے بعد مفتی تو وہ خیر کیا ہوتے مسلمان بھی نہ رہے، مفتی صاحب کے ان فرمودات عالیہ نے بریلوی لوگوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے، اب ہر بریلوی پر فرض ہے کہ وہ جادو سیکھے اور گندگیوں اور برائیوں کا علم حاصل کرے، کافرانہ کلمات سیکھنے کیلئے مدرسہ کا رُخ کرے بعض گندگیاں سیکھنے کیلئے پریکٹس بھی کرنی پڑے گی تب جا کر وہ علم حاصل ہوگا، زنا کیسے کیا جائے گا اس کا تجربہ کرنا ہوگا، چوری کیسے کی جائے گی اس میں مہارت تجربے سے حاصل ہوگی

ڈاکٹر ڈالنا عملی تجربہ سے آئے گا، ناچنا گانا عملاً کرنا ہوگا، گالی سیکھنے کیلئے ڈومنیوں اور چماروں کے یہاں جانا ہوگا، دیکھنا ہے کہ بریلوی حضرات ان چیزوں کو کیونکر سیکھتے ہیں، اور اگر کوتاہی کریں گے تو یہ سب فرض ذمہ میں ہوگا اور گناہ کا پھندا گردن میں، مفتی صاحب سے تو یہ پوچھنا نہیں ہے کہ ماشاء اللہ آپ تو ان ساری برائیوں کے ماہر ہوں گے، تجربہ ولی برائیوں کا تجربہ بھی کیا ہوگا۔ پوچھنا اس لئے نہیں ہے کہ سب سے پہلے تو آپ ہی نے ان فرائض کی ادائیگی میں سبقت کی ہوگی۔ ماشاء اللہ چشم بد دور

مسجد میں اذان دینا ثابت نہیں

اعلحضرت لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں، جو لوگ اس کا دعویٰ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افترا کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۵)

فائدہ:۔ بریلوی حضرات اس فتویٰ پر غور کریں اور اس پر عمل کریں، ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اعلیٰحضرت کا ارشاد گرامی چیخ چیخ کر پکار رہا ہے کہ بات وہی صرف قابل عمل ہوتی ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت ہو ورنہ وہ بدعت ہوگی، مسجد میں اذان دینے کو اعلحضرت بدعت بتلاتے ہیں۔

بریلویوں کو سب کچھ احمد رضا خاں دیتے ہیں

حافظ کلیم نور محمد رضوی کہتے ہیں۔

کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا   جو دیا تم نے دیا احمد رضا

فائدہ:۔ بریلوی حضرات کے عقیدہ میں اولیاء اللہ مالک کل ہیں، گویا خدائی ان کے ہاتھ میں ہے، احمد رضا بھی بریلوی عقیدہ کے مطابق بڑے ولی ہیں اسلئے بریلویوں کو

جو کچھ ملتا ہے اسی خدائی دربار سے ملتا ہے۔

احمد رضا خاں داتا ہیں

حافظ حکیم نور محمد صاحب لکھتے ہیں:

تو ہے داتا اور میں منگتا تیرا　　میں ترا ہوں تو مرا احمد رضا (نغمہ ص۱۱)

فائدہ:۔ یعنی بریلوی حضرات کے داتا، مالک، رزاق، احمد رضا ہیں۔ اور ان کے در کے سوالی ہیں۔

عبدالستار اسمٰعیل کہتے ہیں

لاج رکھ لے میرے پھیلے ہاتھ کی　　اے مرے حاجت روا احمد رضا

جھولیاں بھر دے مرے داتا مرے　　ہوں تیرے در کا گدا احمد رضا

میرے جگ داتا صدا سن لے مری　　کر بھلا ہو گا بھلا احمد رضا

فائدہ:۔ یہ خالص شرکیہ اور کفریہ عقیدہ کس کا ہو سکتا ہے، اللہ کی وحدانیت پر جس کا ایمان ہو اور توحید خالص جس کا زیور ہو۔

بریلوی حضرات کا دین و دنیا احمد رضا سے متعلق ہے

دین و دنیا میں مرے بس آپ ہیں　　میں ہوں کس کا آپ کا احمد رضا
(نغمہ ص۱)

فائدہ:۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہی کی ذات پر اعتماد و بھروسہ ہونا چاہیئے، دین و دنیا کا بنانے والا صرف اللہ ہے، اسی کی فرماں روائی پورے عالم پر ہے۔ مسلمان ہر آن اپنے کو اللہ ہی کا محتاج اور اسی کا دست نگر سمجھتا ہے۔ مگر یہ توحید خالص کا جامِ خالص ان کی قسمت میں کہاں جو کفر و شرک اور بدعت و ضلالت کی نجاست سے آلودہ ہوں۔

بریلویوں کے مشکل کشا احمد رضا ہیں

عبدالستار اسمٰعیل لکھتے ہیں۔

دین و دنیا میں نہ کچھ مشکل پڑے ‏ ‏ اے مرے مشکل کشا احمد رضا (نغمہ ص)

فائدہ :۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مشکل کشائی صرف اللہ کرتا ہے اللہ کے سوا کسی کو مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔

غم و خوشی کا گھٹانا بڑھانا بھی احمد رضا کا کام ہے

عبدالستار اسمٰعیل صاحب لکھتے ہیں

چار جانب مشکلیں ہیں اور میں ‏ ‏ اے مرے مشکل کشا احمد رضا
چار جانب سے گھٹا غم کی بڑھی ‏ ‏ غم گھٹا خوشیاں بڑھا احمد رضا

فائدہ :۔ مشکل کشائی کرنا غم کا گھٹانا بڑھانا بریلوی حضرات کے یہاں احمد رضا خاں کیا کرتے ہیں اور مسلمانوں کے مذہب و عقیدہ میں یہ کام اللہ کا ہے۔

احمد رضا خاں ہی سے دونوں عالم کی بھلائی ہے

عبدالستار اسمٰعیل لکھتے ہیں :

دونوں عالم میں بھلا ہے آپ سے ‏ ‏ ہیں مرے حاجت روا احمد رضا
(نغمہ ص)

فائدہ :۔ ذرا غور کریں دونوں عالم کی بھلائی اللہ سے ہے یا اعلیٰحضرت احمد رضا سے۔ اس شرکیہ عقیدہ کے باوجود اہلسنت والجماعت بریلوی ہی حضرات ہیں۔

وہابی دیوبندی وغیرہ کو کافر کہنا فقہاً واجب ہے

اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ فرماتے ہیں :

ایک کفریہ عامہ قدیمہ سن لیجئے کہ انھیں کافر کہنا فقہاً واجب ہے، واضح ہو کہ "وہابیہ" منسوب عبدالوہاب نجدی ہے" الکوکبۃ الشہابیہ ص۶ مطبوعہ مضایک

فائدہ :- اعلیٰحضرت کے باپ لکھتے ہیں کہ کسی کافر کو بھی برا بھلا مت کہو اور اعلیٰحضرت مسلمانوں کو کافر کہنا فقہاً واجب سمجھتے ہیں۔

جب تک کوئی گرسنگی بھوک کی حالت کو نہ پہنچے نہ اسے سوال جائز نہ اسے کچھ دینا جائز

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ احتیاج تا بحد مخمصہ پہونچے تو اسے سوال حلال نہیں نہ اسے دینا جائز۔ (خیر الامال ص ۲۲)

فائدہ :- یہ اعلیٰحضرت کا گھڑا ہوا مسئلہ ہے۔ حدیث میں تو یہ ہے کہ اگر سائل گھوڑے پر سوار ہو کر بھی آئے تو اسے واپس نہ کرو۔ آنحضورؐ کسی سائل کو واپس نہیں کیا کرتے تھے اور اعلیٰحضرت کا فتویٰ یہ ہے کہ جب تک احتیاج حالتِ مخمصہ (بھوک) کو نہ پہونچے سائل کو دینا جائز نہیں۔

سوم، برسی، چہلم سب جائز ہے

مفتی نظام الدین مفتی رسالہ پاسبان سے سوال ہوا

۔ ہمارے یہاں میت کا سوم، چہلم، برسی کا رواج ہے ازروئے شریعت یہ درست ہے یا نہیں۔ مفتی صاحب نے فتویٰ صادر کیا۔

یہ سب ایصالِ ثواب ہے، شرعی قانون کے مطابق ہے اسلئے درست ہے۔

پاسبان اگست ۱۹۵۵ء

فائدہ :- مفتی صاحب سے کوئی پوچھے کہ صرف کسی چیز کا ایصال ثواب ہونا اس کے جائز ہونے کیلئے کافی ہے یا یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ شرعی طریقہ کے مطابق بھی ہے

یا نہیں، کیا سوم، برسی، چہلم کا رواج عہد خیر القرون میں تھا، اگر ان زمانوں میں ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہ تھا تو اسے بدعت کہے بغیر چارہ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرش اعظم کے مقیم اور مکین لامکاں ہیں

صدر الافاضل مولانا امجد علی صاحب آنحضرتؐ کی نعت میں فرماتے ہیں۔

مقیم عرش اعلےٰ ہو مکینِ لامکاں تم ہو (پاسبان مجدد ملت نمبر نومبر، دسمبر ۱۹۵۵ء)

فائدہ:- قرآن تو اللہ کے بارے میں "استویٰ علی العرش" فرماتا ہے۔ نیز مکین لامکاں ہونا تو صرف اللہ کی صفت ہے مگر صدر الافاضل کے نزدیک عرش اعلیٰ پر آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقیم اور مکین لامکاں بھی آپ ہی ہیں، کیا یہ کفر خالص نہیں۔ قرآن و حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ عرش پر آنحضورؐ مقیم ہیں یا آپ مکین لامکاں ہیں۔

سجدہ اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

مسلمان! اے مسلمان! شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہٗ کے سوا کسی کیلئے نہیں (الزبدۃ الزکیہ ص۵)

فائدہ:- بریلوی حضرات اولیاء کی قبروں پر بلا تکلف سجدہ کرتے ہیں اعلیٰحضرت کے اس ارشاد پر غور کریں۔

غیر اللہ کو سجدہ کفر ہے

نیز اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً شرک نہیں وہ کفر مبین اور سجدہ تحیۃ حرام وگناہ بالیقین۔ (ایضاً)

فائدہ :۔ اس امرحرام کا ارتکاب بریلوی مذہب کا اب جزو بن گیا ہے جو اس امرحرام کا ارتکاب نہ کرے اسے بریلوی مسلک کے لوگ وہابی کہتے ہیں۔

نصرانیت یہودیت سے بدتر ہے

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

لہٰذا علماء نے فرمایا کہ یہودیت سے نصرانیت بدتر ہے کہ نصاریٰ کا خلاف توحید میں اور یہود کا صرف رسالت میں۔ (ایضاً ص ۲۵)

فائدہ :۔ اعلیٰحضرت کا یہ ارشاد قرآن کے خلاف ہے، قرآن کہتا ہے

لتجدن اشد الناس عداوۃ	ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہودیوں
للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا	اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی
ولتجدن اقربھم مودۃ للذین	دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے
آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ط	جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں۔ (ترجمہ اعلیٰحضرت)

اور خاں صاحب کا یہ فرمانا کہ یہود کا خلاف صرف رسالت میں ہے یہ بھی صحیح نہیں۔

قرآن کہتا ہے۔

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ ط	یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہود نے بھی عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا اور نصاریٰ نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔

غیر کو سجدہ کرے تو کافر ہے

خاں صاحب لکھتے ہیں۔

غیر کو سجدہ کرے تو کافر ہے کہ زمین پر پیشانی رکھنا دوسرے کیلئے جائز نہیں۔

(ایضاً ص ۲۵)

فائدہ :- قبروں پر سجدہ کرنے والے خاں صاحب کا یہ ارشاد یاد رکھیں۔

مزارات کو سجدہ کرنا یا ان کے سامنے کی زمین چومنا حرام

خاں صاحب لکھتے ہیں۔

غیر کو سجدہ کرنا یا اس کے سامنے کی زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا ممنوع ہے۔ (ایضاً ص ۳۵)

فائدہ :- بریلوی حضرات غور فرمائیں۔ یہ خاں صاحب کا فتویٰ ہے کسی دیوبندی وہابی کا نہیں۔

دسہرہ، جنم اشٹمی، درگا پوجا وغیرہ میلوں میں جانا کفر ہے

محمد مصطفےٰ رضا خاں مفتی بریلوی پسر احمد رضا خاں صاحب سے مندرجہ بالا میلوں کی شرکت کے بارے میں سوال ہوا۔ محمد مصطفےٰ صاحب نے جواب دیا۔

" ان لوگوں پر توبہ، تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم " فتاویٰ مصطفویہ ج۱ ص۸۸)

فائدہ :- ان میلوں میں بلاشبہ شرکت ناجائز و حرام مگر اس سے نکاح ختم ہو جانا اور شرکت کرنے والے کا ایمان ختم ہو کر کافر ہو جانا یہ شریعت پر افترا ہے۔

آنحضورؐ اللہ جل جلالہٗ کی ہر صفت کے مظہر اتم ہیں

محمد مصطفےٰ صاحب رضوی لکھتے ہیں۔

بے شک بلاشبہ حضور پر نور، شافع یوم النشور، محبوب اعظم، رب غفور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چاہنے والے رب کریم کی عطا سے مطلع علی الغیب ہیں اور اس قیوم عزجلالہٗ کی ہر صفت کا مظہر اتم۔ (فتاویٰ مصطفویہ ج ۱ ص ۱۲۱)

فائدہ :- آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہٗ کی ہر صفت کا مظہر اتم

کہنا بہت بڑی حماقت ہے۔ اللہ قدیم اور واجب ہے کیا آنحضورؐ بھی قدیم اور واجب ہیں۔

دہ در دہ سے کم پانی میں بلاضرورت ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہوجائیگا

اعلحضرت کے صاحبزادے محمد مصطفےٰ لکھتے ہیں۔

بے ضرورت دہ در دہ سے کم گھرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈالے گا تو مستعمل ہوجائے گا۔ (ایضاً ص ج ۲ ص ۳)

فائدہ :۔ اگر ہاتھ میں نجاست نہ ہو تو کسی بھی پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی کا حکم نہیں بدلے گا، نیز اسی طرح اگر اس نے طہارت کی نیت سے پانی میں ہاتھ نہیں ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا۔ معلوم نہیں مفتی اعظم بریلی نے یہ مسئلہ کہاں سے گڑھا۔

قارئین زمزم سے گذارش

قارئین زمزم کو معلوم ہو کہ زمزم اس وقت سخت مالی دشواریوں میں مبتلا ہے، اگر قارئین نے توجہ نہیں فرمائی اور زمزم کا بقایا ادا نہیں کیا اور نئے خریدار بنانے کی کوشش نہیں فرمائی تو اب زمزم کا سفر باقی رہنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

--- مدیر ---

محمد اجمل مفتاحی

قسط ۲

محمد ابوبکر غازی پوری

ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیے

صلوٰۃ الرسول کتاب اور اس کے بارے میں دو محققین کا اظہار خیال

(۱۱) مؤلف کتاب مولانا حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں:

گردن کے مسح کا احادیث میں کہیں ذکر نہیں آیا ہے، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" مؤلف نے یہاں مطلق طور پر نفی کر دی ہے جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس بارے میں بعض ضعیف اور من گھڑت روایات وارد ہیں" ص۱۱۲

اور لقمان سلفی صاحب فرماتے ہیں، بلکہ مؤلف کی بات بناتے ہیں اس لئے کہ مؤلف نے کہا ہے کہ گردن کے مسح کے بارے میں احادیث میں ذکر نہیں ہے، یعنی نہ صحیح میں نہ ضعیف احادیث میں، تو مؤلف کی اس جہالت پر پردہ ڈالتے ہوئے لقمان صاحب فرماتے ہیں:

" یعنی صحیح احادیث میں گردن کے مسح کا کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ اس بارے میں بعض ضعیف و من گھڑت روایات ہیں" ص۱۴

دیکھئے لفظ "یعنی" لاکر مؤلف کی جہالت پر کس طرح پردہ ڈالا جا رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب دونوں محققین کی تحقیق میں گردن کے بارے میں ضعیف روایات موجود ہیں تو ان روایتوں میں سے کسی کو مصنف نے کیوں ذکر نہیں کیا جس طرح دوسرے مسائل

میں پچاسوں ضعیف روایتوں کو انھوں نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔

مؤلف موصوف کی الٹ پلٹ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں تو یہ کہہ رہے ہیں کہ گردن کے مسح کا احادیث میں کہیں ذکر نہیں ہے اور پھر یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ سر کا مسح کرتے وقت حضورؐ اپنے ہاتھوں کو گدی تک پہونچاتے تھے اور گدی سر کا پچھلا حصہ ہوتا ہے جس میں کچھ گردن بھی آجاتی ہے۔

دیکھئے مؤلف مذکور نے خود ہی گردن کے مسح کا ثبوت فراہم کر دیا، جب کہ موصوف کے بیان کے مطابق گدی کے مسح کا ذکر صحیح حدیث میں ہے اور وہ بھی مسلم شریف کی حدیث میں اور گدی کے مسح میں گردن کا کچھ حصہ بھی شامل ہوتا ہے تو صحیح حدیث سے گردن کے مسح کا ثبوت فراہم ہو گیا، یعنی اب بات یہ ہوئی کہ پوری گردن کا مسح کا ثبوت ضعیف احادیث سے ہوتا ہے اور گردن کچھ حصہ کا مسح کا ذکر مسلم شریف کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو یہ کہنا کہ گردن کے مسح کا ذکر احادیث میں نہیں ہے اور ہے بھی تو صرف ضعیف احادیث میں کیسی دھاندلی والی بات ہے۔ چونکہ غیر مقلدین کو گردن کا مسح نہیں کرنا ہے اس وجہ سے وہ گردن کے مسح کا ذکر تمسخرانہ انداز میں کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ احادیث کا انکار خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو لعنت خداوندی کو دعوت دیتا ہے اور کبھی انسان اس کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جاتا ہے، اس پرچہ میں آپ اس بارے میں امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی کی زبان سے یہ قصہ آپ پڑھیں گے کہ ضعیف احادیث کا انکار بعض اوقات آدمی پر مصیبت کے کیسے پہاڑ توڑتا ہے۔

(۱۲) مؤلف حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں۔

"بخاری شریف کی روایات میں وضو کے اعضاء کا دو بار اور ایک بار بھی دھونا آیا ہے، واضح ہو کہ اعضاء کا تین تین بار دھونا افضل ہے اور تین بار دھونا ہی سے وضو کامل ہوتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ جب بخاری شریف کی روایت سے ایک بار اور دو بار بھی

اعضاء وضو کا دھونا ثابت ہے تو پھر حکیم صاحب کی جرأت کی داد دینی چاہئے کہ جو عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس عمل کو آپ ناقص بتلارہے ہیں، خدا اس جہالت سے بچائے، اور تعجب یہ ہے کہ ان کی کتاب کے دونوں محققین اس پر خاموش ہیں، البتہ پاکستانی محقق ہندوستانی محقق سے کچھ زیادہ انصاف پسند معلوم ہوتا ہے وہ حکیم صاحب کی اس بات پر لکھتا ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ سب علماء کا اتفاق ہے کہ اعضاء کا ایک ایک بار دھونا کفایت کرتا ہے۔ ص۱۱۷

اور ہندوستانی محقق بالکل خاموشی سے گزر جاتا ہے، حکیم صاحب کے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔

(۱۳) مؤلف نے حضورؐ کا یہ عمل نقل کیا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے وضو کیا اور دھوئے اعضاء کو تین تین بار اور فرمایا یہ ہے وضو میرا اور وضو پہلے انبیاء کا اور وضو ابراہیم کا۔

اس حدیث کے بارے میں پاکستانی محقق لکھتا ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے، اور ابوبکر حازمی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث کئی طریق سے مروی ہے اور اس کے سب طریق ضعیف ہیں اور حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس سے حجت پکڑنا درست نہیں ہے، نووی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے، غرض متقدمین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو حسن یا صحیح نہیں کہا ہے، ہاں البانی اور صنعانی بقول پاکستانی محقق اس کو کثرتِ طرق کی بناء پر حسن کہا ہے، مگر متقدمین کے مقابلہ میں صنعانی اور البانی کی کون سنتا ہے، یہ شرف صرف غیر مقلدوں کو حاصل ہے کہ وہ البانی اور صنعانی جیسے متأخرین کی تقلید کرتے ہیں۔

بہرحال پاکستانی محقق نے اس حدیث پر بہت تفصیلی کلام کر کے بتلایا ہے کہ یہ حدیث متقدمین کے نزدیک نہ صحیح ہے اور نہ حسن، جب کہ ہندوستان کا محقق صرف یہ کہتا ہے۔

" حسن " یعنی یہ حدیث حسن درجہ کی ہے اور حوالہ دیا ہے البانی کی کتاب الصحیح کا۔ یعنی اس محقق کے پاس متقدمین کا کوئی حوالہ نہیں ہے، حوالہ ہے تو صرف البانی کا۔

اوپر صنعانی کا ذکر آیا ہے یہ بھی غیر مقلد عالم ہیں اور ان کی کتاب سبل السلام مشہور کتاب ہے، چونکہ صنعانی غیر مقلد ہیں اس وجہ سے ان کے اندر غیر مقلدیت شان کا پایا جانا ضروری ہے، یعنی احادیث میں کمی زیادتی کرنا، بات کا کچھ کا کچھ بنا دینا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی طرف سے بات گڑھ کے منسوب کر دینا یہ سب غیر مقلدیت کا خاصہ ہے، چنانچہ اسی خاصہ کا اظہار انھوں نے اس حدیث میں بھی کیا ہے کہ اپنی طرف سے توضأ علی الولاء (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پے بہ پے وضو کیا) کی زیادتی کر دی ہے، جب کہ اس کا ذکر اس حدیث کے کسی طریق میں نہیں ہے، پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

صنعانی نے اس حدیث میں توضأ علی الولاء کی زیادتی ذکر کی ہے مگر یہ کسی طریق میں نہیں ہے۔ ص ۱۱۹

(۱۴) مؤلف نے اپنی کتاب میں ایک عنوان یہ قائم کیا ہے۔

" قے نکسیر وغیرہ سے وضو "

اور اس سلسلہ میں یہ حدیث بلوغ المرام سے ذکر کی ہے۔

" روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کو قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا کچھ کھانا پیٹ سے منہ میں آئے یا مذی نکلے تو وہ شخص پھر جائے (وضو کرنے کے لئے)

یہ حدیث ضعیف ہے، اور بلوغ المرام کتاب جس سے مؤلف نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اس میں اس کے ضعیف ہونے کی وضاحت بھی موجود ہے، مگر حکیم صاحب اس حدیث کو اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ گویا یہ حدیث ضعیف ہے۔

پاکستانی محقق حکیم صادق کی اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" مؤلف نے اس حدیث کو بلوغ المرام سے نقل کیا ہے۔ بلوغ المرام (۲۲) میں حافظ (ابن حجر) صاحب نے صراحت کی ہے کہ احمد وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے " ص۱۳۱

اور ہندوستانی لقمان سلفی کا کمال یہ ہے کہ حافظ صاحب کے اس فریب پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے، اور صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔

ناظرین یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ حکیم صادق صاحب کا مذہب یہ ہے کہ قے، نکسیر اور پیٹ سے کچھ کھانا منہ میں آجانے سے اس حدیث کی روشنی میں وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ پاکستانی اور ہندوستانی دونوں محققین کے نزدیک اس سے وضو واجب نہیں ہوتا ہے اور چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اسلئے اس سے استدلال درست نہیں۔

(۱۵) مؤلف حکیم صادق نے اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول میں ایک عنوان یہ قائم کیا ہے۔

سکر وجنابت وبول وبراز سے وضو

اوران چیزوں کے نواقض وضو ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ الخ اس پر گرفت کرتے ہوئے پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" مؤلف علیہ الرحمۃ کا اپنا یہ اجتہاد ہے، یہ اشیاء ناقض وضو ضرور ہیں مگر کسی نے بھی (کما اعلم) ان اشیاء کو ناقض وضو قرار دیتے ہوئے اس آیت سے دلیل نہیں لی اور نہ ہی اس آیت سے دلیل لی جا سکتی ہے۔ ص۱۳۳

جب کہ لقمان سلفی صاحب نے صرف یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ یہ مؤلف کا اپنا اجتہاد ہے۔ ص۵۴

(۱۶) مؤلف کتاب نے موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔

" پانچوں انگلیاں دائیں اور بائیں ہاتھ تر کر کے دونوں پاؤں کے پنجوں سے شروع کر کے ٹخنوں کے اوپر تک کھینچ لی جائیں "

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے ۔

" مسح کی کیفیت کے بارے میں بعض روایات وارد ہیں مگر سخت ضعیف ہیں، لہذا مسح کرتے وقت جس طرح سے ہاتھ پھیر لیا جائے تو مسح درست ہوگا ۔ " ص ۱۳۶

لیکن ہندوستانی محقق مؤلف کے بیان کردہ طریقہ مسح پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا ۔

(دیکھو ص ۵۵)

(۱۷) جرابوں پر مسح کرنے کے بیان میں مؤلف نے یہ حدیث ذکر کی ہے ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چمڑے کے موزوں اور جرابوں پر مسح کرتے تھے ۔

پاکستانی محقق نے اس حدیث کو ضعیف بتلایا ہے ص ۱۳۸ اور ہندوستانی محقق نے اس کو صحیح بتلایا ہے ۔ ص ۵۶

(لطیفہ) مؤلف صاحب " مسح نعلین کی تقسیم " کا عنوان قائم کرکے ابن قدامہ کی کتاب المغنی سے یہ عبارت ذکر کی ہے ۔

والظاہر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم انما مسح علی سیور النعل التی علی ظاہر القدم فعلی ہذا المراد مسح علی سیور نعلیہ وظاہر الجوربین اللتین فیما قدماہ ۔

جب کہ پاکستانی و ہندوستانی دونوں محقق کہتے ہیں کہ ابن قدامہ کی عبارت المغنی میں اس طرح ہے ۔

والظاہر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما مسح علی سیور النعل التی علی ظاہر القدم فاما اسفلہ وعقبہ فلا یسن مسحہ من الخف فکذلک النعل ۔

دونوں خط کشیدہ عبارتوں کا فرق ملاحظہ فرمائیے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الرسول کا مصنف ادھر ادھر سے عبارت نقل کرتا تھا ، اصل کتاب دیکھنے کی اس کو توفیق نہیں ہوتی تھی ۔

(۱۸) مؤلف نے مسند احمد و ابوداؤد سے تساخین پر مسح کرنے والی حدیث نقل کی ہے، اور اس سے ثابت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے پاؤں کو گرم رکھا جائے اس پر مسح کرنا جائز ہے خواہ چمڑے کا موزہ ہو یا سوتی موزہ ہو اس حدیث کو پاکستانی محقق منقطع بتلاتا ہے یعنی یہ حدیث اس کی تحقیق میں ضعیف ہے۔ (ص۱۴۲) اور لقمان سلفی صاحب البانی کی تقلید میں اس کو صحیح بتلاتے ہیں یعنی ان کی اپنی کوئی تحقیق نہیں ہے، ان کا سارا اعتماد البانی پر ہے۔ (ص۵۹)

(۱۹) مؤلف کتاب نے "حضرت عمرؓ کا جرابوں پر مسح کرنا" کا عنوان قائم کرکے یہ لکھا ہے۔ "تہذیب السنن لابن قیم میں روایت ہے" اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف تہذیب السنن میں روایت ہے کہ بجائے یہ کہتے کہ ابن قیم نے تہذیب السنن میں نقل یا ذکر کیا ہے تو مناسب تھا کیونکہ عرفاً روایت کا معنی اور ہوتا ہے۔ ص۱۴۳

یعنی حضرت مؤلف کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ عرفاً روایت کا معنی کیا ہوتا ہے، مگر محقق لقمان سلفی نے محقق کی اس جہالت اور بے علمی پر پردہ ڈالا ہے، اور صرف یہ کہا ہے کہ یہ بات تہذیب السنن میں بلاحوالہ ہے، اور یہ اثر ضعیف ہے۔ (ص۶۰)

(۲۰) صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے جمعہ کے دن غسل کے بارے میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف علیہ الرحمۃ نے غسل کے بارے میں تین احادیث ذکر کی ہیں، جو سب کی سب وجوب پر دال ہیں اور آخر میں جمعہ کو مستحب تاکیدی کہہ دیا ہے، اگر یہ تاویل مقصود تھی تو کم از کم ان روایات میں سے جو عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں، ایک ہی روایت بیان کر دیتے تاکہ تاویل کی معقول وجہ نکل آتی۔

دیگر واجب کی تاویل۔ تاکید وغیرہ سے کرنا سخت ضعیف ہے ص۱۵۱

پاکستانی محقق کی اس سخت گرفت پر شاید ہندوستانی محقق کو کچھ شرم آئی اور

اس نے ایک مستحب والی حدیث ذکر کردی، مگر مؤلف کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ص۶۵
لقمان سلفی کے مقابلہ میں پاکستان کے عبدالرؤف صاحب زیادہ انصاف پسند معلوم ہوئے کہ جو بات حق ہوتی ہے اس کے اظہار سے ذرا نہیں چوکتے، جبکہ لقمان سلفی صاحب پوری کوشش کرتے ہیں کہ مؤلف کی کوتاہیوں اور ان کی جہالت پر پردہ ڈالیں۔

(۲۱) مؤلف لکھتا ہے کہ تارک صلوٰۃ اہل ظاہر کے نزدیک کافر ہے، اس پر دونوں محققین لکھتے ہیں کہ حکیم صادق صاحب کا یہ قول محل نظر ہے، ظاہریہ کی کتابوں میں نہ یہ لکھا ہے نہ اور کسی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اہل ظاہر کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔
تعجب ہے کہ حکیم صادق صاحب نے اتنی بڑی بات فرمائی اور کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا بس سنی سنائی بات پر اہل ظاہر کی طرف یہ غلط بات منسوب کردی، غیر مقلدین ایسی ہی کتابوں پر بھروسہ کرکے نماز سیکھتے ہیں۔

(۲۲) مصنف نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جو نماز کی پابندی نہیں کرتا اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا، اور حوالہ دیا ہے بیہقی کا، اس پر پاکستانی محقق گرفت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مؤلف نے اس حدیث کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ شعب الایمان بیہقی میں ہے، جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے ذکر کیا ہے، لہذا اسے مطلق بیہقی کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اطلاق کی صورت سنن کبریٰ بیہقی مراد ہوگی۔" ص۱۶۱

یہ ایک زبردست گرفت ہے، اس سے مصنف کی علمی خیانت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث تو نقل کرتا ہے مشکوٰۃ شریف سے اور علمی رعب جمانے کیلئے کہ اس کی پہونچ اس سے دور تک ہے حوالہ دیتا ہے بیہقی کا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔
چونکہ یہ گرفت بہت سخت تھی اسلئے ہندوستانی محقق یہاں چپکے سے گذر گیا۔ اور اس نے کوئی تنبیہ نہیں کی۔

(۲۳) مؤلف نے "نمازی اور شہید کا داخلہ بہشت" کا عنوان قائم کرکے جو حدیث

نقل کی ہے اس کے حوالہ میں اس نے احمد و ابن حبان دونوں کا نام لیا ہے، اس پر پاکستانی محقق گرفت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مؤلف نے اسے ابن حبان کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، ابن حبان میں آنے والی روایت ہے یہ نہیں ہے" ص ۱۶۸

ہندوستانی محقق یہاں بھی خاموش ہے کچھ نہیں کہتا تاکہ حکیم صادق کے علمی بھرم کا پردہ فاش نہ ہو۔

(۲۴) مصنف نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نماز مومن کا نور ہے، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔ "سخت ضعیف حدیث ہے" ص ۱۷۲

اور ہندوستان کا محقق اس کو صرف ضعیف کہتا ہے۔ ص ۴۸

(۲۵) مصنف نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ "نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے، اسکو دونوں محققین سخت ضعیف کہتے ہیں۔

(۲۶) مصنف نے یہ حدیث لکھی ہے، جب کوئی آفت آتی ہے تو مسجد کو آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے، دونوں محققین اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔

(۲۷) مصنف نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔

"نماز کے لاثانی محاسن"

اور اس کے تحت پچیس حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں زیادہ تر روایت ضعیف ہے، اور بعض سخت ضعیف اور بعض من گھڑت ہیں، جس کا اعتراف دونوں محققین کو ہے، اور اس سے سخت اور غیر علمی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی حدیثوں کو صحاح ستہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ ان میں ان احادیث کا نام و نشان بھی نہیں ہے، اس پر گرفت کرتے ہوئے پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

(تنبیہ) مؤلف علیہ الرحمہ نے نماز کے لاثانی محاسن کے عنوان کے تحت پچیس ۲۵ احادیث نقل کی ہیں اور ان کو نقل کرنے سے قبل و بعد صحاح ستہ کا حوالہ دیا ہے

جب کہ ان میں سے دس حدیثیں ایسی ہیں جو کتب ستہ میں نہیں بلکہ دوسری کتابوں میں ہیں اور کس قدر افسوس کن امر ہے ان میں سے پہلی ہی حدیث صحاح ستہ کی نہیں بلکہ مسند ابویعلی کی ہے اور دس کے علاوہ مزید چار احادیث بھی ہیں جن کے مخرج کا تاحال مجھے علم نہیں ہو سکا، مگر صحاح ستہ میں نہیں ہیں، لہذا مذکورہ بالا سب احادیث (یعنی پچیس میں سے چودہ احادیث) کے لئے صحاح ستہ کا حوالہ دینا قطعاً صحیح نہیں ہے، اور یہ مؤلف کی طرف سے نہایت تساہل ہے۔ (ص۱)

حکیم صادق صاحب کے اس کارنامہ پر ہندوستانی محقق بالکل خاموش ہے، مصنف کے اس تساہل پر وہ کوئی تبصرہ نہیں کرتا، یہ ہے لقمان سلفی کی دیانت وامانت اور انکی سلفیت واہلحدیثیت۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

حکیم صادق صاحب کی چوری پکڑی گئی

پاکستانی محقق عبدالرؤف عبدالمنان صاحب مزید تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ مؤلف نے ان سب احادیث کو تبلیغی نصاب سے نقل کیا ہے، کیونکہ یہ سب احادیث اس کتاب میں موجود ہیں، مگر واضح رہے کہ مولانا زکریا نے ان احادیث کیلئے صحاح ستہ کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ مطلق حدیث کی کتابوں کا ذکر کیا ہے مولانا لکھتے ہیں: ۔ حدیث کی کتابوں میں نماز کے بارے میں بہت ہی تاکید اور بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے، تبرکاً چند احادیث کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے، اس کے بعد مولانا نے فضائل نماز کے بارے میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے مؤلف علیہ الرحمہ نے بعض کو حذف کر دیا ہے اور بعض کی ترتیب میں تبدیلی کی ہے۔ ص۱۱

یہ ہے صلوٰۃ الرسول کتاب کی حقیقت اور اس کے مؤلف حکیم صادق سیالکوٹی کی دیانت وامانت کا حال۔

اور افسوس ہے لقمان سلفی پر کہ انھوں نے ان تمام حقیقتوں سے آنکھیں چرالی ہیں، اور حکیم صادق کی اس چوری کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں کیا۔

(۲۸) مؤلف نے " فجر اندھیرے میں " کا عنوان قائم کرکے اندھیرے میں فجر پڑھنے کی حدیث نقل کی ہے، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" فائدہ اندھیرے میں نماز فجر سے فراغت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ معمول نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف احوال تھے، کبھی اندھیرے میں فراغت اور کبھی اس وقت جب کہ چہرے پہچانے جاتے تھے۔ (ص۱۸۱)

اور ہندوستانی محقق کچھ نہیں کہتا، خاموشی سے گزر جاتا ہے۔

(۲۹) حکیم صاحب نے اول وقت نماز پڑھنے کے بیان میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

افضل الاعمال الصلوٰۃ فی اول وقتہا۔ اور حوالہ دیا ہے ترمذی اور حاکم کا، جب کہ ترمذی میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں ہے، اصل میں حکیم صادق نے اس حدیث کو نقل تو کیا ہے بلوغ المرام سے مگر حافظ ابن حجر کی تقلید بغیر ترمذی دیکھے ہوئے ترمذی کا حوالہ دے دیا ہے۔

اس پر گرفت کرتے ہوئے پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

تنبیہ - یہ حدیث ان الفاظ سے ترمذی میں نہیں ہے، مؤلف علیہ الرحمہ نے حدیث نقل کرنے کے بعد ترمذی کا حوالہ دیا ہے، یہ حدیث بلوغ المرام میں ہے اور حافظ نے ترمذی و حاکم کا حوالہ دیا ہے "۔ (ص۱۸۲)

اور ہندوستانی محقق لقمان سلفی صاحب مصنف کی اس غیر علمی حرکت پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے بلکہ مصنف نے حدیث کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس کی موافقت کرتے ہوئے وہ بھی ترمذی کا حوالہ دیتے ہیں اور انھوں نے بھی ترمذی کی مراجعت نہیں کی ورنہ انکو معلوم ہوتا کہ پاکستانی محقق کی گرفت بالکل صحیح ہے۔

(۳۰) مصنف اوپر والی حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں " اسی مضمون کی ایک حدیث امام فروہ سے بھی منقول ہے اور حوالہ دیا ہے احمد ترمذی اور نسائی کا اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مصنف نے اس حدیث کو نسائی کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر یہ نسائی میں نہیں ہے" ص ۱۸۳
مگر ہندوستانی محقق مؤلف کی ایک غلطی پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا جگہ جگہ مؤلف کی جہالت اور بد دیانتی کو چھپانا ہندوستانی محقق کا موقف ہے۔ اس جگہ محقق کی بد دیانتی یہ ہے کہ حدیثیں کہیں اور سے نقل کر کے حوالہ اصل کتاب کا بلا اس کتاب کی مراجعت کئے دیتا ہے جو کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

(۳۱) مؤلف نے "نیند سے سورج نکل آیا پھر فجر پڑھی" کے عنوان کے تحت نسائی کے حوالہ سے نافع بن زبیر کا نام لے کر ایک روایت نقل کی ہے مگر چونکہ خود اس نے نسائی کا مراجعہ نہیں کیا ہے، اس وجہ سے نام غلط لے رہا ہے نافع بن زبیر نہیں بلکہ نافع بن جبیر ہے۔

پاکستانی محقق لکھتا ہے، "مؤلف کے یہاں نافع بن زبیر ہے جو صحیح نہیں ہے" ص ۱۸۴
لقمان سلفی ہندوستانی محقق نے اس پر کچھ نہیں کہا البتہ مصنف کی اصل عبارت نافع بن زبیر کو نافع بن جبیر سے بدل دیا، اس طرح مصنف کی جہالت پر پردہ ڈالا ہے۔

ص ۳۹ کا بقیہ

ہوتی تو ان ضعیف احادیث پر عمل نہ کرنے کی معقول وجہ تھی، مگر پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک حدیث بھی گردن پر مسح کرنے کے بارے میں منع کی نہیں ہے، تو جن احادیث میں اس کا ثبوت ہے اس کا انکار کرنا یہ کم فہمی اور بد فہمی کی بات ہوگی۔

آپ اپنے سلفی دوستوں سے گردن پر مسح نہ کرنے کی کوئی صحیح یا ضعیف حدیث کا مطالبہ کریں دیکھئے ان کے چہرے کا رنگ اڑ جائے گا۔

امید ہے میری اس تحریر سے آپ کو کچھ تشفی ہوئی ہوگی، میں نے طوالت سے بچنے کیلئے احادیث کی کتابوں سے مزید احادیث کا ذکر نہیں کیا۔ والسلام

محمد ابوبکر غازیپوری

خط اور اس کا جواب

محمد ابوبکر غازی پوری

وضو میں گردن پر مسح کے بارے میں

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب دام مجدہ
سلام مسنون ! امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

زمزم میں سوالات وجوابات کا جو سلسلہ ہے وہ بہت مفید ہے، یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ نے سوالات کے جوابات کا جو سلیقہ آپ کو دیا ہے۔ وہ "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" والی سعادت ہے۔

محترم، وضو میں گردن پر مسح کے بارے میں اپنی معلومات سے مستفید فرمائیں ایک سلفی دوست اس کا بڑی شدت سے انکار کرتے ہیں۔ والسلام

رئیس احمد جوگیشوری ممبئی

محترم ! وضو میں گردن پر مسح کے بارے میں میرا ایک مضمون جواب کی شکل میں شائع ہوچکا ہے۔ اور جو میری کتاب ارمغان میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

جو سلفی صاحب اس کا شدت سے انکار کرتے ہیں، وہ خاطی ہیں اور ان کا حدیث کا مطالعہ کمزور ہے، وہ اپنے علماء کی کتابوں سے بھی ناواقف ہیں، اور کبار محدثین کا اس بارے میں نقطۂ نظر کیا ہے، اس کا بھی ان کو علم نہیں ہے۔

غیر مقلدین علماء میں علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں صاحب کا بہت بلند مقام ہے، یہ دونوں حضرات گردن پر مسح کے قائل ہیں، محدثین میں سے امام بغوی جو

کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں، وہ بھی گردن پر مسح کو مستحب قرار دیتے ہیں، محدث ابن سید الناس بھی گردن پر مسح کے قائل ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود بخاری شریف کی حدیث سے گردن پر مسح ثابت ہے، تو گردن پر مسح کا انکار کیسے درست ہوگا۔ احناف تو گردن پر مسح کو مستحب کہتے ہیں مگر شوافع میں سے بعض حضرات تو اس کو سنت بتلاتے ہیں۔

آپ بتلائیے کہ ہم آج کے سلفی حضرات کی بات سنیں جن کا علمی سرمایہ صرف شیخ البانی کی تحقیقات ہیں یا مذکورہ بزرگوں کی سنیں جن کا علمی پایہ اہل علم میں مسلم ہے۔

میں نے عرض کیا کہ گردن پر مسح تو بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہے، شاید اس پر آپ چونکیں، مگر چونکنے کی ضرورت نہیں ہے، میں بخاری شریف کی روایت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اسے ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری شریف، باب مسح الرأس کلہ میں عبداللہ بن یوسف سے امام بخاری نقل کرتے ہیں، اور وہ امام مالک سے اور وہ عمر ابن یحیٰی المازنی سے اور وہ اپنے باپ سے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن زید سے (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے) فرمایا کہ کیا آپ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے دکھلا سکتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہاں میں دکھلا سکتا ہوں، پھر انھوں نے وضو کرکے اس سائل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دکھلایا، تو سر پر مسح کی جو کیفیت اس حدیث پاک میں ہے اس کو راوی نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

ثم مسح راسہ بیدیہ فاقبل بھما وادبر، بدأ بمقدم رأسہ حتی ذھب بھما الی قفاہ ثم ردھما الی المکان الذی بدأ منہ۔

یعنی پھر انھوں نے سر کا دونوں ہاتھ سے مسح کیا، شروع سر سے ابتدا کی اور دونوں ہاتھوں کو گردن کی گدی تک لے گئے، پھر اس جگہ سے اپنے ہاتھوں کو وہاں واپس لائے جہاں سے مسح کی ابتدا کی تھی۔

اس روایت میں قفاہ کا لفظ ہے، اور بعض روایات میں قذال کا لفظ ہے، قذال

اور قفا کا معنی ایک ہی ہے یعنی سر کے پیچھے گردن کا حصہ جس کو اردو میں ہم "گدی" کہتے ہیں۔
اب آیئے ان تینوں لفظوں کی ہم لغوی تحقیق کریں ۔ منجد میں ہے۔ القفاء مؤخر العنق
یعنی قفا گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں ۔ القذال کے بارے میں لکھا ہے مابین الاذنین
من مؤخر الراس ۔ یعنی قذال کہتے ہیں اس جگہ کو جو دونوں کانوں کے درمیان گردن کا
پچھلا حصہ ہے، اسی کو ہم اردو میں گدی کہتے ہیں، گدی کے بارے میں فیروز اللغات میں لکھا
ہے سر کا پچھلا حصہ گردن کا پچھلا حصہ ۔

اب جب بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے گردن کے پچھلے حصہ پر یا دونوں کانوں کے درمیان جو گردن کا حصہ ہے اس پر مسح کیا تو یہ
کہنا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے گردن کا مسح نہیں کیا ہے یا گردن کا مسح کسی حدیث سے ثابت
نہیں ہے، کس قدر غلط بات ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بعض شوافع علماء نے گردن کے مسح
کو سنت بتلایا ہے ۔

رویانی مشہور شافعی امام فقہ وحدیث ہیں، ان کی کتاب "بحر" ہے، اس میں
وہ فرماتے ہیں۔ قال اصحابنا هو سنة، یعنی ہمارے فقہاء کا قول ہے کہ
گردن پر مسح کرنا سنت ہے، شوافع میں سے امام بغوی مشہور محدث اور امام سنت ہیں،
وہ گردن کا مسح مستحب بتلاتے ہیں، ابن الرفعہ سے شوکانی نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے
فرمایا کہ امام بغوی گردن پر مسح کرنے کو مستحب کہتے ہیں، پھر ابن الرفعہ فرماتے ہیں ۔
ولا مأخذ لاستحبابه الاخبر او اثر لان هذا لا مجال للقياس فيه۔
یعنی امام بغوی نے گردن کے مسح کو جو مستحب بتلایا ہے تو اس کا مأخذ کوئی نہ کوئی حدیث
یا اثر ہوگا ۔ اسلئے کہ اس طرح کی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی ۔

اور یہی بات حافظ ابن حجر بھی فرماتے ہیں، انھوں نے موسیٰ بن ابی طلحہ کی اپنی کتاب
تلخیص الحبیر میں یہ حدیث نقل کی ہے ۔

حضرت موسیٰ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جس نے اپنی گردن کی گدی کا مسح کیا

وہ قیامت کے روز گردن میں طوق پہنائے جانے سے بچایا جائے گا ۔

حافظ نے اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے، کہ اگرچہ یہ حدیث صحابی کا قول ہے مگر اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہے، اسلئے کہ اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔

جن لوگوں نے سر کے مسح کو بدعت قرار دیا ہے ان کا رد کرتے ہوئے علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔ وبجميع هذا تعلم ان قول النووی مسح الرقبة بدعة وان حديثه موضوع مجازفة ۔ یعنی ہماری ان تمام بحثوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ امام نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے گردن کے مسح کو بدعت اور اس کی حدیث کو جو موضوع بتلایا ہے وہ حق و صواب سے دور بات ہے ۔ (نیل الاوطار ص ۱۸۴ / ج ۱)

حکیم صادق صاحب اپنی نماز کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں لکھتے ہیں ۔

"اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ سر کا مسح کرتے وقت حضورؐ اپنے ہاتھوں کو گدی تک لیجاتے تھے اور گدی سر کا پچھلا حصہ ہوتا ہے جس میں کچھ گردن بھی آجاتی ہے" اور حوالہ دیا ہے مسلم شریف کا ۔

سوال یہ ہے کہ جب سر کے مسح کے ساتھ گردن کا بھی کچھ حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک سے ثابت ہے تو گردن کے مسح کا مطلق انکار کرنا حکیم صاحب کی انتہائی جرأت کی بات ہے، حکیم صاحب کا اقرار اور انکار ساتھ ساتھ چل رہا ہے، عموماً غیر مقلدین اسی طرح چلتے ہیں ۔

علامہ شوکانی نے مسند احمد بن احمد سے گردن کے مسح کے سلسلہ کی یہ روایت نقل کی ہے ۔ عن ليث عن طلحة بن مصرف عن ابيه عن جده انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح راسه حتى بلغ القذال وما يليه من مقدم العنق ۔

یعنی لیث طلحہ بن مصرف اور طلحہ اپنے باپ اور ان کے باپ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے سر کا مسح کیا

یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ گردن کے پچھلے حصہ تک اور گردن سے ملے ہوئے حصہ تک پہونچا۔
اس حدیث کو ضعیف بتلایا گیا ہے، اس کے راوی لیث بن ابی سلیم پر لوگوں نے کلام کیا ہے، سوال یہ ہے کہ لیث قابلِ اعتبار ہے یا نہیں، اگر بالکل قابلِ اعتبار نہیں ہے تو امام مسلم جیسا امام اس کی حدیث اپنی کتاب میں کیوں لایا ہے۔ (دیکھو نیل الاوطار ص۱۸۵ ج۱)
اس روایت کو لیث راوی کی وجہ سے مجروح قرار دینے کا مطلب ہے کہ امام مسلم کی ہر وہ روایت ضعیف ہے جس کی سند میں یہ راوی ہے، حالانکہ روایت میں وہی بات کہی گئی ہے جس کا ثبوت امام بخاری کی روایت سے ہو رہا ہے، البتہ وما یلیہ من مقدم العنق کی اس میں زیادتی ہے، مگر یہ زیادتی بھی حسن درجہ کی ہے۔ نیل الاوطار میں ابن سید الناس سے نقل کیا گیا ہے۔ وفیہ زیادۃ حسنۃ وھی مسح العنق یعنی اس میں ایک زیادتی ہے وہ گردن کا مسح ہے، امام شوکانی فرماتے ہیں۔
فانظر کیف صح ھذا الحافظ بان ھذہ الزیادۃ المتضمنۃ لمسح العنق حسنۃ۔ یعنی دیکھو اس حافظ حدیث نے کیسی صراحت سے بیان کر دیا کہ گردن پر مسح والی اس حدیث میں جو زیادتی ہے وہ حسن درجہ کی ہے۔
میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی انصاف پسند ہماری اب تک کی گفتگو سننے کے بعد گردن کے مسح کا انکار کرے گا۔
ایک بات اور یاد رکھیں اگر ضعیف حدیث بالکل ہی ناقابلِ اعتبار ہوتی اور اس کا درجہ من گھڑت روایت کا ہوتا تو محدثین اور خصوصًا صحاح ستہ کے محدثین ضعیف روایتوں کو اپنی کتابوں میں ہرگز ذکر نہ کرتے، مگر بچہ بچہ جانتا ہے کہ حدیث کی دوسری کتابوں کو تو چھوڑیئے صحاح ستہ میں ضعیف احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، محدثین کا ان احادیث کا اپنی کتابوں میں ذکر کرنا ہی سب سے بڑا قرینہ ہے کہ ضعیف حدیثیں موضوع احادیث کے درجہ کی نہیں ہوتی ہیں کہ اس پر عمل کرنا اور اس سے حجت پکڑنا حرام ہو، ہاں اگر ان ضعیف حدیثوں کے مقابلہ میں گردن پر مسح نہ کرنے کے بارے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث منقول

بقیہ ص۴۴ پر

امام ذہبی کے کچھ سنہرے ملفوظات

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں اور آٹھویں صدی کے فخر زمانہ محدث تھے، آپ کی پیدائش ۶۷۳ھ میں ہوئی اور وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی، اپنے زمانہ میں دنیائے علم و فضل میں یکتا تھے۔ آپ کی تصانیف کے صفحات کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، ایک ایک تصنیف کئی کئی ہزار صفحات پر مشتمل تھی، آپ کی بہت سی وہ کتابیں جن کا ذکر صرف اہل علم کی کتابوں میں ملتا تھا اور جو زمانہ کی نگاہوں سے اوجھل تھیں ان میں سے بہت سی کتابیں اس زمانہ میں منظر عام پر آگئی ہیں، انھیں تصانیف میں آپ کی یادگار زمانہ کتاب سیر اعلام النبلاء ہے، جو اٹھارہ جلدوں میں استاذ محمد ایمن مصری کی تحقیق سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہے، استاذ محمد ایمن مصری نے اس کتاب پر ایک طویل مقدمہ لکھا ہے، اسی مقدمہ سے حضرت امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اقوال اہل علم کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہر طرح کے گناہوں سے معصوم تھے

امام ذہبی فرماتے ہیں:

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ تھے۔ فرماتے ہیں۔ ما زال المصطفیٰ محفوظاً قبل الوحی و بعدہ، اگر کوئی

یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کا ذبیحہ نبوت سے پہلے کھاتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قریش کا ذبیحہ کھانا اس وقت جائز تھا، ان کے ذبیحہ کی حرمت کا تعلق نبوت کے بعد سے ہے جیسے شراب اسلام سے پہلے جائز تھی، اسلام نے اس کو حرام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ نبوت سے پہلے زنا سے معصوم تھے، آپ نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا، خیانت، بدعہدی، جھوٹ، شراب نوشی اور ہر طرح کے رذائل اور بیہودہ کاموں سے آپ نبوت سے پہلے بھی اسی طرح معصوم تھے جس طرح نبوت کے بعد، آپ کی زبان سے کبھی گندہ کلمہ نہیں نکلا، آپ نے کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں کھولا، آپ نے کبھی ننگے ہو کر مشرکین عرب کی طرح طواف نہیں کیا، نہ آپ نے مشرکین مکہ کی طرح یوم عرفہ کو مزدلفہ میں وقوف کیا، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے پہلے بھی پوری زندگی جاہلانہ رسوم وعبادات اور مشرکانہ افعال سے پاک تھی۔ (ص۳۶)

(۲) رافضیت وہ مرض ہے جس سے چھٹکارا مشکل ہوتا ہے

امام عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کی سیرت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ عشرہ مبشرہ امت محمدیہ میں سب سے افضل ہیں، مہاجرین سابقین میں ان کا مقام سب سے بلند ہے، بدری صحابہ میں سے یہ افضل ترین لوگ ہیں، اصحاب شجرہ پر ان عشرہ مبشرہ کو فضیلت حاصل ہے، یہ دنیا اور آخرت میں زمین والوں کے سردار ہیں، پس اللہ رافضیوں کو اپنی رحمت سے دور کرے انکی گمراہی کا کوئی ٹھکانا نہیں، انھوں نے کیسے ان دس صحابہ کرام میں صرف ایک یعنی حضرت علی کی فضیلت کا اعتراف کیا بقیہ نو صحابہ کرام کا حق مارا، اور رافضیہ نے ان پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے حضرت علی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور وصیت کو چھپایا کہ خلافت حضرت علی کا حق ہے، اور اس حق کو صحابہ کرام نے ان سے چھین لیا۔ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ صحابہ کرام جو اس کے افضل ترین لوگ تھے اور اپنے نبی کے عاشق اور ان پر فدا تھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی نافرمانی کریں گے؟ لیکن رافضیت وہ بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے، اور ہدایت اللہ کا نور ہے، جس کو اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے

دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ (ص ۹۲ ج ۳)

(۳) مسلمان کے حق میں بہتر ہے کہ تجارت اور عبادت دونوں کو اختیار کرے

امام ذہبی فرماتے ہیں :

آدمی کے لئے بہتر بات یہ ہے کہ وہ تجارت اور عبادت دونوں کو اختیار کرے، تجارت کو چھوڑ کر صرف عبادت میں لگے رہنا بعض سلف اور صوفیہ کا طریقہ رہا ہے، بلاشبہ لوگوں کا مزاج اس بارے میں الگ الگ ہوتا ہے، بعض لوگ دونوں کام کر سکتے ہیں، صحابہ کرام میں سے جیسے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، اور محدثین میں جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک (رضی اللہ عنہم) وغیرہ تھے کہ یہ حضرات تاجر بھی تھے اور عابد بھی تھے، اور بعض لوگ تجارت نہیں کر پاتے ہیں وہ صرف عبادت میں لگے رہتے ہیں، بعض کچھ مدت دونوں کام کرتا ہے، اور پھر ایک کو چھوڑ دیتا ہے، یہ سب جائز ہے، مگر ہر حال میں بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی فرض ہے۔ (ص ۱۵ ج ۴)

(۴) ان احادیث کا بیان نہ کرنا جائز ہے جن سے عقیدہ وعمل میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو

امام ذہبی فرماتے ہیں :

یجوز کتمان بعض الحدیث التی تحرك فتنة فی الاصول والفروع او المدح والذم اما حدیث یتعلق بحل او حرام فلا یحل کتمانه بوجه فانه من البینات والهدی۔ (ص ۱۹۸ ج ۴)

یعنی جن احادیث سے عقیدہ وعمل میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اس کا بیان نہ کرنا جائز ہے البتہ جن احادیث کا تعلق حلال وحرام سے ہو اس کا چھپانا جائز نہیں ہے، اسلئے یہ احادیث شرعی احکام کے دلائل ہوتی ہیں، اور ان پر ہدایت کا مدار ہے۔

(۵) حدیث کا زیادہ بیان کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ حدیثیں کم بیان کرو، اور انھوں نے بہت سے صحابہ کرام کو زیادہ حدیث بیان کرنے پر زجر و توبیخ کیا تھا، اس کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں :

اے لوگو تم پر اللہ کی قسم ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں کو احادیث زیادہ روایت کرنے سے روکا جاتا تھا حالانکہ وہ زمانہ صدق و عدالت سے متصف لوگوں کا زمانہ تھا تو بتلاؤ کہ ہمارے اس زمانہ کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے، اس دور میں منکر اور غریب احادیث کی روایت کرنا جائز ہوگا، جب کہ اس زمانہ میں احادیث کے متنوں کی سندیں بہت زیادہ طویل ہو گئی ہیں، اور وہم اور غلطی کی کثرت ہے، اسلئے ہمارے لئے مناسب ہے کہ ہم لوگوں کو اس سے روکیں، حدیث کی کثرت سے روایت کرنے پر پابندی لگائیں، اور ان محدثین کا تو عجیب حال ہے کہ وہ صرف غریب اور ضعیف احادیث کی روایت کرنے اور نقل کرنے پر اکتفار نہیں کرتے ہیں بلکہ اب تو سلسلہ یہ چل پڑا ہے کہ موضوع اور باطل حدیثوں کو روایت کرنے لگے ہیں اور وہ ایسی حدیثوں کو روایت کرتے ہیں جن کا تعلق عقیدہ اور احکام، غزوات اور زہد سے ہوتا ہے حالانکہ ان کا وقوع محالات میں سے ہے۔

پھر فرماتے ہیں :

پس جو محدث اس طرح کی حدیثیں روایت کرتا ہے مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالتا ہے، وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے، سنتوں کے ساتھ زیادتی کرنے والا ہے، اس کو اس سے توبہ کرائی جائیگی، اگر وہ باز نہ رہا تو وہ فاسق ہے، اور انسان کے گناہ گار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جوبات وہ سنے اس کو بیان کرنے لگے، آج یہ بلا محدثین میں عام ہو گئی ہے اور محدث بن کر بہت سے لوگ محدثین کی جماعت میں شمار ہونے والے بن گئے ہیں، اور مسلمان ان پر بھروسہ کرنے لگے ہیں، جب محدثین کا یہ حال ہو گیا ہے تو پھر فقہاء اور متکلمین پر اظہار ناراضگی سے کیا فائدہ۔ (ص ۱۷۱-۱۷۱ ج ۲)

(۶) تمام صحابہ کرام سے محبت کرنا اور ان کے درمیان جو اختلاف رونما ہوئے ہیں ان سے زبان بند رکھنا اہلسنت و الجماعت کا مذہب ہے

امام ذہبی فرماتے ہیں :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے شہید کو رضی اللہ عنہ کہنے سے خاموشی اختیار کرنے والے میں شیعیت کا اثر ہوتا ہے، اور جو ان کی تنقیص کرے اور ان سے بغض رکھے وہ پکے غیر کا شیوہ ہے اس کو سزا دی جائے گی اور اگر وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تنقیص کرتا ہے تو یہ شخص خبیث رافضی ہے، اسی طرح سے وہ بھی خبیث قسم کا خارجی ہے جو حضرت علی کی مذمت کرے ایسے شخصوں کو سزا دی جائے گی، اور اگر حضرت علی کی کوئی تکفیر کرتا ہے تو وہ خارجی ہے اہل سنت سے باہر ہے، ہم اہل سنت کا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ ہم تمام صحابہ کرام کیلئے استغفار کرتے ہیں اور سب سے محبت کرتے ہیں، اور ان کے درمیان جو اختلاف اور لڑائی واقع ہوئی اس کے ذکر سے اپنی زبان کو روکتے ہیں۔ (ج ۲، ص ۵۷ - ۵۸)

(۷) ذکر اللہ کی سعادت وہی حاصل کرتا ہے جس کو اللہ توفیق دے

حضرت امام ذہبی نے حضرت ابن عون کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ذکر الناس داء و ذکر الله دواء یعنی لوگوں کا ذکر کرنا مرض ہے، اور اللہ کا ذکر کرنا دوا ہے۔ پھر فرماتے ہیں ای والله فالعجب منا ومن جهلنا کیف ندع الدواء ونقتحم الداء، قال الله تعالی: فاذکرونی اذکرکم، ولذکر الله اکبر، وقال: الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم الا بذکر الله تطمئن القلوب، ولکن لا یتهیأ ذلك الا بتوفیق الله ومن ادمن الدعاء، ولازم قرع الباب فتح له۔ (ص ۴۳۷ — ۴۳۸ ج ۶)

یعنی ہاں اللہ کی قسم بات یہی ہے، پس ہم پر اور ہمارے جہل پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم کیسے دوا کو چھوڑ دیتے ہیں اور مرض میں پڑ جاتے ہیں، اللہ کا ارشاد ہے، تم لوگ مجھے یاد کرو، میں تم لوگوں

کو یاد کروں گا، اور اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے کہا جو ایمان لائے اور ان کا دل مطمئن ہے، خوب جان لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ سعادت انھیں کو ملتی ہے، اللہ کی توفیق جن کے شامل حال ہوتی ہے، اور خوب سمجھ لو کہ جو اللہ سے دعا کرنے پر ہمیشگی برتتا ہے اور اللہ کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹا رہتا ہے، اس کے لئے اللہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

(۸) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں حیات حاصل ہے

حافظ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یبلیٰ ولا تاکل الارض جسدہ ولا یتغیر ریحہ، بل ھو الآن۔ ماز ال۔ اطیب ریحاً من المسک وھو حی فی لحدہ حیاۃ مثلہ فی البرزخ التی ھی اکمل من حیاۃ سائر النبیین۔ میزان ج۲

یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم بوسیدہ نہیں ہوں گے، نہ زمین آپ کے بدن کو کھائے گی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو میں کچھ تغیر ہوگا۔ بلکہ آپ اس وقت مشک سے زیادہ خوشبو والے ہیں اور آپ کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حیاتِ برزخی حاصل ہے۔ آپ کی حیات قبر شریف میں اس سے بھی کامل اور اکمل ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

اللہ والے

حفص بن غیاث النخعی

بغداد اور پھر کوفہ کے قاضی تھے، حافظ حدیث تھے، حافظ ذہبی ان کو الامام الحافظ کے نام سے یاد کرتے ہیں، کبار محدثین اور ائمہ حدیث نے ان سے احادیث کا سماع کیا تھا، ابن مدینی اور امام وکیع جیسے اجلہ محدثین ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، زبانی احادیث بیان کرتے تھے، محدثین نے تین چار ہزار حدیثیں ان سے لکھی تھیں اور یہ سب انھوں نے اپنے حافظہ سے لکھوائی تھیں، عہدۂ قضا کی شان کو انھوں نے حق گوئی اور دیانت داری سے دوبالا کیا تھا، قضا کا عہدہ بھی انتہائی درجہ مجبوری میں قبول کیا تھا، فرماتے تھے کہ جب میرا افلاس اس حد تک پہونچ گیا کہ میرے لئے مردہ کھانا حلال ہوگیا تو میں نے مجبور ہوکر قاضی بننا قبول کیا، یہ کس شان کے قاضی تھے، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

ابوہشام کہتے ہیں کہ وہ مقدمات کے فیصل کرنے کیلئے بیٹھ چکے تھے کہ خلیفہ کا قاصد انکو بلانے کیلئے آیا، تو انھوں نے خلیفہ کے پاس جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ جب میں ان لوگوں کے مقدمات کا نمٹارا کرلوں گا تو آؤں گا۔

علبی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ پندرہ روز بیمار رہے، اور مقدمات فیصل کرنے کا کام انجام نہ دے سکے تو اپنے لڑکے کو بلایا اور ڈیڑھ سو درہم پندرہ روز کی تنخواہ انکو دے کر کہا کہ شہر کے گورنر کے پاس جاؤ اور اس کو واپس کردو اور کہو کہ چونکہ میں نے پندرہ روز کام نہیں کیا اسلئے اس کا لینا میرے لئے جائز نہیں ہے یہ مسلمانوں کا مال ہے اور انھیں کا حق ہے۔

حفص بن غیاث کی اس قسم کی تربیت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے زیر سایہ رہ کر ہوئی تھی، وہ امام کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ جواہر مضیئہ میں امام قرشی فرماتے ہیں کہ یہ امام کے ان تلامذہ میں سے تھے جن کے بارے میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ انتم مسار قلبی وجلاء حزنی، یعنی تم لوگوں کو دیکھ کر میرا جی خوش ہوتا ہے اور میرا غم جاتا رہتا ہے۔
امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حفص بن غیاث حضرت امام اعظم کے ان دس اصحاب میں سے ایک تھے جنھوں نے حضرت امام کی کتابوں کو جمع کیا تھا اور ان کے مسائل کا املا کرایا تھا۔

(از ابوحنیفہ واصحابہ المحدثون)

ص ۴۳ کا بقیہ

کہاں تک صداقت ہے۔

البتہ مولانا مودودی اور طٰہٰ حسین میں فرق یہ ہے کہ طٰہٰ حسین واقعات کے بیان میں کتابوں کے حوالے نہیں دیتا مگر مولانا مودودی اس کا التزام کرتے ہیں کہ جو بات کہیں اس کے کئی کئی حوالے پیش کریں، اس طرح انھوں نے اپنی کتاب کو زیادہ محقق اور زیادہ جاندار بنادیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں ضلالت وگمراہی کا پہلو طٰہٰ حسین کی کتابوں سے زیادہ پیدا ہوگیا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

مرسل روایت کو رد کرنے والے برص (کوڑھ) کے مرض میں گرفتار ہو گئے

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے جلیل القدر استاذ مشہور محدث حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کیلئے مناسب نہیں ہے کہ جب اس کے پاس حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہونچے تو وہ اس کو جھٹلائے اگرچہ وہ حدیث مرسل ہی کیوں نہ ہو، اسلئے کہ ایک جماعت نے حضرت امام زہری کی مرسل روایت "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتجم فی یوم السبت او الاربعاء فاصابہ وضح (ای برص) فلا یلومن الا نفسہ" یعنی حضرت امام زہری نے کہا کہ حضورؐ کا ارشاد تھا کہ جس نے سنیچر یا بدھ کے روز فصد کھلوائی اور اسے کوڑھ کا مرض پیدا ہو گیا تو وہ اپنے ہی کو ملامت کرے" کو جھٹلایا تو انھیں یہ مرض لاحق ہو گیا، مثلاً مشہور محدث حضرت عثمان بتی اس حدیث کو رد کرتے تھے اور ان دونوں دنوں میں فصد کھلواتے تھے تو ان کو یہ مرض پیدا ہو گیا، اسی طرح اس مرسل روایت کو رد کرنے والے اور ان دنوں میں فصد کھلوانے کا عمل کرنے والے میں عبد الوارث ابن سعید القفوی تھے تو ان کو بھی یہ مرض لاحق ہوا، اور اس مرسل روایت کو رد کرنے والے اور ان دنوں میں فصد کھلوانے کا عمل کرنے والے ابو داؤد تھے ان کو بھی یہ مرض پیدا ہوا اور ایسا عمل کرنے والے عبد الرحمٰن بھی تھے تو وہ بڑی سخت مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

(حوالہ کیلئے دیکھئے التعریف باوھام من قسم السنن الی الصحیح والضعیف ص ۱۷۶/۱)

آج بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ضعیف حدیث کا سرے سے منکر ہے اور ضعیف حدیث کو موضوع اور من گھڑت حدیث قرار دیتا ہے، جبکہ متقدمین کا یہ عمل ہرگز نہیں رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام بڑے بڑے محدثین نے ضعیف حدیث کو اگر انکی تحقیق میں وہ من گھڑت اور موضوع نہیں ہے، اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ محض سند کے ضعف سے یا راوی کے مجروح اور متکلم فیہ ہونے سے اصل حدیث کا بطلان لازم نہیں آتا۔

آپ نے اوپر مرسل روایت کے رد کرنے والوں کا حال ملاحظہ فرمایا کہ وہ کیسے عذاب میں مبتلا ہو گئے، اب آپ دیکھیں کہ آج کے محققین کا اعلان کیا ہے۔

پاکستان کا صلوٰۃ الرسول پر تحقیق کرنے والا غیر مقلد عالم اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ " جب یہ ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک یہ روایت (یعنی آنحضور کا یہ ارشاد کہ جسے قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا کچھ کھانا پیٹ سے منہ میں آئے تو نماز سے نمازی پھر جائے) مرسلاً صحیح ہے، اور مرفوعاً غیر صحیح ہے، لہذا اس سے حجت لینا درست نہیں کیونکہ مرسل روایت قابلِ حجت نہیں۔"

(صلوٰۃ الرسول محقق ص ۱۴۱)

طٰہٰ شیرازی

محمد اجمل مفتاحی

خمار سلفیت

شیخ جگنو نے اپنا آدھا سر منڈایا، پورا سر منڈانا سنت سے ثابت نہیں

بیٹا۔ ابا جی۔

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ ابا جی آپ کو کچھ معلوم ہے، شیخ جگنو حفظہ اللہ اپنا سر آدھا منڈا کر شہر میں گھوم رہے ہیں، اور ان کے ہاتھ میں نواب صاحب بھوپالی کی کوئی کتاب ہے۔

باپ۔ بیٹا۔ ہماری جماعت میں ہر روز ایک نیا تماشہ ہوتا ہے اور ہم لوگ ہر دن ایک نئے سرے سے اہلحدیث بنتے ہیں، پہلے والی اہلحدیثیت منسوخ ہو جاتی ہے اور دوسری ناسخ اہلحدیثیت جلوہ افروز ہو جاتی ہے عجیب تماشے کے ہمارے لوگ ہیں۔

بیٹا۔ ابا جی آپ بہت خفا معلوم ہوتے ہیں کیا شیخ جگنو کے قصہ کا آپ کو علم ہے۔

باپ۔ آج صبح ہی صبح شیخ کلو حفظہ اللہ نے آکر یہ خبر سنائی تھی اسی وقت سے طبیعت بے کیف سی ہے۔

بیٹا۔ آخر شیخ جگنو حفظہ اللہ پر آدھے سر منڈانے کا دورہ کیسے پڑا اور ان کے ہاتھ میں وہ کون سی کتاب ہے؟

شیخ کلو حفظہ اللہ نے تنہا عید کی نماز پڑھی

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ اب کی دفعہ عید کی نماز شیخ کلو نے لوٹا بابا کی مسجد میں پڑھی

باپ۔ بیٹا وہ مسجد تو غیر آباد جگہ ہے وہاں انھوں نے کس کے ساتھ نماز پڑھی ؟

بیٹا۔ ابا جی شیخ کلو حفظہ اللہ نے وہاں تنہا ہی نماز گزاری، خود ہی تقریر کی، خود ہی تقریر کو سنا، خود ہی نماز ادا کی اور خود ہی خطبہ پڑھا، اور خود ہی خطبہ سنا، خطبہ پڑھتے جا رہے تھے اور سنتے جا رہے تھے۔

باپ۔ آخر شیخ کلو حفظہ اللہ نے یہ ڈھنگ کیوں اختیار کیا ؟

بیٹا۔ ابا جی وہ کہتے ہیں کہ بہت سے شرعی مسائل پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مسائل یتیمی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، ان مسائل کی سرپرستی عامل بالشریعت کو ضروری ہے۔

باپ۔ تو عید کی نماز کا تنہا ادا کرنا انھیں مسائل میں سے ہے ؟

بیٹا۔ جی ابا جی، عید کی نماز تنہا پڑھنا بھی شرعی مسئلہ ہے اور ہماری جماعت نے آج تک اس مسئلہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اسے یتیمی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔

باپ۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ عید کی تنہا نماز پڑھنا بھی درست ہے ؟

بیٹا۔ ابا جی یہ مسئلہ نواب صاحب کی مشہور مسئلے مسائل والی کتاب بدور الاھلۃ میں لکھا ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں

• ونماز عید نمازے از نمازہا است پس تنہا و باجماعت ہر دو صحیح باشد ص۸۵

یعنی عید کی نماز بھی نمازوں میں سے ایک نماز ہے اسلئے اسے تنہا اور جماعت کے ساتھ

باپ - بیٹا، وہ نواب صاحب کی کتاب ہے البنیان المرصوص اس کا نام ہے، شیخ جگنو نے اس میں یہ لکھا دیکھا ہے۔

"دیگر در نہی از حلق تمام راس دلیلے نیامدہ، اگرچہ خلاف سنت و از شیوہ خوارج است" ص ۱۶۹

یعنی تمام سر منڈانے سے منع کی کوئی دلیل نہیں ہے اگرچہ تمام سر کا منڈانا سنت کے خلاف اور خوارج کی علامت ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ جب تمام سر کا منڈانا خلاف سنت ہے تو آدھا سر منڈانا عین سنت ہوگا۔

بیٹا - نواب صاحب کی بات کہ سارا سر منڈانا خوارج کی علامت اور خلافِ سنت ہے کہاں تک درست ہے۔

باپ - بیٹا۔ نواب صاحب کا یہ فرمان تو میرے حلق سے بالکل نیچے نہیں اترتا، قرآن پاک میں سورہ فتح کے آخری رکوع میں ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو یہ خواب دکھلایا تھا کہ وہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں سر منڈا کر داخل ہوں، یا بال چھوٹا کرا کر کے داخل ہوں گے، اسی وجہ سے احرام کو کھولتے وقت عمرہ اور حج میں سر منڈانا افضل عمل قرار پایا، تو اگر یہ خلافِ سنت عمل اور خوارج کی علامت تھا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے حج اور عمرہ کے موقع پر کیوں پورا سر منڈایا۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا کہ اس کا کچھ سر منڈا ہوا ہے اور کچھ باقی ہے تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا ایسا نہ کرو یا تو پورا سر صاف کراؤ یا پورا چھوڑ دو، ابوداؤد ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل منقول ہے کہ وہ ہمیشہ پورا سر منڈائے رکھا کرتے تھے۔

بیٹا - اباجی، ہمارے نواب صاحب کو ان باتوں کی خبر نہیں تھی؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

باپ - بیٹا لیکن یہ تو قیاس ہے، نواب صاحب نے اس کی حدیث سے کوئی دلیل بھی پیش کی ہے ؟

بیٹا - نواب صاحب نے تو اس پر کوئی حدیث نہیں پیش کی ہے، بس اس یتیم مسئلہ کی صرف سرپرستی فرمائی ہے۔

باپ - بیٹا، اللہ نواب صاحب سے سمجھے، مسئلہ گڑھنا تو مقلدوں کا کام تھا۔ اب ہم اہلحدیث لوگ بھی یہ شریف کام کرنے لگے ہیں۔

بیٹا، تو اباجی نواب صاحب کا یہ مسئلہ بلا دلیل ہے ؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

شیخ جمن حفظہ اللہ نے تنہا جمعہ کی نماز ادا کی

بیٹا - اباجی

باپ - جی بیٹا۔

بیٹا - آج کا دن جمعہ کا تھا، ایک واقعہ کا شہر میں بڑا چرچا ہے۔

باپ - کیا ہوا بیٹا ؟

بیٹا - اباجی، شیخ جمن حفظہ اللہ نے جمعہ کی نماز دریا کنارے والی مسجد میں تنہا ادا کی، لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہیں۔

باپ - بیٹا یہ خبر غلط ہوگی، شیخ جمن حفظہ اللہ تو پڑھے لکھے بڑے فاضل عالم دین ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ جمعہ کا لفظ ہی بتلا رہا ہے کہ جماعت کے بغیر اس کا تحقق نہ ہوگا تو جمعہ کی نماز تنہا کیوں پڑھیں گے۔ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا، شیخ جمن حفظہ اللہ اس بدعت کو کیسے روا رکھیں گے۔

بیٹا - اباجی - واقعہ یہی ہے کہ شیخ جمن نے آج جمعہ کی نماز تنہا ادا کی ہے، تنہا خطبہ پڑھا

خود پڑھا، خود سنا اور پھر نماز جمعہ واسطے اللہ کے دو رکعت فرض کہہ کر سینہ پہ ہاتھ باندھا، شیخ کلو حفظہ اللہ سے اس بارے میں ان کی تکرار بھی ہوئی۔

باپ۔ بیٹا۔ شیخ جمن حفظہ اللہ نے اس کیلئے کسی حدیث کا حوالہ دیا۔

بیٹا۔ اباجی۔ انھوں نے حدیث کا حوالہ نہیں دیا، مگر نواب صاحب کی کتاب بدور الاھلہ سے اس کا فتویٰ دکھایا۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ:

۔ واستدلال بآنکہ چوں جمعہ فلاں وقت قائم شدہ عدد حاضرین چناں بود باطل است۔ (ص۱)

یعنی نماز جمعہ کیلئے جماعت شرط بتلانے والے کا یہ استدلال کرنا کہ جب جمعہ قائم ہوا تھا تو حاضرین کی تعداد اتنی تھی یہ استدلال باطل ہے۔

باپ۔ مگر ہم اہلحدیث لوگ ہیں، اس کیلئے تو ہمیں حدیث چاہیئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو لوگ کے ساتھ بھی کبھی جمعہ ادا فرمایا ہو۔

بیٹا۔ اباجی نواب صاحب کیا اہلحدیث نہیں تھے؟ انھوں نے بلاحدیث ہی یہ مسئلہ لکھا ہے؟

باپ۔ بیٹا، نواب صاحب، اہلحدیث ہوں یا نہ ہوں، اس سے ہمیں غرض نہیں، کوئی حنفی مقلد ہم سے اس کی دلیل طلب کرے گا تو ہم کیا کہیں گے۔

بیٹا۔ اباجی، آپ گھبرائیں نہیں، ہم خود اس حنفی مقلد سے کہیں گے کہ تم جماعت سے جمعہ پڑھنے والی حدیث پیش کرو۔

باپ۔ بیٹا، وہ حدیث تو ابو داؤد شریف میں ہے جس میں جمعہ کیلئے جماعت کی قید موجود ہے۔

بیٹا۔ اباجی، تو ہم شیخ جگنو والا نسخہ استعمال کریں گے یعنی اس کے ضعیف ہونے کا شور مچا دیں گے اباجی، ہے نا یہ زوردار نسخہ؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دوماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۱۲ — شمارہ ۲

ربیع الاول و ربیع الثانی

سنہ ۱۴۳۰ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ —— ۸۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی دوسو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائل نمبر: 9453497685

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی مئو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمزم بحرانی حالت میں

قارئینِ زمزم کو گزشتہ شمارہ سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ محض اللہ کی توفیق و تائید سے زمزم وقت برابر شائع ہوتے ہوئے اپنا گیارہواں سال کا سفر تمام کر چکا ہے اور اب وہ بارہویں سال میں داخل ہو گیا ہے، یعنی زمزم پر پورے گیارہ سال گذر گئے، اس مدت میں زمزم کے ذریعہ مذہب اہلسنت اور خاص طور پر فقہ حنفی کی کیا اور کیسی خدمات ادا ہوئی ہیں، اس کا ذکر ہم کیا کریں کہ اپنی خود ستائی ہو گی۔ قارئین زمزم کو خود اس کا اندازہ ہو گا، ہم نے قصداً ان تعریفی خطوط کو نہیں چھاپا ہے جو مستقلاً زمزم کی تعریف میں ملک و بیرون ملک سے دفتر زمزم میں آئے ہیں، ان خطوط کو نہ چھاپنے کی وجہ ایک تو یہی اپنا مزاج ہے کہ وہ تعریف کا خوگر نہیں، دوسرے زمزم کے محدود صفحات بھی اس کی بڑی وجہ بنتے ہیں خیال ہوتا ہے کہ ان تعریفی خطوط کی جگہ کچھ کام کی چیزیں شائع ہو جائیں، انھیں محدود صفحات کی وجہ سے زمزم میں کتابوں پر تبصرہ کا کالم نہیں ہوتا، بعض اہل قلم کو اس کی وجہ سے شکایت بھی ہے۔

زمزم نے اس طویل مدت کا سفر کیسے طے کیا، اس کا اندازہ قارئین زمزم کو نہیں ہو گا کئی دفعہ صورتِ حال یہ ہو گئی کہ زمزم کا جاری رکھنا اور ایک شمارہ بھی شائع کرنا مشکل ہو گیا،

پھر اللہ کی نصرت ہوئی اور گاڑی آگے بڑھی، اس بارے میں عزیز گرامی میرے شاگرد رشید مفتی محمد سعید متارا سلمہٗ جنوبی افریقہ اور عزیزم قاری محمد یوسف سلمہٗ مقیم حال امریکہ کا قیمتی تعاون نے زمزم کی بڑی مدد فرمائی، نیز پاکستان میں زمزم ڈیڑھ سو کی تعداد میں جاتا ہے، وہاں سے بھی اعانت کی اچھی شکل نکل آتی تھی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ جو شمارہ گیارہ سال تک پاکستان چار روپئے ٹکٹ میں جاتا تھا اب محکمہ ڈاک کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ اس پر ۳۷ روپئے کا ٹکٹ لگایا جائے، اور پندرہ عدد کا ایک بنڈل جو محض بیس روپے میں جاتا تھا، اب اطلاع ملی ہے کہ اس پر ساڑھے تین سو کا ٹکٹ لگایا جائے۔ افریقہ اور لندن جو شمارہ سترہ روپیہ میں جاتا تھا اب ۳۷ روپے کا ٹکٹ لگتا ہے۔ محکمہ ڈاک کے اس نئے ناگہانی اقدام کی وجہ سے زمزم کے تقریباً دو سو شمارے ٹکٹ لگے لگائے واپس ہو گئے اور زمزم ایک بڑے خسارہ میں مبتلا ہو گیا۔

ہندوستان میں زمزم کے قارئین گزشتہ بقایا کی ادائیگی نہیں کر رہے ہیں، بار بار توجہ دلانے کے باوجود بھی صدائے برنخواست کا معاملہ ہے، ادارہ کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ چندہ کی وصولیابی کے لئے مستقل ملازم رکھے، پاکستان کے ڈاک خرچ میں زبردست اضافہ کی وجہ سے پاکستان اب پرچہ بھیجنا ممکن نہیں۔

اس وقت زمزم کی صورت حال یہ ہے کہ اگر قارئین اور محسنین کا ادارہ کو خصوصی تعاون نہیں ملا تو زمزم کے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ زمزم نکلتا رہے گا یا بند ہو جائے گا۔

زمزم تو ایک معمولی اور بہت مفلس ادارہ سے شائع ہونے والا پرچہ ہے، بڑے اداروں سے نکلنے والے پرچوں کی ڈاک خرچ کے زبردست اضافہ کی وجہ سے حالت خراب ہے اور انھوں نے اپنے پرچوں کیلئے خصوصی تعاون کی درخواست کی ہے اور زر سالانہ میں زبردست اضافہ کیا ہے، مثلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلنے والا عربی پرچہ البعث ہے، اس کے مدیر کا بھی کہنا ہے کہ یہ پرچہ مالی بحران سے دوچار ہے اور محسنین سے ایڈیٹر نے

خصوصی تعاون کی درخواست کی ہے، مدیر صاحب محرم وصفر کے البعث میں لکھتے ہیں۔

ان المصیبة التی فاجأتنا واضطرتنا الی کتابة هذه السطور المتواضعة هی ان مؤسسة البرید والطوابع اضافت فی اجرة البرید ضعف ما کانت علیه فاجرة البرید لنسخة واحدة کانت نحو اربعین روبیة بالبرید الجوی مثلا اصبحت الآن اکثر من خمس وسبعین روبیة لنسخة واحدة ......

الامر الذی سبب خسارة فادحة لمیزانیة المجلة، وحیث ان العدد الثالث للمجلة الذی ارسلت[1] الی قرائنا الکرام بالاجور السابقة لم یصل الیهم وانما ارجع کلها[2] الی مکتب المجلة۔

مدیر مجلہ ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی الندوی کاغذ وطباعت وغیرہ کی گرانی کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، ایک ناگہانی مصیبت یہ پیش آگئی ہے اور جس کی وجہ سے یہ حقیر تحریر کرنی پڑ رہی ہے کہ محکمہ ڈاک نے ڈاک خرچ میں دوگنا کا اضافہ کر دیا ہے، پہلے جو ایک عدد البعث چالیس روپیہ میں جاتا تھا اب ایک عدد پر پچھتر روپے کا ٹکٹ لگانا ہوگا، جس کی وجہ سے پرچہ کا بجٹ کو زبردست نقصان پہونچا ہے اور البعث کا تیسرا شمارہ جو پہلے کے ڈاک خرچ پر بھیجا گیا تھا وہ قارئین کو پہونچا نہیں اور سارے پرچے واپس ہو گئے۔

نیز انھوں نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ بنڈل کی شکل میں اب غیر ملک میں پرچہ نہیں جائیگا صرف ایک ایک نسخہ جائے گا، اسلئے مجبوراً پرچہ کے سالانہ زر اشتراک میں ادارہ کو اضافہ کرنا پڑا ہے اور اب بیرون ملک کا سالانہ چندہ پچاس ڈالر امریکی ہوگا۔ (خمسین دولاراً امریکیا۔)

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب البعث جیسا پرچہ ڈاک خرچ کے اضافہ کی وجہ سے

---

(۱) صحیح "ارسل" (۲) صحیح "کله"

مالی پریشانی کا شکوہ کرتا ہے اور ہندوستان میں زرسالانہ تین سو روپیہ کر رہا ہے، بیرون ملک کیلئے تقریباً چوبیس سو ہندوستانی روپیہ اس کا سالانہ چندہ ہو گیا ہے تو زمزم جیسے حقیر و فقیر پرچہ کا حال کیا ہوگا۔

اب زمزم کے باقی رہنے کی بس یہی شکل ہے کہ زمزم کے خریدار بقایا ادا کریں، پرچہ پر پتہ کی چٹ سے معلوم ہو جائے گا کہ کب سے کس کی خریداری ہے اور کب ختم ہو گئی ہے۔ دوم یہ کہ نئے سالانہ خریدار کم سے کم پانچ سو بنیں، سوم یہ کہ محسنین و مخلصین زمزم کا اللہ تعاون فرمائیں۔ بس یہی شکلیں ہیں کہ زمزم جاری رہے ورنہ جو صورتِ حال ہے زمزم کا باقی رہنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ واللہ ھو المستعان

صـ ۲۸ کا بقیہ :۔

بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے خواہ وہ تاریخ واقعہ کے اعتبار سے اور خواہ ان کا ماضی حقیقت کے اعتبار سے کتنا ہی گندہ کیوں نہ ہو) اور اسے اس پر فخر ہوتا ہے لیکن مولانا مودودی اور ان جیسے محققین اپنا فخر اور اپنا کارنامہ اسی کو سمجھتے ہیں کہ اپنی شاندار تاریخ اور اپنے تابناک ماضی کو اتنا ہی بدنما کر کے پیش کریں۔

مولانا مودودی نے یوں تو اپنی اس کتاب میں متعدد صحابۂ کرام کا نام لے کر انکی شخصیات کو مجروح کرنے کی اور ان کو پایۂ اعتبار سے گرانے کی نہایت مکروہ کوشش کی ہے لیکن خاص طور پر حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کو اپنے ناوک خامہ کا خاص نشانہ بنایا ہے۔ ہم اخیر میں یہ چاہتے ہیں کہ نہایت مختصر طریقہ پر ان تینوں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالیں جس سے اسلام میں بالخصوص ان تینوں حضرات کا مقام متعین ہوتا ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر بلایا، آپ تشریف لے گئے تو حضرت سعد نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ خشک کھجوریں اور رطب کھجور کا ایک خوشہ کھانے کو پیش کیا پھر ایک پیالہ دودھ لائے آپ نے ان چیزوں کو تناول فرمایا، پھر آپ نے یہ دعا پڑھی۔

اکل طعامکم الابرار وافطر عندکم الصائمون وصلت علیکم الملائکۃ

پھر حضرت کے لئے ان کا نام لے کر یہ دعا فرمائی۔ اللّٰھم اجعل صلوٰتک علی آل سعد بن عبادۃ۔ اے اللہ تو اپنی رحمتیں سعد کے گھر والوں پر نازل فرما۔

اس حدیث پاک سے کئی باتیں معلوم ہوئیں، پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ کبھی کبھار اللہ والوں کو اپنے گھر بلانا چاہیئے کہ اس سے گھر میں خیر وبرکت پیدا ہوتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جس کو اپنے گھر بلائے اس کی ضیافت کا بھی حسب قدرت اہتمام کرے کہ اس سے مہمان کا اعزاز واکرام ہوتا ہے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کھانے کے بعد مہمان کھانے والوں کیلئے دعا بھی کرے، مہمان کیلئے یہی دعا مناسب ہے جس کا ذکر حدیث میں ہوا۔ یعنی اکل طعامکم الابرار نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں۔ وافطر عندکم الصائمون روزہ دار تمہارے پاس روزہ کھولیں۔ وصلت علیکم الملائکۃ فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا مانگیں۔

اس دعا کو پڑھنے کے بعد بطور خاص میزبان کا نام لے کر بھی دعا کرنی چاہئے، اس سے اس کو مزید خوشی حاصل ہوتی ہے اور اپنائیت اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲) حضرت انس ہی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ گندھے آٹے میں خون کا ایک قطرہ گر جائے تو کیا حکم ہے؟ تو آپؐ نے اس کو کھانے سے منع فرمایا۔

چونکہ بہا ہوا خون اسی طرح کا نجس ہے جیسے پیشاب پاخانہ اسلئے ایک قطرہ خون بھی گندھے ہوئے آٹا اور سالن وغیرہ میں گر جائے اور اس میں وہ تحلیل ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

(۳) حضرت انس ہی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کیلئے جاتے وقت جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے گذرتے تھے تو چھ ماہ تک آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ انکو نماز کیلئے بیدار کرتے ہوئے جاتے، جگانے کے الفاظ یہ ہوتے الصلوٰۃ یا اھل البیت نماز، اے گھر والو۔

اس حدیث پاک میں جو بات قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی نماز کی فکر کی طرح اپنی اولاد اور اعزہ کی نماز کی بھی فکر رکھنی چاہئے، فجر کا وقت چونکہ غفلت کا وقت اور سونے کا وقت ہوتا ہے اسلئے آواز لگا کر جگانا سنت کا عمل ہوگا، نماز کیلئے پکارتے وقت کسی خاص آدمی کا نام لے کر نہیں پکارنا چاہئے، عمومی الفاظ سے جگانا چاہئے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر سونے کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنا داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر یہ دعا پڑھتے۔

ربِّ قِنی عذابک یوم تبعث عبادك اے اللہ جس روز تو لوگوں کو قبر سے اٹھائے گا مجھے اپنے عذاب سے بچائیو۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے، چلنے پھرنے، پیشاب پیخانہ،

زندگی کی چھوٹی چھوٹی اور بظاہر بہت حقیر باتوں کی طرف بھی توجہ فرمائی ہے اور اس کے بارے میں ہدایات دی ہیں، یہ دین اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے، دوسرے مذاہب میں یہ بات نظر نہیں آتی، اگر آدمی ان ہدایات پر عمل کرے اور ان سنتوں کو اپنی زندگی میں جاری کرے تو اس کی زندگی خیر ہی خیر کی ہے اور انشاء اللہ ان سنتوں پر عمل کرنے کی برکت سے جنت کا حق دار ہوگا اور اس کے معاصی کم ہوتے جائیں گے۔

سوتے وقت کی سنت کا ذکر اس حدیثِ پاک میں ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء ابن مالک رضی اللہ عنہ خوش آواز تھے، اور حضورؐ کے سفر میں جب ہوتے تو بعض دفعہ حضورؐ (کی تکان رفع کرنے) کے لئے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

سفر میں عموماً تعب، تھکاوٹ، سستی، ملال پیدا ہو جاتا ہے، ایسے وقت میں خواہش ہوتی ہے کہ تھکاوٹ دور کرنے کیلئے اور طبیعت کو چست بنانے کے لئے کوئی تفریح کا سامان ہو، اس کے لئے اشعار کا پڑھنا پڑھانا صاحبِ ذوق کے لئے بہترین فرحت کا سامان ہوتا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بھی انسان ہی کی طبیعت تھی، فطرت کے سارے تقاضے آپ صلے اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے تھے، اچھی آواز اور اچھے اشعار آپ کو خوش کرتے تھے، اس لئے رفع تعب کے لئے صحابہ کرام میں سے جو شعراء تھے دورانِ سفر آپ کو اشعار سنا کر آپ کے لئے باعثِ فرحت بنتے۔

نوٹ:۔ یہ تمام احادیث امام سیوطی کی جامع الاحادیث جلد سات سے لی گئی ہیں۔

محمد ابو بکر غازی پوری

کیا شرعی مسائل میں حیلوں کی گنجائش ہے!

خط اور اس کا جواب

مکرمی حضرت مولانا محمد ابو بکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی!

اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے ہماری کتنی گتھیوں کو سلجھایا ہے، اور آپ کی تحریروں نے ہمیں کتنا اطمینان بخشا ہے، اس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔ بارک اللہ فی حیاتکم۔

حضرت والا، ہمارے یہاں ایک موضوع زیر بحث ہے کہ کیا شرعی مسائل میں حیلوں کی گنجائش ہے، اور کیا حیلہ کا ثبوت کتاب وسنت سے ہے، احناف کی کتابوں میں بعض شرعی مسائل میں حیلوں کا استعمال کیا گیا ہے، حضرات غیر مقلدین کو اس پر بہت کچھ اعتراض ہے، براہ کرم آپ اس بارے میں زمزم میں ایک تحریر شائع کردیں کرم ہوگا، نوازش ہوگی۔

والسلام

امتیاز احمد قاسمی گورکھپور

زمزم! اللہ کا شکر ہے کہ وہ ہم جیسے کم علموں اور طفل مکتب سے کچھ کام لے رہا ہے بس دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

ہم جو کچھ بھی لکھتے ہیں وہ بزرگوں کی تحریروں سے استفادہ ہوتا ہے، اپنی کوئی تحقیق نہیں ہوتی ہے، قلم اپنا ہوتا ہے، بات ان کی ہوتی ہے، کمال ان بزرگوں کا ہے ہم تو صرف نقال ہیں۔ وکفی بذلك فخرا۔

جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو

اولاً عرض یہ ہے کہ آپ غیر مقلدوں کے اعتراض سے گھبرائیں نہیں ان کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے اکابر پر صرف اعتراض ہی کیا ہے، فقہائے کرام، اولیائے عظام، محدثین کرام کو تو جانے دیجئے صحابہ کرام تک کو بھی انھوں نے نہیں بخشا ہے، ان کی تالیف وتصنیف کی دنیا اکابر پر اعتراض سے عبارت ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاہب

اگر آپ کا ان سے کوئی رشتہ اور تعلق ہے تو ان کی ہدایت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

رہا یہ کہ شرعی مسائل میں حیلوں کی بھی کوئی گنجائش ہے، تو عرض ہے کہ بلا شبہ ہے اور یقیناً ہے، حیلوں کا جو انکار کرے اور اسے ناجائز بتلائے تو وہ فقہ وحدیث کی بات تو دور کی ہے وہ شخص قرآن سے بھی جاہل ہے، اسے پتہ ہی نہیں کہ خود قرآن میں حیلوں کا ذکر ہے، اصل میں حیلہ، مکر، کید کے الفاظ اردو میں ذرا اچھے معنوں میں کم استعمال ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے جب ان الفاظ کا ذکر زبان پر آتا ہے تو آدمی کو گھبراہٹ ہوتی ہے، اور چونکہ عوام کے ذہن میں یہی ناپسندیدہ معنی ہوتا ہے تو غیر مقلدین کو موقع ملتا ہے کہ وہ عوام کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاکر فقہ اور فقہاء کے خلاف ان کے اندر شکوک شبہات پیدا کریں۔

اب سنئے کہ حیلہ، مکر، کید کے الفاظ کے اصل معنی ہیں خفیہ تدبیر کے کبھی یہ تدبیر مشروع ہوتی ہے اور کبھی نامشروع۔ اب اگر کسی بات کے لئے ان خفیہ تدابیر کا استعمال کیا جائے تو دیکھا جائے گا کہ وہ بات جائز ہے کہ ناجائز اور وہ خفیہ تدبیر مشروع ہے کہ نامشروع اگر وہ تدبیر یا وہ حیلہ مشروع ہے اور جس مقصود کے لئے اسے استعمال کیا جا رہا ہے وہ بھی مشروع ہے تو ایسا حیلہ بالاجماع جائز ہے، اگر وہ تدبیر یا وہ حیلہ غیر مشروع ہے اور جس

مقصد کیلئے استعمال کیا جارہا ہے وہ بھی غیر مشروع ہے تو وہ بالاجماع حرام ہے۔ اگر حیلہ تو مشروع ہے مگر جس مقصد کے لئے اس کو استعمال کیا جارہا ہے وہ مقصد منکر اور غیر مشروع ہے تب بھی وہ حیلہ ناجائز ہے، اگر وہ حیلہ غیر مشروع ہے لیکن مقصود مشروع ہے تو حیلہ کے استعمال کا گناہ تو ضرور ہوگا مگر چونکہ مقصود میں کوئی خرابی نہیں ہے، اسلئے وہ مقصود حلال ہی ہوگا، البتہ بعض لوگ اس چوتھی شکل کو بھی جائز نہیں رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چونکہ مقصود غیر شرعی طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے اسلئے وہ بھی حرام ہوگا۔

ان چاروں شکل کو آپ ذہن میں رکھئے پھر میری بات سنئے کہ فقہائے کرام نے شرعی مسائل میں جو حیلوں کا استعمال کیا ہے، تو اس سے ان کی غرض مقصود شرعی کو حاصل کرنا ہوتا ہے مثلاً کبھی آدمی کو حرام سے بچانا ہوتا ہے، کبھی کسی شرعی تنگی سے نکالنا ہوتا ہے، کبھی مظلوم کی اعانت ہوتی ہے۔ اب بتلائیے کہ اگر ان مقاصد کیلئے یا ان جیسے مقاصد کے لئے حیلوں کا استعمال کیا جائے تو یہ خرابی کی بات ہے یا خوبی کی، یہ فقہائے کرام کا کارنامہ ہے یا ان پر لعن طعن کی بات ہے۔ بلاشبہ اگر مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کیلئے اور لوگوں کو حرام میں مبتلا کرنے کے لئے کسی ظالم کی حمایت کے لئے اگر حیلوں کا استعمال کیا جائے تو خواہ وہ حیلہ اپنی جگہ پر شرعاً کوئی قباحت نہیں رکھتا ہے مگر اس سے شرعی مقاصد کا ابطال ہوتا ہے تو وہ حیلہ حرام ہے، اسے کوئی بھی جائز نہیں رکھتا ہے، اور جن ائمہ کرام کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے وہ غلط ہے، جھوٹ ہے، ان ائمہ کرام پر افتراء ہے، اللہ رحم کرے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر احناف کے خلاف یہ فتنہ انھوں نے ہی اٹھایا ہے، اور بخاری شریف میں کتاب الحیل کا باب قائم کرکے قال بعض الناس سے اگر ان کی مراد احناف ہی ہیں تو ان کی طرف وہ باتیں منسوب کی ہیں جن سے ائمہ احناف کا دامن پاک ہے، اور اگر قال بعض الناس سے مراد انکی خاص حضرت امام اعظم کی ذات ہے تو امام بخاری کو اللہ کے یہاں جواب دینا ہوگا اسلئے کہ حضرت امام اعظم سے بسند صحیح ایک حیلہ بھی جو غیر مشروع ہو اور جس کا استعمال غیر مشروع مقاصد کے لئے کیا گیا ہو منقول نہیں ہے۔

اگر کسی غیر مقلدین ہمت ہے اور اس کا علمی افق بہت وسیع ہے تو صرف ایک مثال پیش کر کے اس کی صحیح سند امام ابو حنیفہ تک پہونچائے، اچھا اس سے ہلکی بات میں کہتا ہوں کہ حنفی کا قول کسی فقہ کی کتاب سے دکھائے کہ اس حنفی نے غیر مشروع حیلہ کا غیر مشروع مقاصد کیلئے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہو، یا یہی بات مطلقاً کسی فقہ کی کتاب میں لکھی ہوئی دکھائے، غیر مقلدین کے اول و آخر سب جمع ہو جائیں گے تب بھی یہ کام ان سے نہ ہو سکے گا۔

حضرت امام بخاری کے بس کی بھی یہ بات نہیں ہے، اسلئے انھوں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے نہ انھوں نے صراحۃً امام ابو حنیفہ کا نام لیا ہے نہ ان کے کسی شاگرد کا، قال بعض الناس، کا گول مول لفظ استعمال کیا ہے تاکہ فرار کا راستہ کھلا رہے اور وہ احناف کی گرفت سے بچ سکیں۔ دیکھو کتنا شاندار امام بخاری نے اپنے بچاؤ کیلئے حیلہ اختیار کیا ہے۔

اوپر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ حیلوں کا ذکر تو خود قرآن میں ہے اسلئے جائز مقاصد کیلئے ان کا استعمال نص قرآنی سے ثابت ہے مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری اور ابتلاء کے زمانہ میں اپنی بیوی سے کسی بات پر خفا ہو گئے اور قسم کھائی کہ اچھا ہونے پر وہ انھیں سو کوڑے کی سزا دیں گے۔ جب اللہ نے انکو صحت دی۔ ابتلاء کا زمانہ ختم ہوا تو بیوی کی زمانہ ابتلا و مصیبت میں خدمت گزاری یاد آئی، کس صبر و شکر، محبت و اخلاص کے ساتھ انھوں نے حضرت ایوب کی خدمت کی تھی اب انھیں اپنی قسم پر پچھتاوا ہوا کہ اگر بیوی کو سو کوڑے مارتے ہیں تو بیوی کا زندہ رہنا بھی مشکل نظر آرہا تھا، مگر قسم کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ تو خود اللہ نے حضرت ایوب کو اس مخمصہ سے نکلنے کیلئے یہ حیلہ بتلایا۔

خذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث۔ یعنی اے ایوب اپنے ہاتھ میں سو لکڑیوں کا ایک مجموعہ لیکر اس سے بیوی کو ایک دفعہ مار دو، تمہاری قسم پوری ہو جائیگی۔

دیکھا آپ نے کس تدبیر سے اور کس حیلہ سے حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم پوری کرائی گئی اور یہ حیلہ بتلانے والا کون، خود خداوند کریم۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مریض جو بہت لاغر ہو چکا تھا اسکے پاس

ایک باندی کسی ضرورت سے گئی، یہ مریض اس سے ہم صحبت ہو گیا، جب اس کی اطلاع حضورؐ کو پہونچائی گئی اور آپ سے مریض کا حال عرض کیا گیا تو آپ نے اس مریض کو سو کوڑے مارنے کیلئے یہی حیلہ تجویز کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ جب بھائیوں کے ساتھ بنیامین حضرت یوسف کے پاس پہونچے اور حضرت بنیامین اور حضرت یوسف کا آپس میں تعارف ہو گیا اور حضرت یوسف کو معلوم ہوا کہ بھائیوں کی بدسلوکی سے بنیامین تنگ ہیں تو بنیامین کو انھوں نے اپنے پاس روکنے کا ارادہ کیا۔ مگر کس قانون سے وہ ان کو روکیں، بھائیوں سے اگر کہیں کہ انکو یہاں رہنے دو تو بھائی لوگ اس پر راضی نہ ہوں گے کہ حضرت یعقوب نے بڑی تاکید سے بنیامین کو واپس لانے کا وعدہ کرایا تھا، تو اس کیلئے اللہ نے حضرت یوسف کو یہ حیلہ بتلایا کہ غلہ ناپنے والے سے کہو کہ بنیامین کے غلہ میں ناپنے کا برتن رکھ دیں، پھر اسکی تلاشی ہو تو جب ان کے غلہ سے برتن نکلے گا تو ان پر چوری کا الزام ثابت ہوگا اور چور کی سزا حضرت یعقوب کی شریعت میں یہ تھی کہ چوری ثابت ہو جانے کے بعد چور کو بدلہ میں لے لیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت بنیامین کو حضرت یوسف نے اپنے پاس رکھنے کیلئے یہی حیلہ اختیار کیا اور اللہ کے یہاں یہ حیلہ ایسا بے غبار تھا کہ اللہ نے اس حیلہ کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کذٰلک کدنا لیوسف، ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک یعنی ہم نے اس طرح یوسف کیلئے یہ تدبیر اختیار کی ورنہ بادشاہ مصر کے قانون میں حضرت بنیامین کو اپنے پاس روکنے اور رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس حیلہ میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ بظاہر اس حیلہ کی شکل کچھ اچھی نہیں ہے مگر چونکہ مقصود بہت اہم اور عظیم تھا یعنی بنیامین کو بھائیوں کے ظلم سے بچانا تھا اس وجہ سے اس حیلہ کی بظاہر اس معیوب شکل کے انکو اختیار کرنے کی اجازت ہوئی، اور اس کی معیوب شکل ہی کی وجہ سے غالباً اللہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا کہ ہم نے یہ حیلہ کیا۔ تاکہ حضرت یوسف کی طرف کسی کو انگلی اٹھانے کی گنجائش نہ رہے۔

فقہاء نے غالباً یہیں سے یہ اصل مستنبط کی ہے کہ اگر مقصود عظیم اور کریم ہے تو اسکو حاصل کرنے کیلئے حیلوں کی بعض معیوب شکل یعنی غیر مشروع طریقہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے مثلاً اگر کسی نے کسی کا مال غصب کیا ہے تو اگر وہ شخص جس کا مال غصب ہوا ہے بلا اجازت اس غاصب کے گھر میں گھس کر اپنا مال لے لیتا ہے خواہ اس کیلئے چور کا بھیس بھی بدلنا پڑے تو اس کو یہ حق حاصل ہو گا یعنی چوری کے حیلہ سے وہ اپنا مال لے سکتا ہے۔

خدا کی خفیہ تدبیر یا حیلہ کی ایک تیسری مثال لیجیئے اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلہ میں بہت قلیل تھی اسلحہ بھی مسلمانوں کے پاس برائے نام تھا، بظاہر دونوں طاقتوں کا کوئی مقابلہ نہیں تھا، تو اللہ نے یہ کیا کہ پہلے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی تعداد خواب میں بہت کم دکھائی اسلئے کہ اگر اصل تعداد دکھلا دیتے تو اللہ فرماتا ہے لفشلتم یعنی تم بزدل بن جاتے، اور کافروں کا خوف مسلمانوں میں بیٹھ جاتا اور پھر وہ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوتے، پھر عین جنگ کے موقع پر جب معرکہ گرم ہوا تو اللہ نے کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کی تعداد کو بہت بڑھا دیا یعنی کافروں کو مسلمان بہت بڑی تعداد میں نظر آئے تھے، اور کافروں کی تعداد کو مسلمانوں کی نگاہ میں بہت کم کر کے دکھلایا۔ اس طرح یہ معرکہ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

جنگ جیتنے کیلئے یہ حیلہ یعنی خفیہ تدبیر خود اللہ کر رہا ہے، اب اگر غیر مقلدین کہیں کہ اللہ میاں نے کافروں کے ساتھ دھوکہ کیا، امام بخاری فرمائیں اللہ میاں کیلئے ایسا کرنا مناسب نہیں تھا۔ تو ٹھیک ہے ہم اللہ میاں کے سامنے آپ کی عرضی پیش کر دیں گے مگر عالم واقعہ میں تو جنگ بدر جیتنے کیلئے اللہ کی طرف سے یہ حیلہ ہوا اور ضرور ہوا، غیر مقلدین کے علی الرغم ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ کے زمانہ میں کافروں پر غلبہ پانے کیلئے جائز حیلہ کا اختیار کرنا اگرچہ دوسروں کی نگاہ میں بظاہر اس کی شکل اچھی نہ ہو عین مطلوب ہے، دیکھو اللہ نے اس واقعہ میں کم کو زیادہ کر کے دکھایا اور زیادہ کو کم کر کے دکھایا یعنی جو کچھ دکھایا خلاف واقعہ دکھلایا، مگر چونکہ اس حیلہ سے ایک بہت بڑے شرعی مقصود اور امر اعظم کو حاصل کرنا تھا۔

اس وجہ سے اس کا انتظام خود اللہ نے کیا تاکہ کسی غیر مقلد کو چوں چرا کرنے کی گنجائش نہ ہو۔ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے الحرب خدعۃ یعنی جنگ تو نام ہی ہے خفیہ تدبیر کو کام میں لایا جائے۔ اگر قرآن پاک میں غور کیا جائے تو حیلوں کی اور بھی متعدد مثالیں ملیں گی، مگر صاحب فہم کیلئے قرآن سے یہ تین مثالیں بہت کافی ہیں۔

اوپر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ حیلوں کے ذریعہ سے امت سے تنگی کو دور کرنا بھی کبھی مقصود ہوتا ہے اور کبھی اس کا مقصد آدمی کو حرام کام سے بچانا ہوتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ دونوں چیزیں عین مطلوب شرعی ہیں۔ خود قرآن کا ارشاد ہے کہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے وہ تنگی تمہارے لئے نہیں چاہتا ہے۔

شروع زمانہ اسلام میں رمضان کی راتوں میں بیوی سے صحبت کرنا حرام تھا مگر جب اللہ نے دیکھا کہ لوگ اس حکم پر عمل کرنے میں کوتاہ ہیں تو اللہ نے رمضان کی راتوں میں صحبت کی اجازت دیدی، ارشاد خداوندی ہے۔ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث، یعنی رمضان کی رات میں اب بیوی سے صحبت کرنے کو حلال کر دیا گیا ہے۔ اور فرمایا فالآن باشروھن اب تم ان سے صحبت کرو، معلوم ہوا کہ امت سے تنگی سے دفع کرنا اور حرام میں پڑنے سے روکنا شریعت کا عین منشا ہے، اب اگر حیلوں کے ذریعے سے ان مقاصد کو حاصل کیا جائے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے، دیکھو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک گھر میں دو بھائیوں کی شادی ایک ساتھ ہوئی اور دونوں بیویاں ایک ہی دن گھر میں آئیں اب گھر والوں سے یہ غلطی ہو گئی کہ ایک کی بیوی دوسرے کے پاس کر دی اور دوسرے کی بیوی پہلے کے پاس کر دی گئی، جب صبح ہوئی تو کہرام مچا کہ بیویوں کا تبادلہ ہو گیا۔ سب پریشان کہ اب کیا کریں لوگ بھاگے دوڑے امام ابوحنیفہ کے پاس گئے اور ماجرا عرض کیا، امام صاحب نے دونوں بھائیوں کو بلا کر کے پوچھا کہ تم دونوں ان عورتوں کو بیوی بنانے پر راضی ہو جن کے ساتھ تم نے رات گذاری ہے، بھائیوں نے کہا کہ ہاں، تو امام صاحب نے

کہا کہ تم اپنی اپنی اصل منکوحہ کو طلاق دے دو اور پھر ان دونوں عورتوں کا دوبارہ نکاح ان بھائیوں سے کر دیا جن کے ساتھ ان کی رات گذری تھی۔ امام صاحب کے اس فیصلہ سے تمام گھرانہ خوشی و مسرت میں ڈوب گیا اور حدیث و فقہ کے بڑے بڑے امام امام صاحب کی اس فقاہت پر قربان ہو گئے۔

ایک مسئلہ جس کو غیر مقلدین بہت اچھالتے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی نوجوان کو کسی عورت کی چاہت ہو گئی وہ اس کو اپنی بیوی بنانے کا خواہشمند ہے، مگر وہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے، تو اس نوجوان نے اس عورت کو حاصل کرنے کیلئے دو جھوٹے گواہ قاضی کے سامنے پیش کئے کہ اس عورت سے میرا نکاح ہوا ہے۔ قاضی نے گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ قاضی کا یہ فیصلہ ظاہراً و باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا یعنی وہ عورت واقعی اس کی بیوی بن گئی گو جھوٹی گواہی دلوانے کا عذاب اس کو ہوگا اور جھوٹی گواہی دینے والوں کو بھی اس کا گناہ ہوگا مگر بیوی اس کے لئے حلال ہوگی وہ مرد اس سے ہمبستری کرے گا تو شرعاً اس کیلئے جائز ہے، یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے، دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ عورت قاضی کے فیصلہ کے بعد صرف ظاہری طور پر اس کی بیوی ہوگی، واقعۃً وہ شرعی طور پر وہ اس کی بیوی نہ ہوگی۔ یعنی وہ آدمی اس سے صحبت نہیں کر سکتا، اور اگر کرے گا تو حرام کاری کرے گا، غیر مقلدین اور حضرات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیکھو فقہ حنفی میں اجنبی عورت کو بیوی بنانے کا کیسا آسان نسخہ ہے۔

میری گذارش بڑے ادب سے ان حضرات کی خدمت میں یہ ہے کہ خدا اور رسول کو گواہ بنا کر کہو کہ فقہ حنفی میں اس طرح کے عمل کو جائز کہا گیا ہے، امام ابوحنیفہ سے اس کا ثبوت پیش کرو کہ انھوں نے جھوٹے گواہ کے ذریعہ بیوی بنانے کو جائز کہا ہو، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے کسی کا قول پیش کرو، کسی فقہ حنفی کی کتاب میں دکھاؤ کہ اس میں اس طرح بیوی بنانے کا عمل سکھلایا گیا ہو، تم یہ ہرگز نہیں کر سکتے ہو، تو پھر خدا سے ڈرو، اسکے رسول سے شرم کھاؤ کیوں فقہ حنفی کے خلاف ضد پالے ہوئے ہو، کیوں ائمہ احناف پر افترا کر کے اپنی عاقبت

خراب کرتے ہو، کیوں دنیا والوں کو دھوکہ دیتے ہو، بات وہ نہیں ہے جو تم کہتے ہو، بات تو یہ ہے کہ اگر کسی بدبخت نے یہ عمل بد کیا اور اس حیلہ سے اس نے کسی اجنبیہ پر بذریعہ قاضی اپنا تسلط جمالیا تو اب شرعی حکم کیا ہوگا وہ قاضی کے فیصلہ کے بعد اس کی صرف ظاہری بیوی رہے گی یا وہ واقعۃً اس کی شرعی بیوی ہوجائے گی، تمہارے نزدیک پہلی شکل ہے، اور احناف کے نزدیک دوسری شکل ہے، اب دیکھو دونوں حکموں کا فرق کیا ہے، تم نے جو شکل اختیار کی ہے یعنی صرف اس کو ظاہری طور پر اس آدمی کی اس عورت کو بیوی قرار دیا ہے تو وہ جب اس آدمی کے ساتھ رہے گی وہ آدمی اس کو کھلانے پلانے کا ذمہ دار ہوگا اس کا سارا خرچ برداشت کرے گا وہ اس کو اپنے ساتھ ظاہری طور پر بیوی بنا کر کے رکھے گا تو کیا اس کا امکان ہے کہ وہ اس سے صحبت نہ کرے گا؟ اسی لئے تو اس نے اپنی بیوی بنانے کا یہ حیلہ اور غلط طریقہ اختیار کیا تھا۔ یعنی وہ زندگی بھر تمہارے مسئلہ کی رو سے حرام کاری میں مبتلا رہے گا، اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی سب ناجائز اور حرام ہی ہوگی، معاشرہ اور سماج میں ان کا کوئی مقام نہ ہوگا، دونوں زنا کے مرتکب قرار پائے جائیں گے۔

احناف کے مسئلہ کی رو سے نہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہوگا، نہ اس کی اولاد حرامی کہلائے گی، تم نے اس آدمی کو حرام کاری کے لئے چھٹی دے دی، اور امام ابوحنیفہ نے میاں بیوی دونوں کو حرام کاری کی لعنت سے بچایا، ان کی اولاد پر سے جو نطفہ حرام سے پیدا ہونے کا داغ لگ رہا تھا اس سے ان کو محفوظ کیا، اب ذرا انصاف سے سوچو کہ کس کا مسئلہ شریعت کے مزاج اور عقل کے فیصلہ سے ہم آہنگ ہے تمہارا یا احناف کا، قربان جائیے حضرت امام اعظم کی نگاہِ دور رس پر، خداوند قدوس ان کے ذہن میں وہ بات ڈالتا ہے جن تک ظاہر پرستوں کا تصور بھی نہیں پہونچتا۔

پھر احناف کا یہ مسئلہ ان کے گھر کا گڑھا ہوا نہیں ہے، تمہارے مسئلہ کی تو کوئی شرعی اساس نہیں ہے، احناف کے مسئلہ کی تو شرعی اساس ہے، اور وہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اور جن کے بارے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین، یعنی تم میرے اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو اور اس کو لازم پکڑو، انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اسی طرح کا ایک قضیہ پیش ہوا، یعنی ایک آدمی نے دو جھوٹے گواہ پیش کرکے ایک اجنبیہ پر اپنی بیوی ہونے کا دعوی پیش کر دیا، تو حضرت علی نے اس عورت کو اس کی بیوی تسلیم کرلیا، جب بارگاہ مدینۃ العلم سے یہ فیصلہ ہوا تو اس عورت نے حضرت علی سے درخواست کی کہ حضرت جب آپ نے یہ فیصلہ فرما ہی دیا تو میرا نکاح اسی سے پڑھا دیں تاکہ واقعۃً میں اس کی بیوی بن کر اسکے ساتھ رہوں اور ہم گناہ میں مبتلا نہ ہوں تو حضرت علی نے فرمایا شاھدان زوجاک یعنی تمہارا نکاح تو تمہارے گواہوں نے اس سے کر دیا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو انشاء نکاح کی ولایت حاصل ہے، یعنی اگر کسی عورت کا ولی نہ ہو تو خود قاضی اس کا ولی بن کر اس عورت کا نکاح کرا سکتا ہے، اگر وہ عورت محل نکاح بن سکتی ہے یعنی مرد کیلئے اس سے نکاح کرنا شرعًا جائز ہو، تو قاضی کے ذریعہ نکاح کا عمل انجام پا سکتا ہے، حضرت علی نے اپنے فیصلہ کی بنیاد اسی حکم شرعی کو بنایا اور حضرت امام ابوحنیفہ نے حضرت علی ہی کی پیروی میں یہ قول اختیار کیا۔

اب اگر کوئی بد بخت کہے کہ یہ تو حضرت علی کا فیصلہ اور ان کا قول ہے اور صحابہ کرام کا قول شرعی مسائل میں حجت نہیں تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اپنی بد بختی پہ نازاں رہو اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے عمل اور فیصلہ کو مردود قرار دو تمہارے نصیبہ میں یہی ہے، احناف کے نزدیک صحابہ کرام کی تقلید واجب ہے، اور خلفائے راشدین کا عمل اور ان کا فیصلہ قابل حجت ہے، البتہ تم وہ حدیث پیش کرو جس میں حضورؐ نے اس طرح کے مسئلہ میں عورت کو صرف ظاہری طور پہ بیوی قرار دیا ہو، اور اس کا نکاح باطنی طور پہ باطل قرار دیا ہو، مجھے یقین ہے کہ تم اس طرح کی حدیث پیش کرنے سے عاجز ہو۔ حضرات احناف نے جو قول اختیار کیا ہے، اس کی مضبوط بنیاد ہے اور تمہارے مسئلہ کی کوئی شرعی بنیاد نہیں اور نہ وہ عقلاً قابل قبول ہے۔

اب اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اکابر کی کچھ عبارتیں پیش کردیں جن سے ناظرین کرام کو معلوم ہوگا کہ علماء شریعت کے نزدیک کون سے حیلے جائز ہیں اور کون سے ناجائز۔

حضرت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وضابطها ان كانت للفرار من الحرام والتباعد من الاثم فحسن وان كان لابطال حق مسلم فلا، بل هى اثم وعدوان۔ (فتح الباری ۳۲۶/۱۲) یعنی حیلہ کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر حیلہ حرام سے بچنے کیلئے اور گناہ سے دور رہنے کیلئے کیا جا رہا ہے تو وہ اچھا عمل ہے، لیکن اگر اس کا مقصد کسی مسلمان کے حق کو باطل کرنا ہے تو وہ جائز نہیں بلکہ گناہ اور ظالمانہ عمل ہے۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا ارشاد ہے۔ ليس من اخلاق المومنين الفرار من احكام الله بالحيل الموصلة الى ابطال الحق۔ (ایضاً ص ۳۲۹) یعنی مومنین کے اخلاق کی یہ بات نہیں ہے کہ ایسے حیلوں کے ذریعہ جن سے حق کا ابطال ہوتا ہے اللہ کے احکام سے بھاگنے کا راستہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام محمد کا یہ ارشاد بھی منقول ہے۔ ما احتال به المسلم حتى يتخلص به من الحرام او يتوسل به الى الحلال فلا بأس به، یعنی اگر کوئی مسلمان حرام سے بچنے کیلئے یا حلال تک پہونچنے کیلئے حیلہ کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور وما احتال به حتى يبطل حقا او يحق باطلا او ليدخل شبهة فى حق فهو مكروه والمكروه عنده الى الحرام اقرب (ایضاً ص ۳۳۱) اگر حیلہ کا مقصد کسی حق کو باطل کرنا ہے یا باطل کو حق ثابت کرنا ہے یا حق امر میں شبہ پیدا کرنا ہے تو وہ مکروہ ہے اور مکروہ امام محمد کے نزدیک حرام سے قریب تر ہے یعنی وہ مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں ولا يحتال فى ابطال الصدقة بوجه، یعنی صدقہ باطل کرنے کیلئے کسی طرح کا حیلہ جائز نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۳۳۱)

ان تمام حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی ہی پر اتر آئے اور باطل حیلوں کو کسی بھی امام فقہ وحدیث کی طرف منسوب کرے تو وہ بقول ابن القیم جاہل ہے اور ان ائمہ کرام کی قدر ومنزلت سے وہ ناواقف ہے، ابن قیم فرماتے ہیں۔

ولا یجوز ان تنسب هذه الحیل الی احد من الائمة ومن نسبها الی احد منهم فهو جاهل باصولهم ومقادیرهم ومنزلتهم من الاسلام۔

یعنی ان باطل حیلوں کو کسی امام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، اور جو شخص ان کو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ ان کے اصولوں اور اسلام میں ان کی قدر و منزلت سے ناواقف ہے۔ (اعلام جلد دوم ص ۸۷ نقلا من مقالات ابی المآثر)

میں نے اس بحث میں کچھ درازنفسی سے کام لیا ہے اسلئے کہ غیر مقلدین حضرات عوام کو گمراہ کرنے کیلئے حیلہ کے نام کو بہت غلط طریقہ سے استعمال کرتے ہیں، جبکہ وہ اسلام میں حیلہ کی حقیقت کیا ہے، کون ساحیلہ جائز ہے اور کون سا ناجائز اس سے جاہل کا جاہل ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ تحریر آپ کیلئے اور زمزم کے دوسرے قارئین کے لئے کچھ مفید ہوگی۔ وصلی اللہ علی النبی الامی۔ والسلام

نوٹ :۔ اس موضوع پر اگر کسی کو مزید معلومات حاصل کرنی ہو تو اس کو مصری عالم شیخ ابوزہرہ کی کتاب " امام ابوحنیفہ " کا مطالعہ کرنا چاہئے، انھوں نے اپنی کتاب میں حیلہ پر بڑی جاندار اور شاندار بحث کی ہے اور معترضین کے اعتراضات کو هباءً منثورًا کردیا ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری قسط نمبر ۱۹

مقامِ صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں

اور

مولانا مودودی

اسلام کے صدر اول ہی میں کچھ فرقے پیدا ہو گئے تھے جو صحابۂ کرام پر سبّ و شتم کیا کرتے تھے

صحابۂ کرام کے بارے میں عہد حاضر کے یہ محققین جو کچھ کہہ رہے ہیں خواہ وہ مولانا مودودی ہوں یا محمود عباسی یا مصر کا ملحد مصنف طٰہٰ حسین ان کا کوئی نیا عمل نہیں ہے بلکہ ایک پرانے عمل کی تجدید ہے، رنگ اور پیرایہ بدلا ہوا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں کچھ باطل فرقوں نے صحابۂ کرام کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا۔

ابن سبا اور اس کے باطل تصورات

اسلام کی تاریخ میں صحابۂ کرام کے بارے میں گندگی پھیلانے کی سب سے زیادہ منظم کوشش جس نے کی وہ ابن سبا تھا، اس نے اہلبیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر عام صحابۂ کرام کے خلاف ایک ایسی سازش رچی جس سے اسلام کے در و دیوار میں رخنہ پڑ گیا اور آج تک اس کے نقصانات سے ملتِ اسلامیہ دوچار ہے۔

ابن سبا ہی وہ تھا جس نے سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بنی ہاشم کو

ابھارنا شروع کیا، اسی نے سب سے پہلے حضرت علی کے بارے میں غلو آمیز عقیدت کا مظاہرہ کیا اور مختلف شہروں اور اسلامی ملکوں میں گھوم کر اپنے باطل نظریہ کی ترویج واشاعت کی اور بنی امیہ کے خلاف دلوں میں نفرت وعداوت کا بیج بویا اور حضرت علی کے امام معصوم وصی نبی اور پھر ان کے الٰہ ہونے کا ذہنوں میں تصور پیدا کیا، اس نے بڑے خفیہ اور بڑے محکم طریقے سے اپنی سازش کا جال پورے عالم میں پھیلایا اور بہت سے لوگوں کو جو اس کی اصل حقیقت سے واقف نہیں تھے اپنے دامن فریب میں لے لیا۔

اس نے خلافت اسلامیہ کو متزلزل کرنے کے لئے خفیہ جماعت بنائی اور اسلام کے مرکزی شہروں میں خاص طور پر کوفہ، بصرہ شام اور مصر میں اپنے مراکز قائم کئے اور ہر مرکز کو دوسرے مرکز سے مربوط کرنے کیلئے اور ایک کی کاروائی دوسرے تک پہونچانے کیلئے اس نے ایسا نظام قائم کیا جس سے اس کی ذہانت اور طباعی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس طرح اس نے مسلسل اپنی ریشہ دوانیوں سے ایک ایسی قوت حاصل کر لی جس کے بعد اس کو اپنا مقصد حاصل کرنا آسان ہو گیا، اس نے حضرت عثمان کے خلاف جو شورش برپا کی تو اس کا خاتمہ حضرت عثمان کے مظلوم شہید ہونے پر ہوا، پھر امت اسلامیہ میں جو بحران، انتشار اور گروہ بندیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں تو آج تک اس کا دروازہ بند نہ ہو سکا۔

ابن سبا کون تھا؟

ابن سبا کون تھا؟ اس کی زندگی پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی سازشوں کی خطرناکی کا کچھ اندازہ ہوگا۔

عبداللہ بن سبا یمن کے یہودی خاندان کا ایک فرد تھا اس نے اسلام بظاہر قبول کر لیا تھا لیکن فی الاصل وہ منافق یہودی تھا، اس کی زندگی کا اصل مقصد مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلانا اور امت مسلمہ میں اضطراب وانتشار کی کیفیت پیدا کرنا اور اس کو اسلام کے صحیح رخ سے باطل کی طرف لے جانا تھا، اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے آپ کو اہلبیت کی محبت کا مدعی اور ان کا مخلص بنا کر پیش کیا، لوگ اس کی دسیسہ کاریوں سے واقف نہ ہو سکے اور حضرت عثمان اور خاندان بنی امیہ کے دشمن ہو گئے۔

اس نے اپنے ماننے والوں میں حضرت علی کو آنحضورؐ کا وصی بنا کر پیش کیا اور دماغوں میں یہ بٹھلا دیا کہ خلافت کا مستحق آنحضورؐ کے بعد حضرت علی کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اور یہ خلافت نبی کے خاندان سے باہر نہیں جا سکتی، پھر اس نے حضرت علی کو اِلٰہ بنا کر پیش کیا اور کہا کہ حضرت علی دنیا میں خدا کے مظہر ہیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں کہا کہ یہ ظالم خلیفہ تھے انھوں نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا اور موجودہ خلیفہ حضرت عثمانؓ بھی ظالم و غاصب ہیں۔ خلافت حضرت علی کا حق ہے، لیکن حضرت علی کو بزور طاقت خلافت حاصل کرنے کی قوت نہیں ہے، اسلئے وہ خاموش ہیں۔ اس نے بتلایا کہ شیعانِ علی کا یہ فریضہ ہے کہ خلافت حضرت عثمان سے چھین کر اس کے مستحق کو دے دیں۔ اس نے ان سارے صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا شروع کیا جنھوں نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی خلافت و امارت کو تسلیم کیا تھا البتہ وہ چند کا استثنا بھی کرتا تھا جن کی تعداد چھ سے زیادہ نہ تھی وہ ان کے بارے میں کہتا تھا کہ یہ لوگ خوف کی وجہ سے بیعت ہوئے تھے۔

غرض اس یہودی فطرت انسان نے پہلی مرتبہ صحابہ کرام کے خلاف زہر اگلا اور بعد میں علی اور اہل بیت کے نام لیواؤں نے اس کی پیروی کی اور شیعوں میں سبِّ صحابہؓ آج تک ایک مقدس عمل شمار ہوتا ہے، حضرت عثمان کے خلاف اصل سازشی یہی تھا۔ احمد امین فجر الاسلام میں لکھتے ہیں:

ھو الذی کان من اکبر من الب الامصار علی عثمان والذی ان اللہ علیا والذی یتخذ من تاریخہ انہ وضع تعالیم لہدم الاسلام والفتجعیۃ سریۃ لبث تعالیمہ واتخذ الاسلام ستارا یستر بہ نیاتہ۔	یہی سب سے بڑا انسان تھا جس نے حضرت عثمان کے خلاف شہروں کو جمع کیا اور اب اس نے حضرت علی کو معبود بھی بنا دیا۔ اس کی تاریخ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اس نے اسلام کو ڈھانے کے لئے کچھ باتیں گھڑلی تھیں اور اس نے اپنی ان باتوں کو پھیلانے کے ایک خفیہ جماعت بنائی تھی

(فجر الاسلام ص ۳۱۶/۱ط)

. . . .

اور ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ومن اشهر الدعاة ای الی علی رض عبد الله بن سبا کان من یهود الیمن فاسلم فتنقل فی البصرة والکوفه والشام، ومصر ویقول انه کان لکل نبی وصی وعلی وصی محمد فمن اظلم ممن لم یجز وصیته رسول الله صلی الله علیه وسلم ووثب علی وصیه وکان من اکبر الذین البوا علی عثمان حتی قتل۔

(ص ۳۹۹/۱ط)

اور اسلام کو اس نے پردہ بنایا تھا تاکہ اس کے ارادے پوشیدہ رہیں۔

حضرت علی کے نام پر دعوت دینے والوں میں مشہور ترعبداللہ بن سبا تھا۔ وہ یمن کا یہودی تھا، اس نے اسلام قبول کرلیا تھا، وہ بصرہ، کوفہ مصر اور شام میں پھرا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور علی محمد کے وصی ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو رسول اللہ کی وصیت کو جاری نہ کرے اور اس کے وصی کے حق پر کود بیٹھے یہ شخص حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو جمع کرنیوالوں میں سب سے آگے تھا۔ تا آنکہ حضرت عثمان قتل ہوگئے۔

خوارج بھی صحابۂ کرام کو بُرا بھلا کہتے ہیں

غرض اسی خبیث ابن سبا نے سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف دشنام طرازی کا دروازہ کھولا اور محبت اہل بیت کے نام پر اس نے ایک ایسا طبقہ پیدا کردیا جو آج بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خلاف اپنے سینوں میں جذبات رکھتا ہے، ابن سبا کا وہی سبائی گروہ بعد میں مختلف گروہوں میں بٹ گیا اور روافض، امامیہ وغیرہ اسی سبائی گروہ کی شاخ در شاخ ہیں۔ پھر انھیں شیعان علی سبائی گروہ میں سے خوارج پیدا ہوئے جو حضرت علی سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ انھوں نے تحکیم کا فیصلہ کیوں قبول کرلیا اور حضرت معاویہ کی طرف صلح کا ہاتھ کیوں بڑھایا۔

خوارج ایک طرف تو حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کو بُرا بھلا کہتے تھے تو دوسری

طرف حضرت علی کے کفر کا بھی فتویٰ دیتے تھے اور ان کا صاف صاف اعلان تھا۔

ان لاحاجة للامامة الیٰ امام	امت کو کسی امام کی حاجت نہیں،
وانما علی الناس ان یعملوا بکتاب اللہ من انفسھم (فجر الاسلام ص۳۰۴ ج۱)	لوگوں کو اپنے طور پر کتاب اللہ پر عمل کرنا ہے[1]

خوارج نے تو حضرت علی کی تکفیر کے ساتھ ہی بہت سے مقدس صحابۂ کرام کو بھی تکفیر و تفسیق اور سب و شتم کا نشانہ بنایا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ پر طعن کیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص جیسے جلیل القدر صحابۂ رسول کی تکفیر کی۔

طعنوا فی اصحاب الجمل، طلحہ، زبیر وعائشۃ کما حکموا بکفر ابی موسیٰ الاشعری وعمرو بن العاص (فجر الاسلام ص۳۰۳ ج۱)	خوارج نے اصحاب جمل، طلحہ، زبیر، عائشہ پر طعن کیا اور برا بھلا کہا نیز انھوں نے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کے کفر کا حکم لگایا۔

معتزلہ بھی صحابۂ کرام پر نقد کرتے تھے

سبائیوں اور خوارج کے بعد سب سے زیادہ جو گروہ صحابہ کرام کے بارے میں جری تھا اور جو بلا محابا ان پر نقد کرتا تھا وہ معتزلہ کا گروہ تھا اگرچہ وہ کسی کو کافر تو نہیں کہتے تھے مگر صحابہ کرام کے بارے میں بڑی بے باکی سے گفتگو کرتے تھے، حتیٰ کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے بارے میں بھی ان کے خیالات بڑے آزادانہ تھے اور وہ اسے اپنی عقلیت کا لازمہ سمجھتے تھے۔ صدیق ہوں کہ فاروق صحابہ بہرحال انسان تھے اسلئے ہم کسی کی ذہنی غلامی قبول نہیں کریں گے، اور ان کے اقوال واعمال اور ان کی سیرت وکردار کو ہم اپنی عقل کی خراد پر پہلے چڑھا کے دیکھیں گے جس کو ہماری عقل قبول کرے گی اسے قبول کریں گے اور جس کو رد کردے گی اسے رد کردیں گے۔

احمد امین مصری اس فرقۂ معتزلہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] یہی مسلک مولانا مودودی کا بھی ہے دیکھو ص۱۳۱

"سچ یہ ہے کہ یہ فرقۂ معتزلہ سب فرقوں میں صحابہ کرام کے اعمال کی تحلیل کرنے
ان پر نقد کرنے اور ان کے خلاف حکم صادر کرنے پر سب سے زیادہ جری تھا۔
مرجیہ نے تو صحابۂ کرام پر کسی طرح کا حکم لگانے سے قطعاً گریز کیا جیسا کہ یہی
ان کے مذہب کا تقاضا بھی ہے۔
خوارج نے اگرچہ ان کے خلاف احکام صادر کئے مگر اس کا تعلق چند مخصوص
مسائل سے تھا جیسے مسئلہ تحکیم اور حضرت علی و معاویہ کی ذات وغیرہ۔
لیکن معتزلہ تو عام حکم بیشتر صحابہ کے بارے میں لگا دیا کرتے تھے جیسے حضرت
ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو
بن عاص، حضرت ابوہریرہ وغیرہ۔
اور وہ انتہائی صراحت کے ساتھ ان کے بارے میں اپنی رائے
ظاہر کرتے تھے۔
نیز لکھتے ہیں:

نعم ان المعتزلہ وضعوا معاویۃ موضع النقد کذلک واکثرھم تبرأ من معاویۃ وعمرو بن عاص۔ (ص ۲۲۶)	ہاں معتزلہ نے حضرت معاویہ کو نقد کی کسوٹی پر رکھا وہ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص سے سب سے زیادہ تبری اختیار کرنے والوں میں سے تھے۔

انھیں معتزلہ میں سے ایک شخص عمرو بن عبید تھا اس نے حضرت معاویہ اور حضرت
عمرو بن العاص پر خیانت کا الزام لگایا اور کہا کہ ان دونوں نے معاذ اللہ غنیمت کا مال چرایا ہے
احمد امین لکھتے ہیں۔

وان عمرو بن عبید خون عمرو بن العاص ومعاویۃ ابن ابی سفیان ونسبھما الی سرقۃ مال الغنیمۃ۔	عمرو بن عبید نے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ پر خیانت کا الزام لگایا اور کہا کہ ان دونوں نے غنیمت کا مال چرایا ہے۔

یعنی وہی بات جس کو آج مولانا مودودی پھیلا رہے ہیں، اور حضرت عثمان اور حضرت معاویہ پر جس خیانت اور بیت المال میں بے جا تصرف کا الزام لگا رہے ہیں۔

فتشابهت قلوبهم۔

احمد امین اپنی اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں رقمطراز ہیں:

وعلى الجملة قد اباحوا لانفسهم تشريح الصحابة ونقدهم والحكم على اعمالهم وحروبهم ايضاً۔

(ص ۳۵ج ۱)

اور حاصل یہ ہے کہ ان معتزلہ نے صحابہ کا پوسٹ مارٹم کرنے، ان پر تنقید کرنے اور ان کے اعمال پر فیصلہ صادر کرنے اور ان کی جنگوں پر اظہار رائے کرنے کو اپنے لئے جائز اور مباح کر رکھا تھا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ہمارے آج کے ان محققین نے صحابہ کرام پر نقد و تبصرہ کرنا، ان پر سب وشتم کرنا، ان کے بارے میں نہایت بے باکانہ گفتگو وغیرہ یہ سب باتیں کہاں سے لی ہیں۔ اور کہاں سے سیکھی ہیں اور وہ اس سلسلہ میں کس درسگاہ سے مستفید ہوئے ہیں۔

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ وہ انھیں سبائی، روافض خوارج اور معتزلہ کی درسگاہوں سے سیکھ سکھا کر اس کو آج ہمارے سامنے علم و تحقیق کے نام کے ساتھ اس طرح پیش کر رہے ہیں جیسے ہم ان آراء و افکار کے منبع سے واقف نہیں ہیں۔

اور یہ صرف مولانا مودودی یا محمود عباسی اور طٰہٰ حسین کی بات نہیں ہے جس نے بھی ان درسگاہوں سے فائدہ اٹھایا ہے اس کا قلم ان مقدس ہستیوں کے خلاف اسی بے باکی سے چلا ہے اور آج کے اس دور میں نہ جانے کتنے مولانا مودودی طٰہٰ حسین اور محمود عباسی پائے جاتے ہیں جنھوں نے اسلام کی موجودہ نسل کو اسلاف سے منحرف کرنے اور ان کی سیرت و کردار سے بدظن کرنے کی اسکیم تیار کر رکھی ہے اور اسلام کا نام لے کر اور علم و تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی روشن تاریخ پر مسلسل خاک اڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہر قوم تو اپنی ماضی اور اپنی تاریخ کو خوبصورت سے خوبصورت تر

بقیہ ص پر

محمد اجمل مفتاحی

محمد عبداللہ قاسمی غازیپوری قسط ۱۵

بریلوی مذہب پر ایک نظر

اذان بعد صلوٰۃ وسلام اگرچہ آنحضورؐ سے ثابت نہیں پھر بھی جائز ہے

احمد رضا خاں کے لڑکے محمد مصطفےٰ خاں سے صلوٰۃ وسلام بعد اذان کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے یہ گل افشانی کی۔

جس بات سے قرآن کریم نے منع نہ فرمایا حدیث کریم نے اسے ممنوع نہ ٹھہرایا ہو تو وہ اپنی اصل اباحت پر ہے یعنی مباح ہے بے دغدغہ جائز۔

نیز لکھتے ہیں۔

یہ تثویب اور اذانِ قبر دونوں ایسے امر ہیں جن کے کرنے کی ممانعت کہیں قرآن و حدیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں نہیں۔ فتاویٰ مصطفویہ جلد دوم

فائدہ:۔ پوچھنے والے نے پوچھا تھا۔ اذان کے بعد لوگوں کا بالفاظ صلوٰۃ وسلام کے مکرر اطلاع کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں و نیز قبر پر اذان دینا حضورؐ سے یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

مفتی صاحب کو چاہئے تھا کہ سائل کے سوال کے مطابق قرآن وحدیث اور صحابہ سے ان کا ثبوت پیش کرتے مگر یہ تو ان کے والد محترم کے بس کی بات بھی نہیں۔ یہ بیچارے قرآن وحدیث سے ان کا ثبوت کیا پیش کرنے البتہ ادھر ادھر کی باتیں ہانکتے ہیں، بدعت کی

ظلمت نے قلب کو اس قدر تاریک کر دیا ہے کہ اتنی ہمت نہیں کہ یہ کہہ دیں کہ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے، نہ کسی صحابی سے یہ چیز ثابت ہے، بدعت کا خاصہ ہے کہ وہ حق بات کہنے سے انسان کو بزدل بنا دیتی ہے، قرآن و حدیث میں ممانعت تو پاخانہ کھانے کی بھی نہیں آپ اسے کیوں نہیں کھاتے۔ قرآن و حدیث میں تعزیہ اور چوک بنانے کی بھی ممانعت نہیں مگر آپ کے والد نے اسے کیوں حرام کیا۔ قرآن و حدیث میں تو سینما دیکھنے کی بھی ممانعت نہیں آپ اسے کیوں نہیں حلال کہتے۔ قرآن و حدیث میں تو شبینہ کی بھی ممانعت نہیں آپ کے پدر نے اسے کیوں ناجائز و مکروہ بتلایا۔ اگر شرعی مسائل میں استدلال کا یہی ڈھنگ رہا تو ان بدعتیوں کو پاخانہ پیشاب بھی کھانا پینا پڑے گا۔

صرف وہی چیزیں حلال نہیں جو قرآن سے ثابت ہو جو حدیث سے ثابت ہو یا جو صحابہ سے ثابت ہو

محمد مصطفے پسر اعلحضرت فرماتے ہیں۔

کیا وہی امور حلال ہیں جن کے جواز کا بیان قرآن نے فرمایا، حدیث میں آیا یا جن کا کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابۂ کرام علیہم رضوان المولیٰ العلام سے ثابت ہوا۔ باقی سب مکروہ و حرام۔ (ایضاً ص۲)

فائدہ:- ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں یہ مفتی قرآن و حدیث اور صحابہ کرام سے اپنی بدعتوں کے جواز پر دلیل پیش کرنے سے تو عاجز ہے مگر امر حرام کے ارتکاب کے لئے جس کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں نہ کسی صحابی کے قول و عمل سے ثابت، چور دروازہ تلاش کر رہا ہے۔

اذان قبر اور صلوٰۃ وسلام بعد الاذان سنت نہیں ہے

محمد مصطفے پسر اعلحضرت لکھتے ہیں:

ہم مجوزین اذان قبر یا اس تثویب (یعنی صلوٰۃ وسلام بعد الاذان) کو سنت کب بتلاتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۸)

فائدہ:۔ اگر یہ چیز سنت نہیں ہے تو بدعت ہے۔ ہمت کرکے اس کا اعلان آپ کیوں نہیں کرتے، ایک طرف یہ بھی تسلیم کہ یہ سنت نہیں ہے اور نہ صحابہ سے ثابت نہ رسول سے نہ قرآن سے مگر اس کے باوجود اس کو عمل ثواب سمجھ کر کرنا ضروری ہے۔ اس سفاہت وحماقت وجہالت وضلالت کی کوئی حد ہے۔

وہابی دو طرح کا ہوتا ہے

پسر اعلیٰحضرت محمد مصطفیٰ لکھتے ہیں۔

وہابی اپنے عقائد خبیثہ کے سبب اسلام سے خارج ہیں۔ . . . وہابی دونوں طرح کا ہوتا ہے، مقلد بھی جو دعویٰ تقلید کرتا ہے اور تقلید کو ضروری بتلاتا ہے جیسے دیوبندی اور غیر مقلد بھی جو تقلید کو حرام اور شرک بتلاتا ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۶۹ ج ۲)

فائدہ:۔ الولد سر لابیہ، وہی بدزبانی وبدکلامی جو باپ کا حصہ بنی ہوئی تھی وراثۃً بیٹے کی طرف بھی منتقل ہوئی ہے۔

نماز پنجگانہ کے بعد یا غوث یا غوث کا نعرہ لگانا

پسر اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

یا غوث اگر اتنی آواز سے کہیں گے کہ مسجد میں جو حاضر ہوں اور کسی نمازی مسلمان کی نماز میں اس سے خلل نہ پڑے تو کچھ حرج نہیں جب کہ بعد جماعت ہو نہ کہ بعد فراغ از سنن ونوافل خالی وقت ہیں۔

فائدہ:۔ بریلوی مسلک میں ہر بدعت جائز۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ مسائل شرعیہ میں ان کی الگ ڈگر ہے، کوئی ان پسر صاحب سے پوچھے، جناب والا

اس کا ثبوت کس حدیث و قرآن میں ہے، پہلے تو ان کو دن میں تارے نظر آئیں گے، پھر آئیں بائیں، شائیں بانکیں گے، پھر کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں اس کو منع کہاں کیا گیا ہے، اور پھر بڑے فخر سے یہ اصول بیان کریں گے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، چوہا بلی، مکھی، مچھر، پسو، چھپکلی، سانپ، شیر، ببر، ریچھ وغیرہ وغیرہ سارے جانور ان کے نزدیک اسلئے جائز ہیں کہ ان کا نام لے کر قرآن و حدیث میں ان کی حرمت بیان نہیں کی گئی ہے، اور اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یہ بھی تو سنئے کہ فرض نماز با جماعت کے بعد متصلاً تو جائز اور سنتوں اور نوافل کے بعد ناجائز۔ آخر یہ فرق کیوں؟ غالباً بریلوی مذہب کے کسی قرآن و حدیث میں یہ فرق ہوگا۔

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام ۷۸۱ھ میں جاری ہوا

اعلٰحضرت درمختار کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

اذان کے بعد صلوٰۃ بھیجنا ربیع الآخر ۷۸۱ ہجری کی عشاء شب دوشنبہ میں واقع ہوا، پھر اذانِ جمعہ کے بعد صلوٰۃ کہی گئی۔ پھر اس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد پھر مغرب میں بھی دوبارہ کہنا شروع ہوئی۔

فائدہ:۔ اعلٰحضرت نے درمختار کے حوالہ سے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کب کی پیداوار ہے اور یہ بدعت ہے یا سنت، اب اسے اگر کوئی بدعت حسنہ کہتا ہے تو یہ اس کا جنون ہے۔

میلاد اگرچہ کتاب و سنت سے ثابت نہیں مگر سنت ہے

اعلٰحضرت کسی مولانا احمد فتاح کے قول سے ثابت کرتے ہیں۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و معجزات کا ذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بلاشبہ سنت ہے۔ (صـــ ۲۳)

فائدہ:۔ حالانکہ خود اعلیٰحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ محفل و مجلس تقی الدین سبکی کے زمانہ سے رائج ہے مگر بلا تکلف اس کا سنت کہتے ہیں اور ذرا بھی شرم نہیں کھاتے۔

جس چیز کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت ہے وہی حرام وممنوع ہے اور ممنوع وحرام کا نام بہ نام کتاب وسنت میں ہونا ضروری ہے

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

نکتہ ۱:۔ اصل اشیا میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت ہوا وراس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق وہی ممنوع ومذموم ہے۔ (اقامۃ القیامہ ص۳۱)

فائدہ:۔ اعلیٰ حضرت کی دلیل شرعی ناطق سے مراد یہ ہے کہ ہر ممنوع ومحظور چیز کا نام بنام قرآن وحدیث میں ہو ورنہ جو چیز شرعاً حرام وممنوع ہے اس کا اثبات کتاب وسنت ہی سے ہوتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی اس دلیل کا کسی کے پاس کیا جواب ہے کہ ہر ایک محظور ممنوع کا نام بھی قرآن وحدیث میں ہو۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں۔

"برتقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس وقیام کے نام کے ساتھ قرآن وحدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ۔" اقامہ ص۳۷

دیکھا آپ نے اعلیٰ حضرت کی دھینگا مشتی یعنی جب تک کہ حرام وممنوع چیز کا نام بنام ہونا قرآن وحدیث میں مذکور نہ ہو وہ اسے حرام وممنوع ماننے کیلئے تیار نہیں، میں کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کا اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو ہزارہا حرام وممنوع چیزیں جائز بن جائیں گی اور اعلیٰ حضرت کے گردن میں وہ رسہ پھنسے گا جو نکالے نہیں نکلے گا۔

قبر کا اونچا بنانا خلاف سنت ہے

اعلیٰحضرت سے پوچھا گیا قبر کا اونچا بنانا کیسا ہے؟

ارشاد ہوا "خلاف سنت ہے، میرے والد ماجد میری والدہ ماجدہ میرے بھائی

کی قبریں دیکھے ایک بالشت سے اونچی نہ ہوگی۔ ملفوظ سوم ص۲۹

فائدہ:- بریلوی حضرات نے اونچی قبریں بنانا بطور رسم کے جاری کر رکھا ہے انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خلافِ سنت ہے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کی یہ بات قابلِ غور ہے کہ انھوں نے اونچی قبر نہ بنانے کو سنت اپنے باپ، اپنی ماں اور بھائی کی بناوٹ سے ثابت کیا ہے۔ اب کسی عمل کے سنت ہونے کے لئے کتاب و سنت کی حاجت نہیں، اعلیٰ حضرت کے خاندان کا عمل سنت و بدعت کا معیار ہوگا۔

مولیٰ علی سب کچھ جانتے ہیں

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"عرش کے نیچے کرسی ہفت آسمان ہفت زمین اور آسمانوں زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے تحت الثریٰ تک سب داخل ہے۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں اس سب کو میرا علم محیط ہے ان میں سے جو شئی مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا۔ (خالص الاعتقاد ص۴۰)

فائدہ:- تعجب ہے حضرت علیؓ عرش کے نیچے کی سب چیزیں تو جان جائیں عرش کے اوپر کی چیزیں نہ جانیں، آخر یہ کیوں؟ قرآن کہتا ہے۔ الرحمٰن علی العرش استویٰ یعنی خداوند قدوس عرش پر مستوی ہے تو اعلیٰ حضرت کے ارشاد کا گویا یہ مطلب ہوا کہ حضرت علیؓ سب کچھ تو جانتے ہیں مگر اللہ ہی کو نہیں جانتے۔

امام جعفر صادق نے ایک جلد میں قیامت تک ہونیوالی سب باتیں تحریر کردیں

اعلیٰ حضرت زرقانی کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

"جفر ایک جلد ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے لکھی اور اس میں اہلبیت کیلئے جس چیز کے علم کی انھیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب تحریر فرمادیا ہے،، (خالص الاعتقاد ص۴۱)

فائدہ :۔ لیکن امام جعفر کی یہ محنت رائیگاں گئی اسلئے کہ آج اہلبیت اس کتاب کے متلاشی ہیں مگر یہ کتاب ان کے ہاتھ آتی نہیں، اس طرح کی گپ پر ایمان لانا بریلوی حضرات کا مزاج ہے اور اعلیٰحضرت کا بدعتی مزاج اس کو سب سے پہلے قبول کرتا ہے۔

حضرت علی نے جفر و جامعہ دو کتابوں میں ختم دنیا تک کے احوال تحریر فرما دیئے ہیں

اعلیٰحضرت علیہ سید شریف کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

جفر و جامعہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دو کتابیں ہیں۔ بیشک امیر المومنین نے ان دونوں میں علم الحروف کی روش پر ختم دنیا تک کے لئے جتنے وقائع ہونے والے ہیں سب ذکر فرما دیئے ہیں۔ خالص الاعتقاد ص۴۱

فائدہ :۔ یہ شیعوں کی گڑھی روایتیں اعلیٰحضرت کو مبارک وہ شوق سے اس پر ایمان لائیں۔ مگر اتنے بے شرم تو نہ ہوں کہ اس طرح کی گپوں کو اہل سنت کا مسلک قرار دیں۔ ابھی جفر تو امام صادق کی کتاب تھی یہ حضرت علی کی کہاں سے ہو گئی۔

غوثِ اعظم کے سامنے سعید و شقی پیش کئے جاتے ہیں اور ان کی آنکھ لوحِ محفوظ میں ہے

اعلیٰحضرت غوث اعظم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

عزت الٰہی کی قسم بیشک سب سعید و شقی میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، میری آنکھ لوحِ محفوظ میں ہے۔ ایضاً ص۴۲

فائدہ :۔ بیشک اعلیٰحضرت اور ان کے متبعین کا یہی ایمان ہے مگر خود حضرت غوث اعظم اس طرح کی سطحیات سے بری ہیں۔ ان کی طرف اعلیٰحضرت نے جھوٹ افتراء کیا ہے۔ غوث اعظم نے کس کتاب میں اور کہاں فرمایا ہے۔ اعلیٰحضرت کو چاہئے کہ ٹھوس دلیل سے اس کلام کو غوث اعظم کا کلام ثابت کریں۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

محمد بن سیرین بصری

الامام شیخ الاسلام محمد بن سیرین ابو بکر انصاری کے والد ماجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ابھی تین سال باقی تھا کہ ابن سیرین کی ولادت ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ، عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، عدی بن حاتم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے اجلاء صحابہ سے حدیث سنی۔

ان کے شاگردوں میں حضرت قتادہ، ایوب، یونس بن عبید ابن عون خالد الحذاء، ہشام بن حسان، مہدی بن میمون اور ان کے علاوہ اجلاء محدثین کی بہت بڑی تعداد ہے۔

یہ لوگ سات بھائی تھے، ان کا عجیب قصہ ہے وہ یہ کہ ابو الولید ان کے والد سیرین اور ان کے ساتوں بھائیوں کو لے کر حج کے لئے چلا، مدینہ پاک میں یہ حضرات حضرت زید بن ثابت سے ملنے گئے، حضرت زید بن ثابت کو لوگوں نے بتلایا کہ یہ ساتوں بھائی سیرین کے لڑکے ہیں تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دو کی طرف اشارہ کر کے بتلایا یہ ایک ماں

سے ہیں، پھر دو کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ایک ماں سے ہیں، پھر دو کی طرف اشارہ کیا ان دونوں کی ماں ایک ہیں اور ایک بھائی کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ یہ ایک ماں سے ہے، ابن سیرین کہتے ہیں۔ فما اخطأ یعنی بالکل صحیح قیاس لگایا۔

ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ ابن سیرین نے تیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا تھا، یہ بصرہ میں ایک طرف حسن بصری کے علم وفضل، زہد وتقویٰ کا غلغلہ تھا تو دوسری طرف محمد بن سیرین کے کمالات فضائل کا چرچا تھا۔ حسن بصری اور محمد بن سیرین کا رشتہ آپس میں بڑی محبت و مودت کا تھا، اور ہر ایک دوسرے کا انتہائی درجہ احترام واکرام کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حسن بصری کا انتقال ہوا تو محمد بن سیرین پر ایسا غم کا بادل چھایا کہ منہ سے الفاظ کا نکلنا بند ہو گیا، بات چیت موقوف ہو گئی اور حسن بصری کی وفات کے غم نے ان کو ایسا کھایا کہ صرف دس روز بعد ابن سیرین کا بھی انتقال ہو گیا۔

محمد بن سیرین کو اللہ نے جہاں بہت سے علوم سے آراستہ کیا تھا، وہیں خوابوں کی تعبیر کے علم سے بھی ان کو وافر حصہ دیا تھا، ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر اس فن کا کوئی دوسرا ماہر و کامل نہیں تھا، یہ اس بارے میں اپنی نظیر آپ تھے، بڑے بڑے علماء و فقہاء خوابوں کی تعبیر کے سلسلہ میں انھیں کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک کبوتر نے ایک موتی کو نگل لیا ہے، پھر وہ موتی اس کے پیٹ سے بہت بڑا ہو کر نکلا۔ اور ایک دوسرے کبوتر نے ایک دوسرے موتی کو نگل لیا ہے تو وہ اس کے اندر سے بہت چھوٹا ہو کر نکلا، اور ایک تیسرے کبوتر کو دیکھا کہ اس نے ایک تیسرے موتی کو اپنے پیٹ میں کر لیا ہے تو اس نے اس کو جیسا نگلا تھا اسی کے برابر ہو کر اس کے پیٹ سے باہر آیا ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اس کا تذکرہ حسن بصری سے کیا تو انھوں نے اس کی تعبیر بتلائی کہ

یہ پہلا موتی سے مراد حضرت حسن بصری ہیں وہ حدیث کو سن کر اپنے منہ سے بہتر سے بہتر انداز میں ادا کرتے ہیں، اور جو موتی چھوٹا ہو کر منہ سے نکلا تھا۔ اس سے مراد میری ذات ہے

میں حدیث کو سن کر اس کا کچھ حصہ حذف کر دیتا ہوں، جو موتی برابر سرا بر نکلتا ہے اس سے مراد حضرت قتادہ ہیں کہ وہ حدیث کے الفاظ کو بہت اچھی طرح سے یاد رکھتے ہیں، اور جیسا سنتے ہیں ویسا ہی بیان کرتے ہیں۔

ایک دوسرے آدمی نے حضرت ابن سیرین سے بیان کیا کہ اس نے خواب دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں شیشہ کا ایک پیالہ ہے جس میں پانی ہے پھر پیالہ ٹوٹ گیا لیکن پانی اس سے بہا نہیں، تو ابن سیرین نے کہا کہ تو اللہ سے ڈر تو نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ سبحان اللہ، تو ابن سیرین نے کہا کہ اگر تو جھوٹ نہیں بول رہا ہے تو تیری عورت بچہ جنے گی پھر وہ مر جائے گی اور بچہ باقی رہے گا، جب وہ آدمی ان کے پاس سے باہر آیا تو لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے، لیکن چونکہ خواب کی تعبیر بیان کی جا چکی تھی اس وجہ سے واقعہ ویسا ہی پیش آیا، اس آدمی کی عورت نے بچہ جنا اور خود اس کی موت ہو گئی۔ (۱)

ایک دفعہ ایک آدمی نے ابن سیرین سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں اور میری ایک حبشیہ باندی دونوں ایک ساتھ ایک برتن میں مچھلی کھا رہے ہیں، تو ابن سیرین نے کہا کہ کیا تم مجھے کھانا تیار کر کے ایک دسترخوان پر بلاؤ گے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں، چنانچہ اس نے کھانا پکوایا اور ان کو دعوت دی جب دسترخوان بچھایا گیا تو تو ایک حبشیہ باندی سامنے نظر آئی تو ابن سیرین نے اس آدمی سے کہا تم نے اس باندی سے ہم بستری کی ہے تو اس نے کہا کہ نہیں، تو انھوں نے اس آدمی سے کہا کہ اس کو لے کر کوٹھری میں جاؤ جب وہ باندی کے ساتھ کوٹھری میں گیا تو وہاں ایک آدمی کو موجود پایا تو اس نے زور سے آواز لگائی کہ اس میں ایک آدمی ہے، تو ابن سیرین نے کہا کہ یہی آدمی ہے جو اس

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹا خواب بیان کر کے اگر اس کی تعبیر لیجائیگی تو تعبیر بتلانے والا جیسی تعبیر بتلائیگا اسی طرح کا واقعہ ظہور میں آئیگا، اسلئے اس طرح کی حرکت سے باز رہنا چاہئے۔

باندی سے ہمبستر ہوا ہے۔

ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ جوزا ستارہ ثریا ستارہ سے آگے بڑھ گیا ہے، اس نے یہ خواب ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ حضرت حسن بصری کا انتقال پہلے ہوگا پھر اس کے بعد میری وفات ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت حسن بصری کی وفات کے دس روز بعد ابن سیرین بھی دار آخرت کو کوچ کر گئے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن سیرین کے اس طرح کے عجیب وغریب قصے بہت ہیں وکان له فی ذلك تائید الٰهی یعنی اس بارے میں ابن سیرین کو تائید الٰہی حاصل تھی۔

اللہ نے ابن سیرین کا عبادت وتقویٰ میں بھی بڑا اونچا مقام دیا تھا۔ ایک دفعہ ایک مال تجارت سے ان کو اسی ہزار کا نفع ہوا، مگر ان کو اس میں کچھ شبہ نظر آیا، تو انھوں نے یہ سارا مال صدقہ کر دیا۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس مال میں سود کا ذرا سا بھی شبہ نہیں تھا، مگر ابن سیرین کی طبیعت کھٹک گئی تھی بس اتنی بڑی رقم کی پرواہ نہیں کی۔

جب یہ بازار میں چلا کرتے تھے تو ان کو دیکھ ہی کر کے لوگوں کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو جاتا، زہیر اقطع کہتے ہیں کہ ابن سیرین کے سامنے جب موت کا ذکر ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ایک ایک عضو سے جان نکل گئی ہے۔

سفیان ثوری کہتے تھے کہ کوفہ اور بصرہ میں ان سے زیادہ زہد وورع والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ ایوب سختیانی سے مروی ہے کہ ابن سیرین ایک روز ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے۔

اس زہد وورع کے باوجود حسن اخلاق سے اس طرح مزین تھے کہ لوگوں سے ہنس کر بات کرتے، اور ان سے مزاح بھی کرتے۔

جود وسخاوت کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ ایک آدمی کو مکاتبت کے مال میں ادائیگی کیلئے چالیس ہزار کی ضرورت پڑی تو ابن سیرین نے اسکو اپنی طرف سے ادا کر دیا۔

ابن سیرین کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۶۲۳ ج ۴)

سری بن المغلس السقطی

ابوالحسن السری بن المغلس السقطی مشہور زاہد و عابد بزرگ شخصیت ہیں۔ امام ذہبی نے ان کو الامام، القدوۃ اور شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ۱۶۰ھ کے قریب بغداد میں پیدا ہوئے، فضیل بن عیاض، ہشیم بن بشیر، ابوبکر بن عیاش، علی بن غراب، یزید بن ہارون وغیرہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

ان کے شاگردوں میں جنید بن محمد، نوری ابوالحسین ابوالعباس بن مسروق اور ابراہیم بن ابراہیم الحربی وغیرہ اکابر کا نام لیا جاتا ہے، ان کی زندگی کے زیادہ تر ایام عبادت گذاری میں گذرے، معروف کرخی رحمہ اللہ کے اجل اصحاب میں سے ان کا شمار ہوتا ہے، عبادت و ریاضت کا ذوق و شوق شروع ہی سے تھا، حضرت معروف کرخی کی صحبت نے اس کو دوآتشہ بنا دیا تھا۔

فرغانی کہتے ہیں کہ میں حضرت جنید کو کہتے سنا کہ میں نے اللہ کی عبادت کرنے والا سری سے زیادہ کسی کو نہیں پایا، اٹھانوے سال کی عمر ہوگئی تھی مگر انکو کبھی پہلو زمین پر رکھ کر سوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، ہاں بیماری کی حالت میں انکو لیٹا ہوا دیکھا گیا۔

عبداللہ بن شاکر کہتے ہیں کہ سری نے بتلایا کہ ایک روز میں نے اپنی رات کی نماز پوری کرکے اپنا پاؤں پھیلا کر مسجد کے محراب میں لیٹ گیا تو ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے سری کیا بادشاہوں کی مجلس میں اس طرح پاؤں پھیلاتے ہو؟ تو میں نے فوراً پاؤں سمیٹ لیا اور کہا تیری عزت کی قسم اب میں کبھی نہیں پھیلاؤں گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی دکان کے سامنے سے کوئی باندی گذری جس کے ہاتھ میں کوئی برتن تھا وہ اس کے ہاتھ سے گر گیا تو سری نے اپنی دکان سے اس کو ایک برتن دے دیا، اس عمل کو ان کے شیخ معروف کرخی نے دیکھا تو ان کے لئے دعا کی بغض اللہ

الیك الدنیا، یعنی اللہ تمہارے لئے دنیا کو مبغوض بنادے، سری فرماتے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں جو میرا حال ہے یہ سب اسی دعا کی برکت ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے سری سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے منہ کوئی ایسا لقمہ جائے جس کی پوچھ اللہ کے یہاں نہ ہو، اور کسی مخلوق کا احسان نہ ہو تو مجھے غذا کا کوئی ایک لقمہ ایسا نہیں ملتا۔

حضرت جنید ہی فرماتے ہیں کہ میں حضرت سری کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا جب آپ کی وفات کا وقت قریب تھا، میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے تو فرمایا۔ لاتصحب الاشرار ولاتشتغلن عن اللہ بمجالسۃ الابرار۔ یعنی بُرے لوگوں کی صحبت مت اختیار کرو، اور اچھوں کی صحبت تم کو اللہ سے غافل نہ کرے۔

سری سقطی کو امام الحقائق کہا جاتا تھا، اور لکھا ہے کہ وہ حقائق و معرفت کے بیان کرنے میں امام البغدادیین میں تھے۔

ان کی وفات رمضان کے مہینہ ۲۵۳ھ یا ۲۵۱ھ یا ۲۵۷ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء، ج۹ص ۵۴۲)

النجاد المحدث

ابوبکر احمد بن سلمان بن الحسن بن اسرائیل بغدادی "نجاد" کے لقب سے معروف تھے، امام محدث، فقیہ اور مفتی وقت تھے، فضل و کمال میں یکتائے وقت تھے، اپنے زمانہ میں شیخ عراق کہے جاتے تھے۔

۲۵۳ھ میں بغداد ہی میں پیدا ہوئے، امام ابوداؤد کے پاس سفر کرکے گئے اور ان سے حدیث سنی، کہا جاتا ہے کہ امام ابوداؤد کے یہ آخری شاگرد تھے، امام ابوداؤد کے علاوہ احمد بن ملاعب، یحییٰ بن ابی طالب، حسن بن مکرم، ہلال بن علاء، یزید بن جہور،

ابن ابی الدنیا، محمد بن اسماعیل ترمذی اور ان کے علاوہ بہت سے شیوخ حدیث کی شاگردی اختیار کی۔

ان کے ممتاز شاگردوں میں سے چند یہ ہیں۔ ابوبکر قطیعی، ابوبکر عبدالعزیز الفقیہ ابن شاہین دارقطنی، ابن مندہ، ابوبکر بن مردویہ وغیرہ۔

خطیب کا بیان ہے کہ کان النجاد صدوقاً عارفاً صنف السنن وکان له بجامع المنصور حلقة قبل الجمعة للفتویٰ وحلقة بعد الجمعة للاملاء۔

یعنی نجاد بہت زیادہ سچے، حدیث کے جانکار تھے، حدیث میں ایک کتاب سنن کے نام سے تالیف کی تھی، جامع منصور میں جمعہ کے روز ان کے دو حلقے لگتے تھے جمعہ سے پہلے ایک حلقہ فتویٰ دینے کے لئے اور جمعہ کے بعد ایک حلقہ حدیث املاء کرانے کے لئے۔

نجاد ایک طرف علمی بلند مقام کے حامل تھے تو دوسری طرف زہد و عبادت میں بھی ممتاز تھے اور صدقہ وخیرات کرنے میں بھی حاتم وقت تھے۔

ابواسحٰق طبری کا بیان ہے کہ کان النجاد یصوم الدهر ویفطر کل لیلة علی رغیف فلیترك منه لقمة فاذا کان لیلة الجمعة تصدق برغیفة واکتفیٰ بتلك اللقم۔

یعنی نجاد ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور روزانہ صرف ایک روٹی سے افطار کرتے تھے، اس میں سے بھی ایک لقمہ کی مقدار الگ کر دیا کرتے تھے، جب شب جمعہ آتی تو اپنی ایک روٹی کو فقراء پر صدقہ کر دیا کرتے تھے، اور خود صرف ان چند ٹکڑوں پر اکتفا کرتے تھے جو ہر روز روٹی کا ان کے پاس جمع رہتا۔

نجاد آخر عمر میں اندھے ہو گئے تھے۔ ۳۴۸ھ میں انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ ص ۸۳)

ابن المزکیؒ

اپنے وقت کے امام اور مقتدیٰ اور ربانی علماء میں سے تھے۔ ابو حامد لقب تھا، احمد نام تھا، شہر نیشاپور کے رہنے والے تھے، والد کا نام شیخ مزکی ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد تھا۔ ۳۲۰ھ ہجری کے قریب پیدا ہوئے۔

خطیب کہتے ہیں کہ یہ عبادت میں معروف تھے، بڑے صاحب تقویٰ عالم تھے امام حاکم کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ بغداد اور مکہ کے سفر میں تھا، میں سمجھتا ہوں کہ فرشتوں نے ان کا کوئی گناہ نہیں لکھا ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ، کان عابداً مجتهداً صام الدهر بنقاد عشرین سنة یعنی یہ بڑے عبادت گذار تھے، تقریباً بیس سال تک مسلسل روزہ رکھا۔

شعبان ۳۸۰ھ ہجری میں انتقال ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ ص ۴۴۴)

بقیہ ص ۶۴ کا :-

اوران کے گوشت سے مہمانوں اور غیر مہمانوں کی تواضع کی جاتی، طرح طرح کے کھانے پکتے وعظ کیلئے مجلسیں جمائی جاتی، ابن دحیہ نامی ایک آدمی نے میلاد نامہ لکھا اور اس کو اسی بادشاہ کے نام سے منسوب کیا تو اس نے لکھنے والے کو ایک ہزار دینار انعام دیا۔

میلاد پر یہ بادشاہ کتنا خرچ کرتا تھا تو سبط ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ سالانہ تین لاکھ دینار میلاد پر خرچ کرتا تھا، اور صوفیوں کی خانقاہ پر دولاکھ اور مہمانوں کے قیام پر ایک لاکھ دینار، ایک صاحب سبط ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ وہ میلاد کے روز اسکے دسترخوان پر موجود تھے تو اس دسترخوان پر ایک سو گھوڑے کا گوشت اور پانچ ہزار بکریوں کا گوشت اور دس ہزار مرغیاں اور ایک لاکھ پلیٹ اور تیس ہزار حلوے کا برتن تھا۔

اس کا انتقال ۸۲ سال کی عمر میں ۶۳۰ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۱۶ ص ۲۴۵)

محمد ۱ جمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیے

صلوٰۃ الرسول کتاب اور اس کے بارے میں دو محققین کا اظہار خیال

(۲۲) مؤلف کتاب نے اذان کے باب میں ایک حدیث یہ نقل کی ہے کہ حضورؐ نے حضرت بلال کو فرمایا، جب اذان کہے تو ٹھہر ٹھہر کر اور جب اقامت کہے تو جلدی جلدی کہے، اور حوالہ دیا ہے بلوغ المرام کا، اس پر پاکستانی محقق کہتا ہے، کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے، مؤلف نے اس حدیث کو بلوغ المرام سے نقل کیا ہے، حافظ صاحب نے بلوغ المرام میں صراحۃً کہا ہے کہ ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (ص ۱۹۳)

مگر ہندوستانی محقق نے مؤلف کی اس تلبیس کو چھپا لیا ہے، اور صرف یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ (ص ۹۲)

آپ اندازہ لگائیں کہ سخت ضعیف حدیث صحیح باور کرانے کا عمل مؤلفِ صلوٰۃ الرسول کی کتنی بڑی تلبیس ہے، مؤلف کہیں بھی ضعیف حدیث کا نام نہیں لیتا تاکہ لوگ سمجھیں کہ غیر مقلدین صرف صحیح حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث کا ہوا کھڑا کرنا کہ یہ لائق احتجاج نہیں ہوتی ہیں بالکل غلط سوچ ہے، خود غیر مقلدین کا عمل بتلاتا ہے کہ یہ سوچ غلط ہے، دونوں محققین احادیث کا ضعف تو ظاہر کرتے ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ مؤلف کا استدلال ان سے غلط ہے۔

(۲۳) مصنف نے بلوغ المرام سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ اذان وضو والا کہے ، مگر اس کو ضعیف نہیں کہا ہے جبکہ حافظ ابن حجر نے اس کی تضعیف کی ہے

پاکستانی محقق لکھتا ہے :

" مؤلف نے اس کو بلوغ المرام سے نقل کیا ہے ، حافظ صاحب نے روایت ذکر کرنے کے بعد اس کی تضعیف بھی کر دی ہے " ص ۱۹۴

ہندوستانی محقق حافظ صاحب کی اس حرکت پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا صرف کہتا ہے کہ :

" ترمذی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے " ص ۹۲

(۲۴) مؤلف نے اذان کے طریقہ کے بیان میں ایک روایت ذکر کی ہے اور حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے ، اور یہ کہا ہے حدیث میں ہے - ولا یستدر (یعنی مؤذن گھومے نہیں ، جبکہ نہ اس لفظ کا نام ونشان بخاری میں ہے نہ مسلم میں ، دونوں محققین نے مؤلف کی اس غلطی کو پکڑا ہے -

اس سے معلوم ہوا کہ صادق صاحب اصل کتاب دیکھا نہیں کرتے تھے ، ادھر ادھر سے حدیثیں نقل کر کے حوالہ اصل کتاب کا دے دیا کرتے تھے -

(۲۵) مؤلف نے اذان میں ترجیع کے بیان میں ایک روایت ذکر کی ہے جس میں کلمہ اللہ اکبر کا ذکر شروع میں چار مرتبہ ہے ، اور حوالہ دیا ہے مسلم شریف کا - اس پر گرفت کرتے ہوئے دونوں محققین کہتے ہیں -

" مؤلف کے یہاں روایت جس سیاق سے ہے یہ ابوداؤد کا سیاق ہے ، دوسری بات مسلم میں کلمہ اللہ اکبر دو مرتبہ ہے چار مرتبہ نہیں ، دیکھو پاکستانی ایڈیشن ص ۱۹۵ اور ہندوستانی ایڈیشن ص ۹۳

یعنی مؤلف نے ابوداؤد کی حدیث کو مسلم شریف کی حدیث بنا دیا اور چونکہ خود مسلم شریف دیکھنے کی مؤلف کو توفیق نہیں تھی اسلئے مسلم کا نام لے کر اس کی حدیث کے الفاظ بھی صحیح نقل نہیں کئے ، یہ ہے صادق صاحب کے علم کا معیار -

(۲۶) اذان کے فضائل کے تحت مؤلف نے ایک عنوان قائم کیا ہے " اذن سے

بہشت ۔ اس میں ترمذی اور ابن ماجہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے بارے میں پاکستانی محقق لکھتا ہے ۔

"یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے ۔ اور ہندوستانی اس کو صرف ضعیف بتلاتا ہے ۔ ص ۹۳

(۲۷) مؤلف نے نسائی شریف سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤذن کا ثواب اس آدمی کے مانند ہے جس نے اذان سن کر نماز پڑھی ۔

یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نہیں بلکہ یہ حدیث براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ، دیکھو پاکستانی ایڈیشن ص ۱۹۶

مصنف نے اس کو نقل تو کیا ہے مشکوٰۃ سے اور بغیر نسائی شریف کا مراجعہ کئے ہوئے حوالہ نسائی کا دے دیا ہے، تاکہ لوگ سمجھیں کہ مؤلف کی پہونچ مشکوٰۃ اور بلوغ المرام سے آگے تک بھی ہے ۔

(۲۸) مؤلف نے تکبیر کے جواب کے عنوان کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اس کے بارے میں پاکستانی محقق کہتا ہے کہ ۔ نہایت ضعیف روایت ہے ۔ ص ۱۹۸ جب کہ ہندوستانی محقق اس کو صرف ضعیف کہتا ہے ۔ ص ۱۹۵

(۲۹) مؤلف نے بلند آواز والے مؤذن مقرر کرنے کے بارے میں ابوداؤد سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ مؤذن وہ مقرر کرنا چاہئے جو بلند آواز والا ہو اور اذان بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہنا چاہئے ۔ اس پر پاکستانی محقق تبصرہ کرتا ہے ۔

۔ یہ دو مختلف احادیث ہیں جنھیں مؤلف نے ایک کر دیا ہے ۔ ص ۲۰۵

یہی بات ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے ، افسوس کہ ان دونوں محققین میں سے کسی نے نہیں کہا کہ یہ حرکت نہایت جاہلانہ ہے ، یہاں بھی بات وہی ہے کہ مؤلف نے ابوداؤد کا مراجعہ کئے بغیر حدیث کہیں اور سے نقل کر کے ابوداؤد کا حوالہ دے دیا ہے ۔

(۳۰) حکیم صادق سیالکوٹی نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی حدیث صحیح ابن خزیمہ سے نقل کی ہے کہ وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ پر باندھا۔

پاکستانی محقق لکھتا ہے۔ یہ سند ضعیف ہے (کیونکہ اس کا راوی) مومل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے، ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے، امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا کہ حافظ و عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے ص۲۲۹

مگر ہندوستانی محقق اس حدیث کو صحیح کہتا ہے، اور اس حدیث کی سند پر کوئی کلام نہیں کرتا وہ لکھتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے : ص۱۱۱

(۳۱) سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ایک روایت ابن ابی حاتم اور بیہقی سے مصنف کتاب نے نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینہ پر باندھ۔

پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

اس کی سند میں روح بن مسیب ہے، ابن عدی فرماتے ہیں یہ ثابت اور یزید رقاشی سے غیر محفوظ احادیث بیان کرتا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ موضوع روایت بیان کرتا ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں۔ (ص۲۳۱)

مگر حکیم صاحب اس موضوع اور من گھڑت روایت کو صحیح حدیث بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس سے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت کر رہے ہیں۔

ہندوستانی محقق صرف ضعیف کہتا ہے اور اس کی سند کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، بلکہ اس کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے درپے ہے، (ص۱۱۶)

(۳۲) مؤلف ثنا میں سبحانک اللہم و بحمدک کی دعا مسلم شریف سے

سند منقطع سے ذکر کی ہے۔

اس کے بارے میں پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف نے مذکورہ دعا ذکر کرنے کے بعد مسلم کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے، مؤلف نے یہاں دو غلطیاں کی ہیں۔ ۱۔ مسلم شریف میں یہ حضرت عمر پر موقوف ہے، مرفوع روایت نہیں مگر مؤلف کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ مرفوع روایت ہے۔

۲۔ مؤلف نے مذکورہ روایت کو بلوغ المرام سے نقل کیا ہے اور صاحب حافظ صاحب نے صراحت کر دی ہے کہ یہ اثر دار قطنی میں موصولاً موجود ہے، لہذا مؤلف کا موصول کو چھوڑ کر منقطع ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔" ص ۲۳۵

اور ہندوستانی محقق اس طرح کی کوئی بات نہیں کہتا کہ مؤلف کی خیانت پر پردہ پڑا رہے حدیث تو نقل کریں مؤلف صاحب بلوغ المرام سے اور حوالہ دیں مسلم شریف کا، یہ ہے مؤلف کی امانت داری۔

(۳۳) مؤلف نے الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں لکھا ہے کہ بسم اللہ کو جہراً و سراً دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے:

"قوی اور راجح مذہب کے مطابق بسم اللہ سراً ہی پڑھنی چاہیے" ص ۲۳۶

اور ہندوستانی محقق بالکل خاموش ہے، کچھ نہیں کہتا کہ بسم اللہ پڑھنا سراً افضل ہے یا جہراً۔

(۳۴) آمین کے سلسلہ میں مؤلف نے حضرت علی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھ کر آمین کہنا میں نے سنا۔

پاکستانی محقق کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور اس کے ضعف کی تفصیل کے ساتھ وجہ بتلائی ہے۔ ص ۲۳۹

اور لقمان سلفی صاحب اسی حدیث کو صحیح بتلاتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں جو راوی ابن ابی لیلی ہے اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے، ثعلب کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر سیئ الحفظ

میں نے کسی کو نہیں دیکھا، نیز حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے، ابن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں اپنے والد سے سوال کیا تو وہ فرمانے لگے میرے نزدیک یہ حدیث خطا ہے، ان سب باتوں کو پاکستانی محقق نے ذکر کیا ہے، اور اس حدیث کو ضعیف بتلایا ہے۔

(۳۵) حکیم صادق نے آمین کے سلسلہ میں ایک روایت ابن ام الحصین کی بھی طبرانی اور الفاظ سے نقل کی ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، انھوں نے آپ کی آمین کو سنا اور وہ عورتوں کی صف میں تھیں۔

پاکستانی محقق کہتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ص ۲۴۰

مگر ہندوستانی محقق کہتا ہے کہ سند چاہے ضعیف ہے مگر حدیث کا متن بہرحال صحیح ہے، متن کیوں صحیح ہے اس کے لئے وجہ اس نے نہیں بتلائی ص ۱۲۱

(۳۶) آمین کے بارے میں مصنف نے ایک حدیث ذکر کی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کی سند میں ایک راوی طلحہ بن عمرو ہے جو ضعیف راوی ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے، مگر اس کے باوجود دونوں محققین کے نزدیک حدیث کراماتی طور پر صحیح ہو گئی ہے۔

(۳۷) قرأت خلف الامام کے بارے میں مؤلف نے ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

ان رسول اللہ قال من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے پس چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھے۔

اس پر پاکستانی محقق کہتا ہے۔

"مجمع الزوائد میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے

من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب، پھر کہتا ہے کہ اگر یہ روایت انھیں الفاظ کے ساتھ صحیح ہے تو اس سے وجوب قرأت پر دلیل لانا صحیح نہیں ہے۔ اور

ہندوستانی محقق نے اس کو سخت ضعیف بتلایا ہے۔ (ص ۱۲۶) اور اس سخت ضعیف حدیث کو مؤلف کہتا ہے کہ اس کے سب روات ثقہ ہیں اور حوالہ دیتا ہے مجمع الزوائد کا، اس پر پاکستانی محقق گرفت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق بھی مجمع الزوائد میں رجالہ ثقات یعنی اس کے سب راوی ثقہ ہیں، مذکور ہے مگر مجمع الزوائد میں رجالہ ثقات نہیں بلکہ رجالہ موثقون ہے یعنی اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ ثقات اور موثقون میں جو فرق ہے وہ واضح ہے، ص ۳۴۷

غیر مقلدین اپنے کرتبوں سے کس طرح ضعیف حدیث کو صحیح بناتے ہیں اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۳۸) مؤلف آمین کے بارے میں لکھتا ہے کہ آمین کہہ کر تھوڑی دیر ٹھہریں، اور حوالہ دیا ہے ترمذی کا، ہندوستانی محقق کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور پاکستانی محقق کہتا ہے کہ:

"الحاصل حدیث سمرہ سے فاتحہ کے بعد سکتہ کی مشروعیت پر دلیل لینا مناسب نہیں ہے کیونکہ اکثر رواۃ نے یہ سکتہ سب قرأت سے فراغت کے بعد ذکر کیا ہے، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے" ص ۲۴۹

(۳۹) مؤلف نے نماز میں قرأت کے سلسلہ کی مؤطا امام مالک سے ایک حدیث ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہر سورہ پڑھی ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔ پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

ضعیف حدیث ہے، اس کی سند میں محمد بن اسحٰق مدلس ہے اور انھوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی ہے۔

اور ہندوستانی محقق لکھتا ہے "ضعیف ہے اور پھر لکھتا ہے یہ حدیث مؤطا میں نہیں بلکہ ابوداؤد میں ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ کی تقلید میں مؤلف رحمہ اللہ سے یہ سہو ہو گیا ہے

اوراس بات کو پاکستانی محقق بھی کہتا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ صادق صاحب کا مبلغ علم مشکوٰۃ اور بلوغ المرام سے آگے کا نہیں ہے، مگر یہ ایسے حیادار صلوٰۃ الرسول والے ہیں کہ حدیث نقل کریں گے کہیں سے اور حوالہ دیں گے کہیں کا، یہ کیوں ؟ تاکہ معلوم ہو کہ ہم بڑے پایہ کے عالم ہیں ۔

(۴۰) مصنف نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز مغرب کی نماز میں قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے ۔

پاکستانی اور ہندوستانی دونوں محققین نے اس حدیث کو سخت ضعیف کہا ہے دیکھو ہندوستانی نسخہ صـ۱۳۰ و پاکستانی صـ۱۸۱ پاکستانی محقق مولف کی جہالت کو آشکارا کرتے ہوئے لکھتا ہے ۔

مولف نے اس حدیث کو شرح السنہ کی طرف منسوب کیا ہے، مگر اسے شرح السنہ کی طرف منسوب کرنا وہم ہے کیونکہ بغوی نے اسے باسند روایت نہیں کیا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ "جابر بن سمرہ سے مروی ہے" صـ۲۵۲

ہندوستانی محقق مصنف کی اس جہالت پر خاموش ہے۔

(۴۱) مولف نے جہری قرأت کے بیان میں مسلم شریف سے ایک روایت "عمرو بن حرث ... سے نقل کی ہے ۔ پاکستانی محقق کہتا ہے کہ صحیح نہیں ہے، صحیح عمرو بن حریث ہے ۔ صـ۱۸۲

اور ہندوستانی محقق نے عمرو بن حرث کو عمرو ابن حریث بنا کر مصنف کی جہالت پر پردہ ڈال دیا ہے ۔ (صـ۱۳۲)

(۴۲) مصنف نے عصر کی اور ظہر کی نماز کے بیان میں حضرت جابر بن سمرہ سے یہ روایت نقل کی ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ظہر میں واللیل اذا یغشی اور ایک روایت میں ہے کہ سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھتے تھے اور عصر میں بھی مانند اس کے اور حوالہ دیا ہے مسلم شریف کا ۔

اس پر گرفت کرتے ہوئے پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

اس روایت میں عصر کا ذکر نہیں ہے مگر مؤلف کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ اس روایت میں بھی عصر کا ذکر ہے جب کہ ایسا نہیں ہے، اصل میں یہ اسلوب صاحب مشکوٰۃ کا ہے۔ (ص ۲۵۵)

یعنی مصنف نے حدیث تو نقل کی ہے مشکوٰۃ سے اور حوالہ دیا مسلم شریف کا اور جو غلطی صاحب مشکوٰۃ نے کی مصنف بھی ان کی تقلید میں گرفتار ہو گئے۔

مصنف نے مشکوٰۃ سے حدیث نقل کر کے بخاری و مسلم و دیگر کتابوں کا حوالہ کیوں دیتے ہیں؟ تو بتلا چکا ہوں کہ یہ اس لئے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ " ہم بڑے پہونچے ہوئے لوگ ہیں" اور ہمارا علمی افق بڑا وسیع ہے۔

(۴۳) مؤلف نے " ان آیات کا جواب دینے چاہئے کے عنوان کے تحت " چار احادیث ذکر کی ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث میں جن آیات کا ذکر آیا ہے اس کا مقتدی کو جواب دینا چاہئے، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

واضح رہے کہ ان احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لینا صحیح نہیں ہے کہ جب امام ان چند مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی سب ان کا جواب دیں، اور اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ پھر محقق نے تفصیل سے ہر حدیث کا جواب دیکر بتلایا ہے کہ مؤلف کا ان احادیث سے اس مسئلہ پر استدلال درست نہیں ہے ص ۲۵۹

ہندوستانی محقق بھی ان پاکستانی محقق کی تائید کرتا ہے وہ لکھتا ہے:

" مذکورہ احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لانا کہ جب امام مذکورہ آیات کی تلاوت کرے تو اسے اور اس کے ساتھ مقتدیوں کو بھی ان کا جواب دینا چاہئے صحیح نہیں، کیونکہ اولاً تو ان میں سے بعض روایات صحیح نہیں ہیں، اور جو صحیح ہیں ان میں مقتدیوں کے جواب کی کوئی صراحت نہیں، بلکہ بعض کے سیاق و سباق

سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ خارج نماز کی بات ہے۔ ص۱۲۵

یعنی مؤلف کو اتنا بھی پتہ نہیں چل پایا کہ ان احادیث میں کس کا تعلق نماز سے ہے اور کس کا نماز سے نہیں ہے۔ اور حوصلہ ہے کہ وہ لوگوں کو رسول اللہ کی نماز سکھلائیں گے۔ جی ہاں آج کے اہلحدیث پہلوان ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ٹی بی کے مریض ہونے کے باوجود کشتی کا دنگل لڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

(۳۴) مؤلف نے رکوع میں دعا پڑھنے کے سلسلہ میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع میں کہتے تھے۔ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ۔ اور حوالہ دیا ہے بخاری شریف اور مسلم شریف کا اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" مؤلف نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ بخاری و مسلم میں میں نہیں ہے۔ ہندوستانی محقق بھی پاکستانی محقق کی تائید کرتا ہے۔

مگر مؤلف نے یہ حرکت کیوں کی، اور جو حدیث بخاری و مسلم کی نہیں ہے اس کو بخاری و مسلم کی طرف کیوں منسوب کیا؟ تاکہ معلوم ہو کہ ہم حدیث کے بڑے پہلوانوں میں سے ہیں، اور بخاری و مسلم کی حدیثوں پر ہماری نگاہ ہے۔

مؤلف نے نماز میں چوری کے سلسلہ کی ایک روایت مؤطا اور دارمی کا نام لے کر نقل کی ہے، جب کہ پاکستانی محقق کہتا ہے، مؤلف نے اس روایت کو مشکوٰۃ سے نقل کیا ہے، اور صاحب مشکوٰۃ نے کہا ہے کہ یہ روایت دارمی کی نہیں ہے بلکہ اس میں اسی سے ملتی جلتی روایت ہے ص۲۲۶

ہندوستانی مؤلف کی اس خیانت اور اس جہالت پر خاموش ہے، کیسا غضب ہے کہ مؤلف بار بار حدیثیں تو نقل کرتا ہے مشکوٰۃ سے اور حوالہ دیتا ہے اصل کتاب کا گویا کہ اس نے اصل کتاب دیکھی ہے، اور مشکوٰۃ سے نقل کرنے میں بھی بسا اوقات غلطی کرتا ہے جیسے یہاں ناظرین نے دیکھا کہ صاحب مشکوٰۃ تو کہتے ہیں " روی الدارمی نحوہ " یعنی یہ حدیث

نہیں، اسی حدیث کے مثل دارمی نے نقل کیا ہے، اور یہ صاحب جو پکے اہلحدیث ہیں اور رسول اللہ کی نماز سکھلانے جا رہے ہیں، اس مؤطا والی حدیث ہی کو دارمی کی طرف منسوب کر دیا۔

(۴۵) مصنف نے رفع یدین کے سلسلہ کی ایک روایت حافظ ابن حجر کی کتاب التلخیص الحبیر سے نقل کی ہے، جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رفع یدین اللہ تعالیٰ سے ملنے دم تک کرتے رہے۔ اس پر دونوں محققین کہتے ہیں کہ یہ اضافہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخیر زمانہ حیات تک رفع یدین کرتے رہے، انتہائی ضعیف ہے۔ پاکستانی محقق تو صرف اس حدیث کا سخت ضعیف بتلا کر خاموش ہو جاتا ہے جب کہ ہندوستانی محقق اپنی بات میں پیوند لگاتے ہوئے کہتا ہے، مگر دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ نے آخری عمر تک رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھی۔ ص ۱۴۶

مگر اس عقلمند کی عقلمندی یہ ہے کہ نام تو لیتا ہے دلائل کا یعنی اس کے پاس بہت سے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات تک رفع یدین سے نماز پڑھی مگر ذکر ایک دلیل بھی نہیں کرتا، ہوا میں تیر چلاتا ہے، ہمارا چیلنج ہے کہ غیر مقلدین کا بڑے سے بڑا علامہ بھی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر زمانہ تک رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔

(۴۶) مؤلف کتاب زاد المعاد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا وفات رفع یدین کرتے تھے، اور اس حدیث کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہ سخت ضعیف روایت ہے زاد المعاد میں یہ حدیث نہیں ہے بلکہ یہ ابن قیم کا اپنا قول ہے، پاکستانی محقق حکیم صادق صاحب کی اس تلبیس پر خفا ہوتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مؤلف کا یہاں حوالہ دینے کا انداز قطعاً صحیح نہیں ہے زاد المعاد میں ابن قیم کا اپنا کلام ہے مگر مؤلف کے انداز سے قاری یہی سمجھے گا کہ زاد المعاد میں حدیث مذکور ہے۔ ص ۲۶۹

اور ہندوستانی محقق مؤلف کی اس تلبیس پر خاموش ہے کوئی تنبیہ نہیں کرتا۔

(۴۷) مؤلف اپنی کتاب میں (تشہد میں) "انگلی اٹھانے کی کیفیت" کا عنوان

قائم کیا ہے، اس کے تحت لکھا ہے کہ۔ جب ہم احادیث صحیحہ پر غور کرتے ہیں تو کسی حدیث
لا، یا الا اللہ کے وقت اشارہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

جب اس کی کچھ اصلیت نہ تھی تو حدیث نمبر ۳۸۱ کی تشریح میں جو یہ کہہ آئے ہیں کہ اشھد کہتے ہی انگلی اٹھائیں اور الا اللہ ختم کر کے گرا دیں، اس کی کیا ضرورت تھی، ص ۳۰۵

ہندوستانی محقق نے بھی یہ بات لکھی ہے۔

(۴۸) مؤلف نے مشکوٰۃ کے حوالہ سے ابوداؤد اور دارمی کے حوالہ سے تشہد میں انگلی کے حرکت دیتے رہنے کی حدیث ذکر کی ہے، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

یہ نسائی، دارمی وغیرہ میں ہے ابوداؤد میں نہیں ہے ص ۱

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب کتاب کی پہونچ مشکوٰۃ سے آگے کی نہیں کہ ان کو یہ پتہ چل سکے کہ جس کا مشکوٰۃ میں حوالہ دیا جاتا ہے وہ حدیث ان کتابوں میں ہے بھی یا نہیں!

ضروری اعلان

ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اس شمارہ کے بعد ان تمام لوگوں کے نام زمزم بھیجنا بند کر دیا جائے گا جن کا چندہ دو سال کا باقی ہے۔ (جلد ۹ و جلد ۱۰)

جلد ۱۱ کے خریداروں سے گذارش ہے کہ وہ جلد ۱۲ کا چندہ روانہ کر دیں۔

(ادارہ)

حالات وواقعات

بھیڑیا نے اسلام کی دعوت دی

حضرت رافع بن عمیرہ ایک صحابی ہیں، جب وہ کفر کی حالت میں تھے تو ان کا مشغلہ چوری کرنا تھا یعنی چور تھے، انکے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ جنگل میں تھے کہ ایک بھیڑیا آیا اور اسلانے ان سے انسانوں کی طرح بات کی اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ، چنانچہ حضرت رافع بن عمیرہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

اسلام لانے کے بعد انھوں نے اس واقعہ کا ذکر اپنے ان اشعار میں کیا۔

رعیت الضأن احمیہا بکلبی   من اللصت الخفی وکل ذئب

میں بکریاں چرا رہا تھا اور اسکی حفاظت چور اور بھیڑئیے سے کر رہا تھا

فلما ان سمعت الذئب نادی   یبشرنی باحمد من قریب

تو میں نے بھیڑئیے کو سنا کہ اس نے آواز لگائی اور وہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری دے رہا تھا۔

سعیت الیہ قد شمرت ثوبی   علی الساقین قاصرۃ الرکیب

تو میں جلدی سے آپ کے پاس پہونچا۔

فالفیت النبی یقول قولا   صدوقا لیس بالقول الکذوب

تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی بات کہتے ہوئے پایا

فبشرنی بدین الحق حتی   تبینت الشریعۃ للمتیب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دین حق کی خوشخبری سنائی تا آنکہ اللہ کی طرف مائل شخص کے لئے شریعت واضح ہوگئی۔

وابصرت الضیا یضیئ حولی   امامی ان سعیت ومن جنوبی

بقیہ ص۹۳ پر

خامہ شیرازی

محمد اجمل مفتاحی

خمارِ سلفیت

شیخ جمن حفظ اللہ کی دعوتِ عقیقہ فلاپ، عقیقہ میں گھوڑا ذبح کیا تھا

بیٹا ۔ اباجی
باپ ۔ جی بیٹا ۔
بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن حفظ اللہ تعالیٰ نے کل دعوت عقیقہ کا اہتمام کیا تھا ۔
باپ ۔ جی بیٹا، بڑی آرزوؤں وتمناؤں کے بعد گزشتہ ہفتہ ان کی سولھویں بیوی کے بطن سے سترہ سال کے بعد پہلا بچہ پیدا ہوا، ولادت کے روز ہی وہ مجھے اس کی خوشخبری دے گئے تھے، اور کہا تھا کہ وہ اس کا شاندار عقیقہ کریں گے ۔
بیٹا ۔ اباجی، اسلام میں تو ایک ساتھ صرف چار بیوی رکھنے کی اجازت ہے، شیخ جمن حفظ اللہ کے گھر میں ایک ساتھ سولہ بیویاں ۔

باپ ۔ بیٹا اس بارے میں ان کا مذہب نواب بھوپالی والا ہے ان کے مذہب میں چار بیویوں کی قید نہیں ہے، خیر تم اپنی بات کہو، شیخ جمن حفظ اللہ کے عقیقہ کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے ؟
بیٹا ۔ جی اباجی ۔ انھوں نے دعوتِ عقیقہ میں شہر کے معزز لوگوں کو بطور خاص بلایا تھا شیخ خیرو حفظ اللہ، شیخ للو حفظ اللہ، شیخ بجو حفظ اللہ، علامہ بکرانی پی ایچ ڈی

طہرانی، رُشدا چیرمین وغیرہ معززین آئے تھے مگر کسی نے کھانا نہیں کھایا، سب واپس چلے گئے۔

باپ ۔ کیوں بیٹا، کیا واقعہ رونما ہوا؟

بیٹا ۔ اباجی ۔ جب دسترخوان چن دیا گیا اور گوشت کا ڈونگا رکھا گیا تو کسی نے کسی مہمان کے کان میں کہہ دیا کہ ڈٹ کر کے کھانا گوشت گھوڑے کا ہے، اس مہمان نے اپنے بغل والے سے کہا اس نے اپنے بغل والے سے کہا اس طرح سارے مہمانوں کے کانوں تک یہ بات پہونچ گئی کہ عقیقہ میں گھوڑا ذبح کیا گیا ہے، سارے مہمانوں نے اپنا ہاتھ کھانے سے کھینچ لیا۔

باپ ۔ پھر کیا ہوا بیٹا؟

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ کا حال خراب تھا دوڑے بھاگے گئے اور مولوی محمد دہلوی کی کتاب شمع محمدی لاکر لوگوں دکھلا رہے تھے کہ دیکھو اس کتاب میں حدیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ گھوڑے کا گوشت جائز ہے، حنفیوں نے اسے قیاس سے مکروہ کر رکھا ہے حنفیوں نے جس سنت کو مردہ کیا تھا عقیقہ میں گھوڑا ذبح کر کے اس مردہ سنت کو میں نے زندہ کیا ہے، مگر کوئی ان کی سنتا نہیں تھا، سب ایک ایک کر کے واپس چلے گئے۔

باپ ۔ بیٹا، تب تو شیخ جمن حفظہ اللہ کی بڑی سبکی ہوئی؟

بیٹا ۔ شیخ جمن کی سبکی ہوئی یا نہیں مگر ان کی بیوی نے شیخ جمن کو اور شمع محمدی والے محمد جونا گڈھی کو خوب خوب سنائی، اور کہا کہ سترہ سال کے بعد ایک خوشی کا موقع ملا تھا وہ بھی اس کتاب کی وجہ سے غارت ہوا، ان کی بیوی شیخ جمن کا گلا پکڑ کر بار بار کہہ رہی تھی کہ بتلاؤ کہ مولوی محمد کے باپ نے ان کے دادا نے ان کے پردادا نے خود مولوی محمد نے کبھی گھوڑے کا گوشت کھایا ہے، کسی بھی اہلحدیث نے عقیقہ میں گھوڑا ذبح کیا ہے تمہیں بڑے آئے ہو مردہ سنت کو زندہ کرنے کیلئے، اب شیخ جمن کو دیکھو تو ان کا برا حال تھا سخت سردی میں پیشانی پسینہ سے شرابور تھا۔

باپ - بیٹا، مولوی جونا گڈھی کی ہر کتاب فتنہ والی ہے، ان کی ساری زندگی فتنہ انگیزی میں گذری تھی، علم کے نام پر وہ جہل بانٹا کرتا تھا۔

بیٹا - تو کیا اباجی حدیث سے گھوڑے کا گوشت کھانا ثابت نہیں ہے۔

باپ - بیٹا ضرورتاً موقع پر ہی جائز ہے، ورنہ گھوڑے کی تخلیق کا مقصد گوشت کھانا نہیں ہے بلکہ سواری کرنا ہے، قرآن میں صاف مذکور ہے والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا، یعنی جانوروں میں سے کچھ گوشت کھانے کیلئے پیدا کئے گئے مگر گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو اللہ نے سواری کے لئے پیدا کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کی تخلیق کی اصل غرض سواری کرنا ہے نہ کہ اس کا گوشت کھانا۔ مولانا جونا گڈھی کو صرف گھوڑے کے گوشت کی حلت والی حدیث نظر آئی منع والی احادیث ان کو نظر نہیں آئی۔ نسائی، ابوداؤد، طحاوی، دارقطنی وغیرہ احادیث کی کتابوں میں حضرت خالد بن ولید سے منع کی احادیث مذکور ہیں نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی منع کی ایک روایت ہے۔

بیٹا - اباجی مولانا جونا گڈھی کی کتابوں میں فتنوں کا جم تو بہت نظر آتا ہے۔

باپ - بالکل ٹھیک کہتے ہو، انکی کتابوں سے اہلحدیث جماعت کو فائدہ سے زیادہ نقصان پہونچا ہے۔

بیٹا - اباجی آجکل ہمارے بعض ادارے ان کی کتابوں کو جو چھاپ رہے ہیں ان کا مقصد بھی فتنہ انگیزی ہی ہے کیا؟

باپ - پتہ نہیں بیٹا۔

اہلحدیث مذہب میں گھوڑے کی قربانی جائز، ہرن کی بھی جائز، نیل گائے کی بھی جائز، چڑیا کی بھی جائز، مرغی مرغا کی بھی جائز، انڈا کی بھی جائز ہر اس جانور اور پرندہ کی جائز جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

بیٹا - اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی یہ علامہ ابن حزم کون بزرگ تھے، ہمارے لوگ ان کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں؟

باپ ۔ بیٹا، یہ عالم اسلام کے بہت بڑے غیر مقلد عالم تھے، انھیں کی تحقیقات کی سرپرستی میں ہم لوگوں کی غیر مقلدیت پروان چڑھی ہے ۔

بیٹا ۔ تو اباجی علامہ ابن حزم ہماری جماعت کے بابا آدم تھے؟

باپ ۔ جی بیٹا ۔ جی بیٹا ۔ عوام کی زبان میں ان کا صحیح تعارف یہی ہے ؟
مگر یہ تو بتلاؤ کہ آج تم کو ابن حزم کیسے یاد آگئے ؟

بیٹا ۔ علامہ ہمزاد حفظہ اللہ اس سال مدینہ یونیورسٹی سے پڑھ کر کے آئے ہیں، پی، ایچ ڈی ہیں، عقیدہ میں پی ایچ ڈی کیا ہے ۔ انھوں نے جامع مسجد میں انکی کتاب المحلی نامی کا درس دینا شروع کیا ہے، لوگ پہلے تو کثیر تعداد میں بیٹھا کرتے تھے مگر اب آہستہ آہستہ لوگوں کی شرکت کم ہوتی جارہی ہے ۔

باپ ۔ علامہ ابن حزم کی یہ کتاب "المحلی" تو علم کا بحر زخار ہے، بڑی مستند کتاب ہے اس کا درس تو بہت مفید ہے، غیر مقلدیت کو چار چاند لگ جائے گا، تقلید پرستوں کی ہوا اکھڑ جائیگی ۔

بیٹا ۔ اباجی، کیا آپ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے ؟

باپ ۔ نہیں بیٹا ۔ مگر سنا ہے کہ یہ کتاب اسلامی فقہ کی اکیڈمی ہے، علم کا خزانہ ہے مسائل شرعیہ کی اس کتاب میں بڑے عمدہ طریقہ سے تحقیق کی گئی ہے اور تقلید پرستی کی جڑ کاٹنے والی کتاب ہے، حنفیہ کا قلعہ دھڑام سے نیچے آجائیگا ۔

بیٹا ۔ مگر اباجی یہاں تو اس کا اثر الٹا ہو رہا ہے، لوگوں کو اس کتاب سے وحشت ہونے لگی ہے ۔

باپ ۔ وحشت ہونے لگی ہے ؟ کیوں بیٹا ؟

بیٹا ۔ اباجی اس کتاب میں تو عجیب عجیب مسائل ہیں جن سے ہمارے کان کبھی آشنا نہیں تھے ۔

باپ ۔ مثلاً

بیٹا ۔ اباجی قربانی کے موقع سے علامہ بہزاد نے اس کتاب کا یہ مسئلہ لوگوں کو سنایا ۔

الاضحیۃ جائزۃ بکل حیوان یوکل لحمہ من ذی اربع اوطائر کالفرس والابل وبقر الوحش والدیک وسائر الطیر والحیوان الحلال اکلہ ۔ (ص ۴۸۹ ج ۴ مکتب دار التراث القاہرۃ تحقیق احمد محمد شاکر)

یعنی قربانی ہر اس جانور کی جائز ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے خواہ چوپایہ ہو یا پرندہ جیسے گھوڑا، اونٹ، نیل گائے، مرغا اور تمام پرندے اور جانور جس کا کھانا جائز ہے ۔

اباجی اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ کبوتر کی بھی قربانی جائز، مینا کی بھی قربانی جائز ہرن کی بھی قربانی جائز، گوریا کی بھی قربانی جائز، خرگوش کی بھی قربانی جائز بطخ اور مرغابی کی بھی قربانی جائز ۔

ہم نے اپنے باپ دادا سے ان جانوروں کی قربانی کا ذکر کبھی سنا نہیں تھا ۔

باپ ۔ بیٹا، ذرا علامہ بہزاد حفظہ اللہ کو میرے پاس کسی وقت بھیجدو، میں انکو سمجھادوں گا کہ اگر حنفیت کا قلعہ زیر کرنا ہے اور غیر مقلدیت کو عروج دینا ہے تو اس کتاب سے وحشت پیدا کرنے والے مسائل نہ بیان کریں ۔

بیٹا ۔ اباجی، قربانی ان جانوروں کی کبھی شیخ البانی، شیخ ابن باز، میاں صاحب شیخ الکل فی الکل، حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، حافظ عبدالرحمن مبارکپوری وغیرہم نے کی ہے ؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

شیخ کلو حفظہ اللہ نے انڈے کی قربانی کی مگر سنت زندہ ہونے سے محفوظ رہی

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی کچھ سنا آپ نے اس عید قرباں میں شیخ کلو حفظہ اللہ نے انڈے کی قربانی کی تھی۔

باپ۔ جی بیٹا، انڈے کی قربانی بھی سنت ہے؛ علامہ ابن حزم نے حدیث سے اس کو ثابت کیا ہے۔ فتاویٰ ستاریہ جو کراچی سے چھپا ہے اس میں بھی انڈے اور مرغی کی قربانی کو جائز بتلایا گیا ہے۔

بیٹا۔ اباجی مگر شیخ کلو کے ساتھ تو عجیب حادثہ پیش آیا، ان کی قربانی کا گوشت نہ کھایا گیا نہ تقسیم ہوا۔

باپ۔ کیا ہوا بیٹا؟

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو نے علامہ ہمزاد حفظہ اللہ سے محلی ابن حزم کا یہ مسئلہ سنا تھا ولاتکون الاضحیۃ اضحیۃ الابذبحھا اونحرھا، یعنی قربانی اسی وقت قربانی ہوگی جب قربانی والی چیز کو ذبح کیا جائے یا اس کا نحر کیا جائے۔ اب انھوں نے انڈے کو بیچ میں رکھ لٹا کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس کی گردن پر جو زور سے چھری چلائی تو اس کا سارا گوشت بہ گیا، اور سنت زندہ ہونے سے محفوظ رہی۔

باپ۔ بیٹا انھوں نے بڑی بیوقوفی کی کہ اس کو چھری سے ذبح کیا، انکو نحر کرنا چاہئے تھا۔

بیٹا۔ اباجی، نحر بھی تو چھری ہی سے ہوتا ہے بلکہ خنجر سے ہوتا۔ تو کیا اس قربانی کا گوشت بہتا نہیں۔ اباجی میں تو سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے مصنفین کا ٹھکانا کہیں اور ہے۔

باپ۔ کہاں ہے بیٹا؟

بیٹا - ہندوستان کی وہی جگہیں جہاں ہندوستان کے ایک خاص قسم کے لوگ تشریف فرما ہوتے ہیں -

باپ - کیوں بیٹا ان مصنفین کیلئے یہ جگہیں کیوں ؟

بیٹا - اباجی جس کو اتنا پتہ نہ ہو کہ قرآن پاک میں قربانی کے جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے اس کو کتابیں لکھنے اور فتویٰ دینے کا حق کیا ہے، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے - لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم - یعنی اللہ کے یہاں قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہونچتا، اللہ کے یہاں تو تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے -

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اسی چیز کی ہوگی جس میں خون اور گوشت ہو، انڈے میں خون اور گوشت ہوتا ہے؟

باپ - بیٹا تمہاری گرفت تو بہت درست ہے یہ تمہارا اجتہاد ہے کہ کسی کی تقلید ؟

بیٹا - یہ سب باتیں ہم جیسوں کو اجتہاد سے کہاں حاصل ہوتی ہیں، بڑوں سے سنی باتیں ہیں - اباجی ہو سکتا ہے کہ ابن حزم کے زمانہ میں گوشت اور خون والا انڈا ہوتا ہو -

باپ - پتہ نہیں بیٹا -

ص ۵۶ کا بقیہ :-

اور میں نے اپنے اردگرد روشنی پایا، اگر چلتا تھا تو وہ روشنی سامنے ہوتی اور پہلو میں نظر آتی -

حضرت رافع کی وفات حضرت عمر کے زمانہ میں ۲۳ ھجری میں ہوئی -

(الاستیعاب ج ۱ ص ۲۸۹)

محمد اجمل مفتاحی

میلاد شریف کا مروّج (۱)

ملک معظم مظفر الدین

ملک مظفر الدین صاحب "اربل" سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ کا بادشاہ تھا، سلطان ایوبی کی طرف سے اس کے بھائی کو "اربل" کا صوبہ دیا گیا تھا، جب اسکے بھائی کا انتقال ہوا تو سلطان صلاح الدین نے یہ صوبہ مظفر الدین کو دے دیا۔

مظفر الدین بڑا بہادر لڑنے والا تھا، صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کئی معرکوں میں شریک ہوکر اس نے دادِ شجاعت دی تھی، جس کی وجہ سے سلطان کی نظر میں اسکی وقعت اور حیثیت بہت بڑھ گئی تھی کہ سلطان نے اپنی بہن سے اس کی شادی کردی۔

یہ بادشاہ بڑی داد و دہش والا تھا، صدقہ و خیرات خوب کرتا تھا، روزانہ منوں سیر آٹا کی روٹیاں پکواکر غربا، و فقراء میں تقسیم کرتا تھا، یہ صاحب سماع تھا، یہی اس کی روحانی غذا و لذت تھی، صوفیوں کو اسی غرض کے لئے جمع کرتا تھا اور ان کی مجالس سماع میں حاضر ہوتا۔

لکھا ہے کہ یہی میلاد شریف کا بانی اور اس کو رواج دینے والا تھا، میلاد پر یہ بہت زیادہ خرچ کرتا تھا، اور ربیع الاول کا پورا مہینہ یہ جشن مناتا، دور دور سے لوگ میلاد کے جشن میں شریک ہونے کے لئے آتے، خوب کھیل کود ہوتا، شامیانے نصب کئے جاتے اور امراء و حکام اس میں ٹھہرتے، بجیاں لگائے اور اونٹ بہت زیادہ ذبح کئے جاتے

بقیہ ص۲۲۷ پر

(۱) معنی۔ رواج دینے والا۔

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دوماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۱۲ شمارہ ۳

جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ

۱۴۳۰ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۸۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی دو سو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائیل نمبر 9453497685

فہرستِ مضامین

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کی تاریخ اس اعتبار سے آج بدترین دور سے گزر رہی ہے کہ ہمارا یہ ملک آج دہشت گردوں کا نشانہ بنا ہوا ہے، چند ماہ قبل ممبئی میں دہشت گردوں نے جان و مال کی جو تباہی مچائی اور معصوموں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے منہ کا لقمہ بنایا، وہ دہشت گردی کی بدترین مثال تھی، اور افسوس یہ ہے کہ اس بات کی تحقیق ہوچکی ہے کہ ان دہشت گردوں کا تعلق ہمارے پڑوسی ملک سے تھا، یہ پڑوسی ملک اسلامی ملک کہلاتا ہے، اسلام میں معصوموں کے خون سے ہولی کھیلنا کہاں جائز ہے، ان دہشت گردوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، انھیں اس کی بھی پرواہ نہیں کہ اسلام ان کی ظالمانہ کارروائیوں سے بدنام ہوتا ہے، اسلام کی تعلیمات کا مذاق اڑتا ہے، اسلام کی صورت مسخ ہوتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کارروائیوں کے پس پشت وہ جذبہ ہے جس کا منبع اسلام کی تعلیمات ہیں۔ دہشت گردانہ کارروائیاں کرنے والے افراد بعض ایسی تنظیموں سے وابستہ ہوتے ہیں جنھوں نے اپنا نام اسلام سے جوڑ رکھا ہے، ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں ہے کہ دہشت گردانہ کارروائیاں انجام دینے والے افراد اگر مسلم جماعتوں اور مسلم تنظیموں سے وابستہ ہوتے ہیں تو یہی اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں، یہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں، مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں، اور معصوم جانوں کو تلف کرکے پوری ملت اسلامیہ کے لئے باعث ننگ و عار ہوتے ہیں، ان کی یہ کارروائیاں جن کو وہ جہاد سمجھتے ہیں، اور خود وہ ہلاک ہوکر اپنے کو شہداء میں شمار کرتے ہیں، یہ سب دھوکہ ہے، فریب ہے، وہ جہاد اور شہادت کے تقدس کو داغدار کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جو مسلمانوں کی ہندوستان میں سب سے معتبر اسلامی درسگاہ

اور روحانی مرکز ہے، اس نے اپنے فتویٰ میں بہت واضح الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ اسلام میں دہشت گردی کی کوئی جگہ نہیں ہے، جو لوگ اسلام کے نام پر دہشت گردانہ کاروائیاں کرتے ہیں، ان کا یہ عمل اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے، اسلام امن کا پیغامبر ہے، انسانیت کا جو احترام اسلام کی تعلیمات میں ہے، اس کی مثال اور مذہب میں نہیں ملتی۔

چونکہ ان دہشت گردانہ کاروائیوں کو ایک خاص طاقت نے اسلام سے جوڑ دیا ہے اسلئے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ مسلمانوں کی تنظیمیں اور ادارے صحیح صورت حال کو دنیا کے سامنے لائیں اور ان دہشت گردوں کے بارے میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں یہ کہیں کہ یہ اسلام کے دشمن ہیں، ان کے ظالمانہ عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کے بعد یہ آواز بڑی تیزی سے پورے ملک میں گونجنے لگی ہے، اور بہت سی اسلامی تنظیموں کو اس کا احساس ہو گیا ہے کہ اس وقت جو ملک کی صورت حال ہو رہی ہے اس میں دہشت گردی کے بارے میں اسلام کے صحیح موقف کو پیش کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

جمعیۃ علماء ہند نے تو اس موضوع کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، پورے ملک میں جگہ جگہ اس موضوع پر اس کے بڑے بڑے اجلاس ہو چکے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس سے ان فرقہ پرستوں کے منہ پر طمانچے لگنے شروع ہو گئے ہیں جو دہشت گردانہ کاروائیوں کو اسلام سے جوڑ کر پورے ملک میں مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلا رہے تھے۔

مسلمانوں نے اور اس کے سب سے بڑے اسلامی مرکز دارالعلوم دیوبند نے دہشت گردی کے بارے میں اسلام کا صحیح موقف واضح کر دیا ہے، لیکن کیا ان گروہوں کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے، ہندوستان کی دوسری کسی قوم کے افراد اس میں شریک نہیں ہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا تعلق ان دہشت گردانہ کاروائیوں سے اگر ہے تو برائے نام ہے ——— مسلسل اور پیہم اور خطرناک قسم کی دہشت گردی کا عمل انجام دینے والی تو ہندوستان کی وہ فرقہ پرست تنظیمیں ہیں جو ملک کے امن و

امان کو تباہ کرنے کے لئے اور ہندوستان کو آگ کا جہنم بنانے کے لئے اپنا رشتہ اسرائیل جیسی اسلام دشمن طاقت سے جوڑ رکھا ہے، اور ملک کے تحقیقی سرکاری اداروں نے ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں بھی اب تک دہشت گردی کی کاروائیاں انجام پائی ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق انھیں فرقہ پرست ملک دشمن اسرائیل سے وابستہ تنظیموں کے افراد سے ہے جن کا نعرہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس ملک میں مسلمان بن کر رہنے نہیں دیں گے۔

یہ حقیقت بالکل عیاں ہو چکی ہے فرقہ پرست تنظیموں کے افراد خود دہشت گردانہ کاروائیاں انجام دے کر بہت ہی ماہرانہ اور مکارانہ انداز میں ان کا تعلق مسلمانوں سے جوڑ دیتے ہیں، اور ہندوستان کا میڈیا جس کے اندر ملک کے ساتھ قطعاً ہمدردی کا جذبہ نہیں ہے، جھوٹ کو سچ کرنے کے لئے پوری طاقت سے کھڑا ہو جاتا ہے، اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کرنا اس کا دلچسپ مشغلہ بن جاتا ہے، ان دشمنانِ ملک کو قطعاً اس کی پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ اس سے ملک بنتا ہے یا بگڑتا ہے۔

میڈیا کے جانب دارانہ عمل سے ملک کی فضا زہر آلود ہوتی ہے، اور منافرت کا جذبہ اور ٹکراؤ کی شکل پیدا ہوتی ہے، جو اس ملک کے ساتھ بدترین دشمنی ہے، ایسے لوگ ملک کے قطعاً خیرخواہ نہیں ہیں، کاش مسلمانوں کو وفا کا سبق پڑھانے والے ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لیں کہ وہ ملک کے کتنے وفادار ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن شبلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھو اور قرآن کے ذریعہ سے کھاؤ مت۔

معلوم ہوا کہ قرآن کو کھانے پینے کا ذریعہ بنانا حرام ہے اور اس کے ذریعہ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ ناجائز ہے۔

حفاظ قرآن جو تراویح پر اجرت لیتے ہیں اور طے کر کے تراویح پڑھاتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ ان کا یہ عمل قطعاً جائز نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو طے نہیں کرتے ہیں مسجد کے لوگ خود سے ہمیں یہ رقم بطور ہدیہ دیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا امتحان اس وقت ہوجاتا ہے جب کسی مسجد میں ان کو پیسہ نہیں ملتا یا کم ملتا ہے تو وہ اس مسجد کا دوبارہ رخ نہیں کرتے، اگرچہ وہ طے نہ کرتے ہوں مگر ان کے جی میں یہ بات ہوتی ہے کہ ان کو پیسہ ملے گا، اگر دل میں یہ خیال ہے تو اگرچہ وہ طے نہ کرتے ہوں مگر پیسہ ملنے کی امید پر وہ تراویح پڑھاتے ہیں تو یہ پیسہ بھی ان کیلئے جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح قرآن خوانی کے لئے حفاظ کو بلایا جاتا ہے اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا ہے، قرآن پڑھنے والے قرآن خوانی کی ان مجلسوں میں اسی لئے شریک ہوتے ہیں کہ ان کو کھانے پینے کو ملے گا، یہ کھانا پینا بھی ناجائز اور حرام ہے اسلئے کہ یہ بھی قرآن کے ذریعہ ملا ہے، اگر کسی جگہ قرآن پڑھنے والے کو ناشتہ پانی میں کمی ہوتی ہے تو ان کا چہرہ

بگڑتا ہے اور دوبارہ اس جگہ وہ قرآن پڑھنے نہیں جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی نیت خالص قرآن پڑھنے کی نہیں ہوتی ہے۔

بہرحال قرآن کریم کی حرمت کے خلاف یہ بات ہے کہ اس کو اکل وشرب اور کمائی کا ذریعہ بنایا جائے۔

اسی طرح سے وہ دعا وتعویذ جن میں صرف قرآن کا استعمال کیا گیا ہو ایسی دعا وتعویذ پر بھی پیسہ لینا جائز نہیں ہوگا۔

اوپر کی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن شبلی رضی اللہ عنہ کی ہے، اسی طرح کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ڈکار کم لیا کرو، اسلئے کہ قیامت کے روز سب سے بھوکا وہی ہوگا جو دنیا میں سب سے زیادہ پیٹ بھرنے والا ہوگا۔

زیادہ ڈکار اس وقت آتی ہے جب آدمی کھانا زیادہ کھاتا ہے، بعض لوگوں کی ڈکار کی آواز بڑی مکروہ ہوتی ہے، لوگوں کو اس سے ناگواری ہوتی ہے، اسلئے حدیث میں کم کھانے کی ترغیب دلائی گئی ہے، زیادہ کھانے کو پسند نہیں کیا گیا ہے، زیادہ کھانے میں آدمی کی حرص کا بھی اظہار ہوتا ہے، کھانے پینے کی زیادہ عادت کوئی اچھی چیز نہیں ہے اس سے آدمی کو بچنا چاہئے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جانے والے وہ لوگ ہونگے جو سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔

حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں۔ اکثر اھل الجنۃ البلہ۔ بلہ کی تفسیر یہ ہے کہ ایسے لوگ جو شر سے رکنے والے ہوتے ہیں یعنی ان سے شر کا صدور نہیں ہوتا ہے یا کم ہوتا ہے اور جو طبعی طور پر خیر پسند ہوتے ہیں یعنی ان کا طبعی میلان خیر کے کاموں کی طرف ہوتا ہے۔

عام طور پر بے دین قسم کے لوگ ایسے بھولے بھالے آدمی کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور عیار و مکار آدمی کو عقلمند سمجھتے ہیں، ان کو کیا پتہ کہ جن کو وہ لوگ کم عقل اور بے وقوف سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا مقام ہے ۔

۴ ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اکثروا الصلوٰۃ علی فانھا زکوٰۃ لکم ۔ یعنی میرے اوپر صلوٰۃ وسلام زیادہ بھیجا کرو، میرے اوپر درود کا بھیجنا تمہارے اعمال کو پاک کرنے والا ہوتا ہے ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا بڑے خیر کا عمل ہے، اس کی برکت بے انتہا ہے، صلوٰۃ وسلام کے ساتھ جو دعا کی جاتی ہے وہ مقبول ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو میرے اوپر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے خدا تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ درود کی کثرت کی وجہ سے آدمی صاف ستھرا ہو جاتا ہے، یعنی اس کے نفس کی گندگی دھل جاتی ہے، اور اس کو اچھے اعمال کی توفیق ہوتی ہے، اور اس کا قلب درود کی کثرت کی وجہ سے منور ہو جاتا ہے ۔

۵ ۔ حضرت ابوالمنذر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا ذکر کثرت سے کیا کرو، یہ کلمات سید الاستغفار ہیں، اور گناہوں کو مٹانے والے ہیں اور جنت کو واجب کرنے والے ہیں ــــــــ ان کلمات کو سید الاستغفار فرمایا گیا یعنی اللہ تعالیٰ ان کلمات کے ذکر کی کثرت کی وجہ سے گناہ کو بخش دیتے ہیں، اور آدمی سے جو گناہ صادر ہوتا ہے یہ کلمات انکو مٹا دیتے ہیں، یعنی انکی برکات سے آدمی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، اور جب آدمی کے گناہ نہیں ہونگے تو اسکو جنت میں جانے سے کون سی چیز روکے گی اسی وجہ سے فرمایا یہ کلمات جنت کو واجب کرنے والے ہوں گے ــــــــ یہ چار کلمات ہیں، بہت ہلکے پھلکے، اور انکی برکات بے انتہا ہیں، اب آدمی کو اگر اس کی توفیق نہ ہو تو وہ بڑا بدنصیب و بدقسمت ہے ۔

ان احادیث کو سیوطی کی جامع الاحادیث جلد ثانی سے نقل کیا گیا ہے ۔

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

خط اور اس کا جواب

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بعافیت ہوگا

حضرت ہم اساتذہ کے درمیان چند مسئلے زیر بحث ہیں اور طرفین دلائل پیش کرتے ہیں، اسلئے حضرت والا کو طلب تحقیق کے لئے زحمت دی جارہی ہے، امید کہ اپنی تحقیق پیش فرماکر مشکور ہوں گے۔

(۱) جمعہ کے دن فجر کی نماز میں دوام الم السجدۃ اور سورہ دھر پڑھنا کیسا ہے جب کہ نمازیوں میں کمزور ضعیف سبھی لوگ ہوتے ہیں جو تخفیف کے خواہاں ہوتے ہیں۔

(۲) آجکل وہ مدارس جو سرکاری بورڈ سے ملحق ہیں ان میں نئے مدرس کی تقرری اس شرط پر ہوتی ہے کہ کچھ مہینہ کی سرکاری تنخواہ سے ایک معین مقدار مدرسہ کو دینا ہوگی۔ نیز تقرری کے وقت ایک مشت رقم بھی ذمہ داران مدرسہ لیا کرتے ہیں پھر تقرری کا عمل پایۂ تکمیل تک پہونچتا ہے، اسلئے سوال یہ ہے کہ ذمہ داران مدارس کا اس طرح کرنا کیسا ہے، اور لی گئی رقم کو مصارف مدرسہ میں خرچ کرنا، مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا کیسا ہے، امید کہ اپنی تحقیق سے نوازیں گے۔

فقط والسلام

اساتذہ مدرسہ دارالاحسان بارڈولی سورت گجرات

زمزم! امامت کرنے والوں کے لئے اصل اصول یہ ہے کہ وہ قرأت میں تخفیف

کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ من ام القوم فلیخفف یعنی جو امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھائے۔ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم، اس معنی کی بہت سی احادیث ہیں، کئی احادیث صرف بخاری میں ہیں، مثلاً ایک حدیث حضرت ابو مسعود انصاری سے ہے کہ آپ نے فرمایا۔ فایکم صلی بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ، یعنی تم میں کا کوئی لوگوں کی امامت کرے، تو وہ ہلکی نماز پڑھائے، اسلئے کہ مقتدیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور حاجت والے بھی ہوتے ہیں۔

بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء، یعنی جب تم میں کا کوئی دوسروں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے اسلئے کہ نمازیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب تنہا نماز پڑھے تو اپنی نماز کو جتنا چاہے طویل کرے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجز الصلوٰۃ ویکملھا۔ یعنی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر کیا کرتے تھے اور ارکان کی مکمل ادائیگی کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو مقتدیوں کی اتنی رعایت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی طویل نماز پڑھانے کا ارادہ رکھتے مگر بچوں کے رونے کی آواز سن کر آپ نماز کو ہلکی کر دیتے تھے آپ کو خیال ہوتا کہ بچوں کے رونے کی وجہ سے ان کی مائیں پریشان ہوں گی۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوٰتی کراھیۃ ان اشق علی امہ۔ یعنی میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور نماز کو لمبی کرنا چاہتا ہوں لیکن کسی بچہ کے رونے کی آواز کان میں پڑتی ہے تو میں نماز ہلکی کردیتا ہوں، مجھے یہ پسند نہیں ہوتا کہ میں اس بچہ کی ماں کو

مشقت میں ڈالوں ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ماصلیت وراء امام قط اخف صلاۃ ولا اتم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان لیسمع بکاء الصبی فلیخفف مخافۃ ان تفتن امہ یعنی میں نے کسی امام کے پیچھے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور آپ سے زیادہ پورے ارکان کی ادائیگی کے ساتھ نماز نہیں پڑھی (اس پر بھی) جب آپ صلے اللہ علیہ وسلم کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو آپ نماز کو مزید ہلکی کر دیتے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوتا کہ اس کی ماں بچہ کے رونے کی وجہ سے پریشان ہو جائیگی ۔

اس طرح کی بعض اور بھی احادیث ہیں جن کا ذکر بخاری شریف میں ہے ۔

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ کسی امام نے نماز کو لمبی پڑھایا ہے اور اس کی وجہ سے مصلیوں کو پریشانی لاحق ہوئی ہے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم اس پر سخت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ کیا تم لوگ لوگوں کو آزمائش میں ڈالتے ہو ۔ ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طویل نماز پڑھائی، ایک مقتدی ان کی لمبی سورت کی وجہ سے نماز توڑ کر اپنی الگ سے نماز پڑھی، پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ماجرا سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا نماز میں لمبی سورت پڑھانا نہایت ناگوار ہوا اور آپ نے غصہ میں تین مرتبہ ارشاد فرمایا فتان ۔ فتان ۔ فتان یعنی معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، فتنہ میں ڈالنے والے ہو، فتنہ میں ڈالنے والے ہو یعنی طویل نماز پڑھانے کا انجام یہ ہوگا کہ لوگ اپنی نمازیں اپنے گھروں میں پڑھیں گے یا مسجد ہی میں الگ پڑھیں گے ، اور ایک مسجد میں متعدد جماعت ہونے کا اندیشہ ہے ۔

غرض یہ کہ امام کے لئے اصل اصول یہی ہے کہ وہ مقتدیوں کی رعایت کرے ۔ خصوصًا جب کہ مقتدیوں میں کمزور ، بیمار اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوں ، نماز کی روح خشوع اور خضوع ہے اور اطمینان و سکون سے نماز پڑھنا ہے ، اب اگر مقتدیوں کو طول رکعت کی وجہ سے یہ خشوع و خضوع حاصل نہیں رہتا اور ان کی توجہ ہٹتی ہے تو

اس کا وبال اور گناہ امام کو ہوگا، اسلئے امام کیلئے یہی حکم ہے کہ وہ ارکان صلوٰۃ کی پوری ادائیگی بھی کرے اور نماز کو ہلکی بھی پڑھائے۔

رہا یہ کہ نماز میں کسی متعین سورت کا بدوام نماز میں پڑھنا تو اس کو فقہائے کرام نے مکروہ سمجھا ہے۔ فقہ کی عام کتابوں میں اس کا بیان ہے، فتح القدیر اور شامی میں اس پر پوری بحث موجود ہے، میرے پاس اس وقت نہ شامی ہے اور نہ فتح القدیر کہ میں ان سے اس بارے کی عبارت نقل کردوں، مگر ان کتابوں میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کا خلاصہ ذکر کردیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی اس حدیث عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الجمعۃ فی صلوٰۃ الفجر الم تنزیل السجدۃ وھل اتی علی الانسان (۱) کی شرح میں فرماتے ہیں۔

قال صاحب المحیط من الحنفیۃ یستحب قراءۃ ھاتین السورتین فی صبح یوم الجمعۃ بشرط ان یقرأ غیر ذلك احیانا لئلا یظن الجاھل انہ لایجزی غیرہ۔

یعنی احناف علماء میں سے صاحب محیط نے یہ کہا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا (سورہ سجدہ اور سورہ دھر کا) جمعہ کے روز کی صبح کی نماز میں پڑھنا مستحب ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی امام پڑھے تاکہ کسی جاہل کو یہ گمان نہ ہو کہ فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کے علاوہ کسی اور سورت کا پڑھنا کافی نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے بدوام ان سورتوں کا پڑھنا مکروہ سمجھا ہے

---

(۱) یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ دھر پڑھا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر صاحب ہدایہ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واما صاحب الهداية منهم فذكر ان علة الكراهة هجران الباقي وايهام التفضيل۔

اور احناف میں سے صاحب ہدایہ نے بدوام ان دونوں سورتوں کو فجر کی نماز میں مکروہ ہونے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اگر ان دونوں سورتوں کو بدوام پڑھا جائے تو دوسری سورتوں کا چھوڑنا لازم آتا ہے، اور اس کا وہم ہوتا ہے کہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کی دوسری سورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ امام طحاوی کا قول بھی صاحب محیط ہی جیسا ہے یعنی امام طحاوی بھی فرماتے ہیں کہ اس کا مکروہ ہونا اس وقت ہے جب دوسری سورتوں کو پڑھنے کو جائز نہ سمجھے۔ حافظ فرماتے ہیں۔

وقول الطحاوي يناسب قول صاحب محيط فانه خص الكراهة بمن يراه حتما لا يجزئ غيره او يرى القراءة بغيره مكروهة۔

یعنی امام طحاوی کا قول صاحب محیط کی طرح ہے اسلئے کہ امام طحاوی نے بھی کراہت کا قول اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جو فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا لازم سمجھے یا یہ جانیں کہ ان سورتوں کے علاوہ دوسری کسی سورۃ کا پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

اب ہمارے فقہائے کرام کے اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا ثابت ہے، اگرچہ بدوام ثابت نہ ہو، تو اب ان دونوں سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا لحاظ کرتے ہوئے مستحب ہے، مگر اسکے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مقتدی ان سورتوں کے پڑھنے کی وجہ سے مشقت لاحق نہ ہوتی ہو، اگر مقتدی ان سورتوں کا تحمل نہیں کر سکتے ہیں تو پھر ہلکی نماز پڑھنا اور مقتدیوں کی رعایت کرنا واجب ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان سورتوں ہی کو لازم نہ کرلے، بلکہ کبھی کبھی دوسری

---

(۱) فتح الباری ص ۳۷۹ ج ۲

سورتیں بھی پڑھے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ دوسری سورتوں کا پڑھنا جائز نہیں ہے، تیسری شرط یہ ہے کہ اس کا یہ عقیدہ نہ ہو کہ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں اگر دوسری سورتیں پڑھی جائیں تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر ان تینوں شرطوں کا لحاظ رکھتے ہوئے جمعہ کے روز فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہیں، اور اتباع نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کے ساتھ پڑھتے ہیں تو بلا شبہ یہ ایک عمل مستحب ہے۔

ہماری گفتگو سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کے نہ پڑھنے پر نکیر کرتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں ہے، استحباب کی وجہ سے اس کی رغبت تو دلائی جا سکتی ہے مگر اس کے چھوڑنے پر نکیر نہیں کی جا سکتی۔

رہا آپ کے دوسرے سوال کا جواب یعنی ایڈڈ مدارس کے ذمہ دار لوگ جو کسی مدرس کے تقرر کرتے وقت اس سے کوئی معتدبہ یا غیر معتدبہ رقم کا سوال کرتے ہیں یا یہ شرط لگاتے ہیں کہ آپ کو سال میں اپنی تنخواہ سے اتنی رقم مدرسہ کو دینی ہوگی، یا اتنے سال اتنی رقم دینی ہوگی تو یہ شرط لگانا باطل اور ناجائز ہے، اگر مدرس کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے تو یہ سخت گناہ ہے، ظلم ہے، شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے، وہ رقم مال حرام ہے جس کا استعمال کسی خیر کے کام میں جائز نہیں ہے، نہ مدرسہ کی عمارت کی تعمیر میں اس کا استعمال جائز ہے، نہ مسجد کی تعمیر میں یا اس کی کسی اور ضرورت میں، نہ اس سے مدرس کی تنخواہ دی جا سکتی ہے نہ طلبہ کے اوپر اس کو خرچ کیا جا سکتا ہے، مدارس کے جو نظماء اور ذمہ دار یہ کام کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں وہ دین کے نام پر بددینی کا کام کرتے ہیں۔

عموماً ایڈڈ مدارس میں یہ عمل جاری ہے، جس کا انجام یہ ہے کہ ان مدارس سے علم اور دین کی روح نکل گئی ہے، ان مدارس میں صرف عمارتیں ہیں، طلبہ میں اور علم اور دین ان مدارس سے غائب ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیے

صلوٰۃ الرسول کتاب اور اس کے بارے میں دو محققین کا اظہار خیال

(۴۹) مؤلف درود شریف پڑھنے کے بیان میں لکھتے ہیں:

التحیات ختم کر کے درود شریف ذیل پڑھیں، یہ درود شریف صحابہ کے پوچھنے پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا تھا جو عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔

اس پر گرفت کرتے ہوئے پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" مؤلف کے انداز سے مغالطہ ہو سکتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ صحابی ہیں مگر ایسا نہیں ہے، یہ تابعی ہیں، انھوں نے اس حدیث کو کعب بن عجرۃ صحابی سے روایت کیا ہے" ص۳۱۱

اور ہندوستانی محقق اس پر کوئی تنبیہ نہیں کرتا۔

(۵۰) مؤلف نے کلمہ لاحول ولا قوۃ کو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتلایا ہے۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

متعدد احادیث میں اس کلمہ کو عرش کے نہیں بلکہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کہا گیا ہے۔ ص۲۱۴

اور ہندوستانی محقق مؤلف کی آبرو بچانے کے درپے ہے۔ ص۱۷۸

(۵۱) حدیث میں آیا ہے کہ یا الٰہی موت کی بے ہوشیوں اور موت کی سختیوں پر میری مدد کر، اور حوالہ دیا ہے، حزب الاعظم کا، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" مؤلف نے حدیث کو ذکر کرنے کے بعد حزب الاعظم کا حوالہ دیا ہے، اور یہ انتہائی افسوسناک بات ہے۔ ص۲۱۶

انتہائی افسوسناک بات اسلئے ہے کہ یہ حدیث حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے تو ان کتابوں کا حوالہ دینے کے بجائے حزب الاعظم کا حوالہ دینا انتہائی درجہ کی حماقت ہے۔

ہندوستانی محقق مؤلف کتاب کی اس جہالت و حماقت پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا، اور یہ اسلئے کہ تاکہ مؤلف کا علمی بھرم قائم رہے۔

(۵۲) ابوداؤد سے مصنف نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے جو سلام پھیرا تو دونوں طرف سلاموں میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے کہ میں نے ابوداؤد کے جتنے نسخوں کی طرف مراجعت کی ہے کسی میں دوسرے سلام میں وبرکاتہٗ کا لفظ نہیں ملا۔

پھر کہتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہو سکتا ہے کہ مؤلف کے پاس ابوداؤد کا نسخہ ہو اسمیں یہ زیادتی ہو اسلئے کہ مصنف نے حوالہ تو دیا ہے ابوداؤد کا مگر اس نے یہ حدیث ابوداؤد سے نہیں بلکہ بلوغ المرام سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ ص۳۲۱

مؤلف بار بار یہ حرکت کرتے ہیں کہ حدیث کہیں سے نقل کرتے ہیں اور حوالہ کسی اور کتاب کا دیتے ہیں، اور چونکہ اصل کتاب کا خود مراجعہ نہیں کرتے اس وجہ سے غلطی پر غلطی کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔

اور ہندوستانی محقق یہاں خاموشی سے گذر جاتا ہے۔ (ص۱۸۴)

(۵۳) مصنف نے اس کتاب میں ایک عنوان یہ قائم کیا ہے۔

دعاء رسول میں زیادتی

اور اس کے تحت لکھتے ہیں کہ اللّٰھم انت السلام ومنك السّلام یہ زیادتی ہے والیك یرجع السلام حینا ربنا بالسلام ومنك السلام اور اس زیادتی کو بے اصل بتلاتے ہوئے اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے، پھر لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسند امام اعظم میں بھی اس دعا کی زیادتی کو نوٹ کرکے بے اصل کہا ہوا ہے۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اس کا مطلب میں نہیں سمجھ پایا مسند امام اعظم میں یہ زیادتی تو کجا سرے سے یہ دعا ہی نہیں ہے۔ ص۳۲۲

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صلوٰۃ الرسول مصنف کس قدر بد احتیاط اور جری ہے، بے سروپا کی اڑاے جاتا ہے اور کتابوں کا غلط حوالہ دیتا ہے، یہ کسی اہل علم کا کام نہیں ہے۔

اور ہندوستانی محقق لقمان سلفی صاحب مصنف کی اس ناشائستہ حرکت پر کچھ نہیں کہتے کہ مصنف کی جہالتوں خیانتوں پر پردہ پڑا رہے اور اس کتاب کی پذیرائی متأثر نہ ہو۔

(۵۴) مصنف نے ایک اور حدیث یہ نقل کی ہے کہ آیت الکرسی کو سوتے وقت جو پڑھے گا اس کے گھر کو اور اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور اس کے ہمسایہ کے اردگرد کے گھروں کو آفتوں اور بلاؤں سے امن وامان دیتا ہے۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

ہمسایہ کا گھر اور اس کے اردگرد گھروں کی حفاظت والا مسئلہ یہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اس بارے میں جو روایت ہے وہ انتہائی ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ ص۳۲۸

ہندوستانی محقق بھی اس کو انتہائی ضعیف بتلاتا ہے۔ ص۱۹۰

مؤلف نے " فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت ہے " کا عنوان قائم

کیا ہے، اس میں پہلی حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے اس کے متعلق پاکستانی محقق کہتا ہے کہ یہ روایت ساقط ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ الحاصل اس بارے میں تشدد سے نہیں بلکہ تساہل سے بھی کام لیں تب بھی یہ نہایت گھٹیا درجہ کی ہے۔ لہذا اس سے حجت لینا جائز نہیں۔
مصنف نے اذکار کے سلسلہ کی بیشتر ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں، یہ محقق کہتا ہے کہ۔

ہمیں یہ قاعدہ تو خوب ازبر ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی حجت ہوتی ہے مگر اس سے حجت لینے کے لئے علماء نے جو شرائط وضع کی ہیں ان کا خیال بہت کم رکھا جاتا ہے۔ ص۲۳۲

(۵۵) مصنف نے فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کی ایک یہ حدیث نقل کی ہے۔
حضرت عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب حضورؐ نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور حوالہ دیا ہے فتاویٰ نذیریہ کا اور فتاویٰ نذیریہ میں حوالہ ہے مصنف ابن ابی شیبہ کا۔
ہندوستانی و پاکستانی دونوں محققین کہتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ انحراف کے بعد رفع یدیہ و دعا یعنی دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے الفاظ نہیں ہیں۔
(ص۲۳۳)

پاکستانی محقق مولانا عبید اللہ رحمانی کے حوالہ سے یہ بھی لکھتا ہے کہ مؤلف نے راوی کا نام عامر ذکر کیا ہے فتاویٰ نذیریہ میں بھی اسی طرح ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، اس نام کا کوئی صحابی نہیں ہے، اس حدیث کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یزید عامری نے اور یزید سے ان کے بیٹے جابر بن یزید نے روایت کیا ہے۔ ص۲۳۴
یعنی مؤلف کو پتہ ہی نہیں ہے کہ حدیث کس صحابی سے مروی ہے اور اس صحابی سے روایت کرنے والا کون ہے، دوسروں کے دسترخوان سے الم غلم سب اڑاتے چلے جاتے ہیں حکیم صادق سیالکوٹی صاحب مؤلف صلوٰۃ الرسول۔

ہندوستانی محقق نے اس بات کو مصنف کی آبرو بچانے کی خاطر چھپا لیا ہے، اس پر وہ کوئی تنبیہ نہیں کرتا۔

مؤلف صلوٰۃ الرسول نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو درست سمجھتے ہیں اور یہ دونوں محققین اس کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ "نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی"

(۵۶) مؤلف نے ترمذی و ابو داؤد کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور کسی شخص کو پاخانہ کی حاجت ہو تو پہلے پاخانہ سے فراغت حاصل کرے اور پھر نماز پڑھے اگر جماعت فوت ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

"اور پھر نماز پڑھے، اگر جماعت فوت ہو جائے تو مضائقہ نہیں" یہ پوری عبارت مصنف نے اپنی طرف سے گڑھ کر کے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے، حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

اور پھر نماز پڑھے سے آخر تک حدیث میں ایسے الفاظ نہیں ہیں جن کا یہ ترجمہ ہو ص۳۴۷

ہندوستانی محقق اس پر کوئی تنبیہ نہیں کرتا۔

(۵۷) مؤلف نے ایک حدیث یہ ذکر کی ہے

سورج نکلتے وقت اور ڈوبتے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنی منع ہے اور اسی طرح نماز فجر پڑھ لینے کے بعد سورج کے اچھی طرح نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد آفتاب کے اچھی طرح غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اور حوالہ دیا ہے مسلم شریف کا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" یہ دو دو الگ حدیثیں ہیں جنھیں مؤلف علیہ الرحمہ نے ایک کر دیا ہے۔ ص۳۴۹

اور یہی بات ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے ص۲۰۲

حدیث کے بارے میں کسی پڑھے لکھے آدمی سے ایسی بد احتیاطی کی توقع نہیں ہوتی۔

(۵۸) مؤلف نے بخاری شریف کی ایک حدیث یہ ذکر کی ہے۔

نماز میں مرد کو ناف سے گھٹنے تک اور دونوں کندھے ڈھانکنے ضروری ہیں۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف نے یہاں حوالہ دینے میں انتہائی تساہل برتا ہے، کیونکہ بخاری میں صرف کندھوں کو ڈھانکنے کا ذکر ہے۔ عفا اللہ عنہ ص۳۵۲

اور ہندوستانی محقق مؤلف کی اس شدید بد احتیاطی یا جہالت پر بات بنا کر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

(۵۹) مصنف نے جماعت کی نماز میں داہنے کھڑے ہونے کے بارے میں مشکوٰۃ شریف سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں داہنی طرف والی صفوں کے اوپر۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔ مؤلف علیہ الرحمۃ نے صف کے دائیں جانب کی فضیلت کے بارے میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ ان الفاظ سے صحیح نہیں ہے۔ ص۳۶۱

اور ہندوستانی محقق صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۶۰) مؤلف نے امام کے فرائض کے بیان میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت انس روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول خدا کی سی بہت ہلکی اور بہت کامل نماز میں نے کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی جب حضور سنتے رونا لڑکے کا عورتوں کی صف میں پس ہلکی کرتے نماز اس ڈر سے کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوگی۔

مؤلف نے یہ خط کشیدہ عبارت کو بھی مسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے، صحیح مسلم میں صرف اتنا ہے کہ "میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ اتم اور اخف نماز کسی امام کے پیچھے نہیں پڑھی۔

اس پر پاکستانی محقق نے تنبیہ کی ہے ص۳۷۱ مگر ہندوستانی محقق کچھ نہیں کہتا اور

بخاری و مسلم میں یہ حدیث کہاں آئی ہے اس کا حوالہ دے کر مؤلف کے عیب کی پردہ پوشی کی ہے۔ ص ۳۱۶

(۶۱) مؤلف نے "یعنی نماز پر حضورؐ کا غصہ" کا عنوان قائم کر کے بخاری و مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا کو کسی وعظ میں اتنے غصہ میں جتنا لمبی نماز پڑھانے والوں پر اس دن دیکھا۔ الخ

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"یہ روایت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے قیس بن حازم سے نہیں، قیس کی صحبت کے بارے میں اختلاف ہے کہا جاتا ہے کہ انھیں رویت حاصل ہے (یعنی حضور سے روایت ثابت نہیں ہے) مگر مولف نے کیا کیا ہے، ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ ابو مسعود کی جگہ قیس کو حضور سے روایت کرنے والا قرار دے رہے ہیں، جبکہ بخاری و مسلم اور حدیث کی کتابوں میں صاف ہے کہ عن قیس بن حازم عن ابی مسعود یعنی قیس اس کو حضور سے نہیں ابو مسعود سے روایت کر رہے ہیں۔

افسوس کہ ایسے لوگ بھی علماء کی صف میں سوء قسمت اور ہماری شامت اعمال سے جگہ پا گئے، اس شدید اور فحش غلطی پر ہندوستانی محقق بالکل خاموش ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف کو نہ بخاری دیکھنے کی توفیق ہوا کرتی تھی اور نہ مسلم شریف بلکہ ادھر ادھر سے حدیثیں لے کر اناپ شناپ جو چاہا ہانک دیا کرتے تھے۔

(۶۲) مؤلف نے ایک روایت بخاری و مسلم سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم لوگ ربنا لک الحمد کہو۔

پاکستانی محقق کہتا ہے کہ

مجھے روایت اس سیاق سے بخاری میں نہیں ملی۔ ص ۳۷۲

اور ہندوستانی محقق کہتا ہے کہ

یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ ص ۲۱۹

معلوم ہوا کہ حکیم صادق صرف بخاری و مسلم کا نام لیتے ہیں، اصل کتاب دیکھنے کی ان کو توفیق نہیں ہوتی ۔

(۶۳) مؤلف نے یہ لکھا ہے کہ رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ جو شخص امام سے قبل سر اٹھاتا ہے یا سجدے میں جاتا ہے تو جان لینا چاہئے کہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے، اور حوالہ دیا ہے مؤطا کا ۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے ۔

یہ حضرت ابوہریرہ پر موقوف ہے مرفوع حدیث نہیں ۔ اسلئے مؤلف کا یہ کہنا کہ رسول خدا فرماتے ہیں صحیح نہیں ہے ۔ صہ ۳۷۵

اور ہندوستانی محقق کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موقوفاً مروی ہے ۔ صہ ۲۲۱

یعنی حکیم صاحب نے حضرت ابوہریرہ کے قول کو حضور کی طرف منسوب کر دیا ۔ یہ بات احتیاط کے نہایت خلاف ہے مگر حکیم صاحب اس کا خیال نہیں رکھتے ۔

(۶۴) مؤلف نے وتر میں دعائے قنوت کے بارے میں لکھا ہے ۔

وہ کلمات یعنی دعاء قنوت یہ ہے جو آخری رکعت میں بعد رکوع پڑھتے ہیں ۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے ۔

وتر میں دعائے قنوت کا محل رکوع سے قبل ہے، مؤلف نے حاشیہ میں روایات ذکر کی ہیں ان کا تعلق قنوت حوادث نازلہ سے ہے ۔ قنوت وتر سے نہیں ۔ صہ ۳۹۳ پھر صہ ۲۹۵ میں لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل قول اور صحابہ کے عمل سے دعاء قنوت رکوع سے قبل ہی ثابت ہے پھر اس کی تفصیل بیان کی ہے ۔ صہ ۳۹۸

اور ہندوستانی محقق مؤلف کی اس تلبیس پر کہ اس نے جو حوادث و مصائب کے وقت قنوت پڑھی جاتی تھی اس کا تعلق قنوت وتر سے کر دیا ہے، کوئی لب کشائی نہیں کی ۔

(۶۵) مؤلف فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہی طریقہ جاری رہا (یعنی لوگ تراویح فرداً فرداً پڑھا کرتے تھے) حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کے

ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا پھر حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنے کا حکم دیا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔ ھذا قول الزھری اظن ان معمرا قد ادرجہ فی نفس الخبر کما صرح مالک فی روایۃ عنہ۔ صـ۲۱۲

یعنی یہ حضرت زہری کا قول ہے میرا خیال ہے کہ اس کو معمر نے اصل خبر میں شامل کر دیا ہے جیسا کہ امام مالک نے اپنی ایک روایت میں اس کی تصریح کی ہے۔

اور یہی بات ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے۔ صـ۲۴۳

یعنی مؤلف صاحب کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حقائق کیا ہیں، کونسا قول زہری کا ہے اور اصل روایت کیا ہے۔ یہ اسلئے کہ مصنف محض دوسروں سے نقل کرتا ہے خود اس کی کوئی تحقیق نہیں ہوتی۔

(۶۶) مؤلف نے لکھا ہے

عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے اور حوالہ دیا ہے مؤطا کا۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

مؤلف کا یہ کہنا کہ عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے، اس سے سمجھنے والا یہی سمجھے گا کہ مؤطا میں اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث ہے، مؤلف نے پہلے بھی اس غسل کو سنت کہا ہے جبکہ مؤطا میں ابن عمر کا فعل ہے کوئی مرفوع روایت نہیں۔ صـ۲۴۳

اور ہندوستانی محقق صرف یہ کہہ کر رہ جاتا ہے کہ یہ ابن عمر کا فعل ہے، اس طرح وہ مؤلف کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ صـ۲۶۰

(۶۷) مؤلف فرماتے ہیں کہ جس کی عید کی نماز فوت ہو جائے تو وہ علحدہ پڑھ لے اور حوالہ دیا ہے بخاری شریف کا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

اس بارے میں امام بخاری نے حضرت انس بن مالک عکرمہ اور عطا کے آثار معلق

روایت کئے ہیں، کوئی مرفوع حدیث روایت نہیں کی اور نہ ہی اس بارے میں کوئی مرفوع روایت ہے، مگر مؤلف کے انداز سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بخاری میں اس بارے میں کوئی مرفوع روایت ہے۔ ص۲۶۴

اور ہندوستانی محقق یہاں بھی صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ حضرت انس کا اثر ہے مرفوع حدیث نہیں۔ ص۲۶۳

یعنی لقمان سلفی صاحب مؤلف کی بد احتیاطی کیئے یا جہالت پر پوری کوشش کرتے ہیں کہ پردہ پڑا رہے، دوسروں کے قول کے بارے میں یہ ظاہر کرنا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، پہلے درجہ کی تلبیس ہے اور حضور کے اس ارشاد کے تحت یہ تلبیس آتی ہے آپ نے فرمایا جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جسے میں نے نہیں کہا ہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، اور حکیم صادق مسلسل یہ حرکت کرتے ہیں کہ اقوال ہوتے ہیں دوسروں کے اور اس کو وہ حضورؐ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، جس پر پاکستانی محقق باربار تنبیہ کرتا ہے۔

(۶۸) مؤلف ،،عیدین کی نماز کا طریقہ،، کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

۔ پھر سینہ پر ہاتھ باندھ کر دعا افتتاح اللّٰہم باعد بینی یا سبحانک اللّٰہم پڑھیں، اور حوالہ دیا ہے ابن خزیمہ کا۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

مؤلف نے یہاں حوالہ دینے کا غلط انداز اختیار کیا ہے کیونکہ انھوں نے پہلے سینہ پر ہاتھ باندھنے کیلئے ابن خزیمہ کا حوالہ دیا ہے، اپنے پورے کلام کیلئے نہیں۔ ص۲۵

اور ہندوستانی محقق کچھ نہیں کہتا خاموشی سے گذر جاتا ہے۔ ص۲۶۴

مؤلف لکھتا ہے۔

پھر امام اونچی آواز سے اور مقتدی آہستہ الحمد شریف پڑھیں پھر امام اونچی آواز سے قرأت پڑھے اور مقتدی چپ چاپ سنیں، اور حوالہ دیا ہے صحیح مسلم کا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف کے انداز سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے یا سمجھنے والا یہی سمجھے گا کہ اس طرح سے پوری کی پوری حدیث مسلم میں ہے، جبکہ اس طرح سے مسلم میں تو کجا حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملے گی۔ ص۴۵۱

اور ہندوستانی محقق مؤلف کے اس حوالہ سے اس حدیث کے بارے میں کوئی لب کشائی نہیں کرتا۔ ص۲۶۵

(۶۹) مؤلف نے عیدین کے مسنون قرأت کے بیان میں کہا ہے کہ سورہ ق، اقتربت الساعۃ، سبح اسم اور ھل اتاک پڑھنا چاہئے کہ یہی مسنون ہے اور حوالہ دیا ہے ترمذی کا، جبکہ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ ص۴۵۲

اور ہندوستانی نسخہ ص۲۶۵ مسلم کو چھوڑ کر ترمذی کا حوالہ دینا اہل علم کا کام نہیں ہے اصل میں مؤلف حدیثیں تو نقل کرتا ہے مشکوٰۃ سے اور حوالہ دیتا ہے اصل مرجع کا، یہ انتہائی درجہ کی تلبیس ہے۔

(۷۰) مؤلف نے ترمذی ابن ماجہ اور دارمی سے کثیر بن عبداللہ کی روایت سے عیدین کی نماز میں بارہ تکبیر والی حدیث نقل کی ہے۔

پاکستانی محقق کہتا ہے، اس حدیث کی سند نہایت ضعیف ہے۔ ص۴۵۲

(۷۱) اور ایک دوسری حدیث جعفر بن محمد کی مرسل روایت کی اس کے بارے میں پاکستانی محقق کہتا ہے، یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند نہایت ضعیف ہے ص۴۵۳۔ لقمان سلفی بھی یہی کہتے ہیں، اور وہ "انتہائی ضعیف" کہتے ہیں۔

اس سے عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہنے کی حقیقت واضح ہوگئی مگر جب بات اپنی ہو تو نہایت ضعیف حدیث بھی نہایت صحیح حدیث ہو جاتی ہے اور اس پر عمل کرنا عین صواب ہو جاتا ہے۔ "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

(۷۲) مؤلف نے چاند اور سورج گہن کی نماز کے بیان میں صحیح مسلم کی ایک روایت ذکر کی ہے۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

مؤلف نے اس حدیث کو مسلم سے منسوب کیا ہے جبکہ یہ بخاری میں بھی ہے۔ ص ۴۵۴
اور ہندوستانی محقق مصنف کے اس عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ص ۲۶۷

(۷۳) مؤلف نے ایک اور حدیث اس بارے کی نقل کر کے مسلم سے منسوب کیا ہے جبکہ وہ بھی بخاری میں ہے۔

پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

مؤلف نے اس حدیث کو بھی مسلم ہی سے منسوب کیا ہے جبکہ یہ بھی بخاری میں ہے (ص ۴۵۵) یہاں بھی ہندوستان کا محقق ہونٹ دبائے ہوئے خاموشی سے گذر جاتا ہے مؤلف کے اس غیر علمی انداز یا جہالت پر کچھ نہیں کہتا۔ ص ۲۶۷

(۷۴) مؤلف گہن ہی کے بارے میں لکھتا ہے۔

پھر نماز سے فارغ ہو کر گرہن صاف ہونے تک لوگوں کو خطبہ (وعظ ونصیحت) سنائے، اور حوالہ دیا ہے ابوداؤد کا۔

اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

ابوداؤد میں کوئی ایسی روایت نہیں جس میں گہن صاف ہونے تک خطبہ دینے کی صراحت ہو، ہاں دعا کا ذکر ہے، مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ ص ۴۵۶

اور ہندوستانی محقق کچھ نہیں کہتا کہ مؤلف نے جو حوالہ دیا ہے صحیح ہے یا غلط بلکہ اِدھر اُدھر کی بات کر کے مؤلف کی بات بنانا چاہتا ہے۔ ص ۲۶۸

(۷۵) مؤلف نے مسلم اور ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورؐ نے ہر رکعت میں تین تین اور چار چار رکوع بھی کئے اور حضورؐ نے ہر رکعت میں پانچ پانچ رکوع بھی کئے ہیں۔

پاکستانی محقق کہتا ہے۔

ہر رکعت میں دو رکوع یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور یہی سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ درست یہی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو رکوع کے ساتھ نماز پڑھی۔ ص ۴۵۶

اور ہندوستانی محقق لکھتا ہے۔ مؤلف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے سورج گہن کی نماز متعدد بار پڑھی ہے جب کہ آپ نے یہ نماز صرف ایک بار پڑھی ہے، بلکہ آپ کے زمانہ میں سورج گہن والا واقعہ بھی ایک مرتبہ پیش آیا۔ ص ۲۶۹ اور ابوداؤد والی روایت جس میں پانچ پانچ رکوع کا ذکر ہے اس کو شاذ بتلایا ہے۔ ص ۲۲۸

جب گہن کی نماز آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پڑھی تو یا تو ہر رکعت میں رکوع دو بار کیا ہوگا یا چار بار، یا پانچ بار، مگر اہلحدیث حضرات کے یہاں آپ نے ایک ہی نماز میں یہ سارے رکوع کئے، اور مؤلف تو کمال کے آدمی ہیں بقول غیر مقلدین محققین جو حدیث سب سے صحیح تھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

(۷۶) مصنف نے عبید بن عمیر کی ایک روایت ذکر کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ میں (ایک بار) سورج گہن ہوا تو آپ نے لوگوں کے ساتھ بڑی دیر تک قیام کیا ہر ایک رکعت میں تین مرتبہ رکوع کیا۔ اس روز کھڑے کھڑے بعض لوگوں کو اس قدر غشی آیا کہ ان پر پانی کے ڈول بھر بھر کے چھڑکے گئے، اور حوالہ دیا ہے ابوداؤد کا۔ اس پر پاکستانی محقق لکھا ہے۔

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے اور حضرت عائشہ سے اس کے راوی عبید بن عمیر ہیں اور عبید تابعی ہیں صحابی نہیں، لہذا مؤلف کا ان کا نام لے کر اسکے اوپر رضؓ لکھنا صحیح نہیں ہے، یہ حدیث غشی وغیرہ کے ذکر کے بغیر صحیح مسلم میں مطول مروی ہے۔ ص ۵۸۴

یعنی محقق نے یہاں حکیم صاحب کی دو غلطی پکڑی، ایک تو انھوں نے تابعی کو صحابی سمجھ کر اس پر رضی اللہ عنہ کا نشان لگایا، دوسرے جو روایت مسلم میں بھی ہے اس کو ابوداؤد سے نقل کیا مسلم کا نام تک نہیں لیا۔

خیر مؤلف کی جہالت و بد احتیاطی اور طریقہ محدثین سے ناواقفیت اس کتاب میں جگہ جگہ ہے جس کا مشاہدہ ناظرین کرتے آرہے ہیں۔ تعجب تو ڈاکٹر لقمان سلفی پر ہے کہ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں عبید بن عمیر کو صحابی ہی سمجھا اور ان کے ساتھ پورا رضی اللہ عنہ لکھا۔ ص ۲۲۹

(۷۷) عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کہتے ہیں کہ حضور نماز استسقاء کیلئے تشریف لے گئے، آپ نے دو رکعت پڑھائیں جن میں آپ نے آواز سے قرأت پڑھی۔ مؤلف نے اس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد کا حوالہ دیا ہے۔ پاکستانی محقق کہتا ہے۔

" مؤلف نے اس حدیث کو ابوداؤد سے منسوب کیا ہے جب کہ یہ بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ص ۴۶۳

اور ہندوستانی محقق اس پر کوئی گرفت نہیں کرتا۔ ص ۲۷۲

(۷۸) مؤلف نے ابوداؤد سے حضرت ابودرداء وابوذر کی نماز اشراق کے بیان میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے، اور حوالہ دیا ہے ترمذی اور ابوداؤد کا، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

" مؤلف نے حدیث ابودرداء اور ابوذر کو ابوداؤد سے بھی منسوب کیا ہے اور یہ غلط ہے کیونکہ ابوداؤد میں نعیم بن ہمار کی حدیث ہے ابودرداء اور ابوذر کی نہیں۔ ص ۴۶۵

اور ہندوستان کا محقق مؤلف کی اس غلطی کو چھپاتا ہے اور صرف ترمذی کا حوالہ دیکر خاموش ہو جاتا ہے۔ ص ۲۷۵

(۷۹) مؤلف نے نماز تسبیح کے اخیر میں پڑھنے کی جو دعا نقل کی ہے۔ اس کے بارے میں پاکستانی محقق کہتا ہے یہ مجھے نہیں ملی۔ ص ۴۶۸

اور ہندوستانی محقق کہتا ہے سخت ضعیف ہے، اور کہتا ہے کہ اسے طبرانی نے اوسط میں اور ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔ ص ۲۷۸

(۸۰) مؤلف نے بیمار پر پڑھنے کی ایک یہ دعا ذکر کی ہے۔ لا باس طہور ان شاء اللہ اور حوالہ دیا ہے بخاری و مسلم کا۔ پاکستانی محقق کہتا ہے۔

" مؤلف نے بخاری کے ساتھ مسلم کا بھی حوالہ دیا ہے مگر یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ ص
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ادھر ادھر سے روایت نقل کرکے اگر وہاں بخاری کا حوالہ ہے یہ سمجھ کر کہ جب یہ بخاری میں ہے تو مسلم میں ضرور ہوگی، بخاری کے ساتھ مسلم کا

نام بھی لے لیتا ہے جب کہ اس کی نظر نہ بخاری پر ہوتی ہے اور نہ مسلم پر، ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے کہ یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے ۔

(۸۱) اسی سلسلہ کی ایک حدیث مؤلف نے بخاری و مسلم سے نقل کی ہے جب حضور انورؐ بیمار ہوئے تو دم کرتے اپنے اوپر معوذات سے الخ اور پھر ملاحظہ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے ، دوسرے مریض پر بھی ان کے ساتھ دم کیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ معوذات پڑھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بیماری کی حالت میں دم کرتی تھیں اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے ۔

,, مؤلف علیہ الرحمہ نے ملاحظہ کے عنوان کے تحت آخر میں جو یہ ذکر کیا ہے کیوں کہ حضرت عائشہ معوذات پڑھ کر آنحضورؐ پر دم کیا کرتی تھیں ۔ دراصل یہ حدیث مذکور ہی کا ٹکڑا ہے مگر مؤلف کے انداز سے پتہ چلتا ہے یہ کوئی دوسری حدیث ہے ۔ ص۲۷۳

ہندوستانی محقق اس پر کوئی تنبیہ نہیں کرتا وہ جگہ جگہ مؤلف کی جہالتوں پر پردہ ڈالتا ہے ۔

(۸۲) مؤلف نے نماز جنازہ کی دعا ذکر کر کے مسلم شریف کا حوالہ دیا ہے ۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے ۔

مؤلف نے اس حدیث کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ مسلم میں نہیں ہے ، غالباً انھوں نے اسے بلوغ المرام سے نقل کیا ہے اس میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ۔ رواہ مسلم الدرایۃ ،، ص۲۸

یعنی وہی بات کہ مؤلف تو حدیث کہیں اور سے نقل کرتے ہیں اور حوالہ دوسروں پر اعتماد کر کے کسی اور کتاب کا دیتے ہیں ۔ یہ نہایت درجہ کی تلبیس ہے کہ حدیث تو کہیں اور سے نقل کی جائے اور حوالہ کسی اور کتاب کا دیا جائے ۔ ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے کہ یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے ۔

(۸۳) مؤلف نے جنازہ کے مسائل کے عنوان کے تحت لکھا ہے ۔

جنازہ میں امام کو قرأت، دعا اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے۔ اور حوالہ دیا ہے مسلم کا، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"جنازہ میں بلند آواز سے قرأت کی صراحت نہ تو صحیح مسلم میں ہے اور نہ ہی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے بلکہ جنازہ میں سرًّا قرأت کرنا الفں صریح سے ثابت ہے۔ ص۴۸۳"

اور یہی بات ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے، جب مؤلف کا یہی حال ہے کہ حدیث کی کتابوں کا نام لے کر غلط مسئلہ بیان کرتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرتا ہو تو اس کی صلوٰۃ الرسول کتاب کا کیا اعتبار اور اس کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا صحیح طریقہ کیسے سیکھا جائے گا۔

(۸۴) مؤلف نے نماز جنازہ میں تکبیر کہنے کے بارے میں لکھا ہے۔ نماز جنازہ کی تکبیریں چار، پانچ، چھ سبھی کہہ سکتے ہیں، اور حوالہ دیا ہے مسلم اور بخاری کا، اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف نے چار پانچ چھ تکبیروں کے لئے بخاری اور مسلم کا حوالہ دیا ہے اور یہ صحیح نہیں، پانچ تکبیروں کا ذکر مسلم میں ہے۔ بخاری میں نہیں اور چھ تکبیروں کا ذکر دونوں ہی میں نہیں ہے، اسی طرح انھوں نے بخاری سے قبل مسلم کا ذکر کیا ہے جو کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ ص۴۸۵"

اور ہندوستانی محقق بھی یہی کہتا ہے کہ پانچ تکبیروں کا ذکر صرف مسلم میں ہے اور چھ تکبیروں کا ذکر ان دونوں کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہے۔ ص۲۸۷

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صادق صاحب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کس بے دھڑک طریقے سے وہ بات منسوب کرتے ہیں جس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں ہوتا، اور بخاری و مسلم کا نام لے کر کیسی کیسی جاہلانہ حرکت کرتے ہیں۔

(۸۵) مصنف نے لکھا ہے کہ جنازے کی نماز مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں اور

حوالہ دیا ہے بخاری شریف کا جب کہ بخاری میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔

(۸۶) مصنف نے دعا کے سلسلہ کی ایک حدیث ایسی ذکر کی ہے کہ دو حدیثوں کو خلط ملط کر دیا ہے، اور سب کے لئے حوالہ دیا ہے ابن حبان کا۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف نے اس حدیث کیلئے حوالہ دیا ہے ابن حبان کا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن حبان میں پہلی حدیث ہے یہ نہیں۔ ص ۵۰۱

اور ہندوستانی محقق لکھتا ہے۔

یہ دو مختلف حدیثیں ہیں، پہلی حدیث یہ انتہائی ضعیف ہے اور دوسری حدیث ترمذی کی ہے اور حسن ہے۔ ص ۲۹۴

مؤلف نے ایک عنوان قائم کیا ہے۔

(۸۷) "تمام مطالب و حوائج کیلئے ایک مجرب التاثیر وظیفہ"

اور اس کے تحت دعا حضرت یونس علیہ السلام لاالٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظّٰلمین۔ لکھا ہے، اور پھر اس کے پڑھنے کے تین طریقے لکھے ہیں۔

پاکستانی محقق ان طریقوں کو خلاف شریعت بتلاتے ہوئے لکھتا ہے۔

"مجھے نہایت تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیین میں کدھر سے گھس آئیں باللہ علیکم کیا اس قسم کی باتیں اللہ عزوجل کی ذات اقدس سے استہزاء کے مترادف نہیں ہیں؟ یہ طریقے کس آیت قرآنی یا کس حدیث نبوی سے ماخوذ ہیں یا کسی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کا ثبوت ملتا ہے یا تابعین یا تبع تابعین سے یہ منقول ہیں؟ ص ۵۰۲

اور ہندوستانی محقق لکھتا ہے

"مذکورہ تینوں طریقے کسی قرآنی آیت یا حدیث سے ماخوذ نہیں، یہ بدعت پر لیجانے والا عمل ہے۔ ص ۲۹۷

(۸۸) اسی کے ضمن میں مؤلف نے ایک حدیث بھی ذکر کی ہے، اور حوالہ دیا ہے مسند احمد کا

پاکستانی محقق کہتا ہے کہ حوالہ غلط ہے، یہ حدیث مسند احمد میں نہیں بلکہ مستدرک حاکم میں ہے صـ۵۰۴ اور ہندوستانی محقق مؤلف اس غلط حوالہ پر خاموش ہے بلکہ حاکم کا حوالہ دیکر "وغیرہ" کہہ کر مصنف کی عیب پوشی کرتا ہے۔ صـ۲۹۲

(۸۹) مؤلف نے ایک عنوان قائم کیا ہے "مخلوق کے شر سے بچنے کا حصار" اور اس کے لئے حسبنا اللہ الخ کا عمل لکھا ہے اور اس کے دو طریقے لکھے ہیں۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

اس کو مخصوص طرق اور مقررہ تعداد سے پڑھنا اس پر شرعاً کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ طریقے اور مقررہ تعداد مردود ہے۔ صـ۵۰۶

اور ہندوستانی محقق بھی پاکستانی محقق کی موافقت کرتا ہے۔ صـ۲۹۸

(۹۰) مؤلف نے "قرآنی رزق کے اعمال" کا عنوان قائم کر کے اس کیلئے جو دعائیں اور ان کے پڑھنے کے جو طریقے لکھے ہیں، اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"(ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا) کی رٹ لگانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے اور تقاضہ یہ ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی جائے۔ صـ۵۰۹ پھر لکھا ہے کہ

(۹۱) مؤلف نے دوسری دعا کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے والد کا تجربہ لکھا ہے۔ تو گذارش ہے کہ وظائف و اذکار کے صحیح و غیر صحیح موثر یا غیر مؤثر ہونے کے لئے کسی بزرگ کا تجربہ کسوٹی نہیں ہے۔ صـ۵۱۱

اور ہندوستانی محقق بھی پاکستانی محقق کی بات کو دھراتا ہے۔ صـ۳۰۰

(نوٹ) لقمان سلفی نے جو اپنی تحقیق سے صلوٰۃ الرسول شائع کی ہے اس کا ۷۵ فی صد سے زیادہ مواد پاکستانی محقق کی کتاب سے اخذ کیا ہے اور اس کتاب کا حوالہ دیئے بغیر جگہ جگہ اس کی باتوں اور اس کی تحقیقات کو ذکر کرتا ہے، یہ علمی سرقہ ہے۔
(ناظرین اسکو نوٹ کرلیں)

(۹۲) مؤلف نے سوار ہونے کی جو دعا لکھی ہے اس کے بارے میں پاکستانی محقق کہتا ہے۔

" مؤلف نے جس طرح سے یہ دعا ذکر کی ہے اس طرح سے کسی کے ہاں نہیں۔ ص۵۱۷

اور ہندوستانی محقق کہتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس دعا کے شروع میں الحمد للہ کے بعد جو الفاظ ذکر کئے ہیں یہ اس حدیث میں نہیں ہیں۔ ص۳۰۳

یعنی دونوں محققوں کا اتفاق ہے کہ مؤلف نے یہ دعا اپنی طرف سے گرھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے، البتہ ہندوستانی محقق مؤلف کی پوزیشن بچانے کی کوشش میں ہے اسلئے کہ وہ لکھتا ہے کہ " مؤلف نے جو دعا ذکر کی ہے وہ " اس حدیث میں نہیں ہیں " یعنی دوسری حدیث میں ہیں، جبکہ پاکستانی محقق صاف گوئی سے کام لیتے ہیں کہتا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ دعا حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

(۹۳) مؤلف نے آئینہ دیکھنے کی جو دعا ذکر کی ہے اس کو ابن حبان نے نقل کیا ہے یعنی حوالہ اس کا دیا ہے۔ پاکستانی محقق کہتا ہے۔

" مذکورہ حدیث میں یہ قطعا صراحت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ کلمات آئینہ دیکھتے وقت پڑھا کرتے تھے۔" ص۵۱۸

اور ہندوستانی محقق لکھتا ہے۔

" واضح رہے کہ اس حدیث میں قطعاً یہ صراحت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو آئینہ دیکھتے وقت پڑھا کرتے تھے۔" ص۳۰۲

(۹۴) مؤلف نے اول رات چاند دیکھنے کی دعا ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

اللھم اھله بالیمن والایمان والسلامة والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی، اور حوالہ دیا ہے ترمذی کا۔ اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے ص۵۱۹

اور بعینہٖ یہی بات ہندوستانی محقق بھی کہتا ہے۔ ص۳۰۳

(۹۵) مؤلف بادل گرجنے کے وقت کی دعا نقل کر کے حوالہ بخاری کا دیا ہے، جب مطلقاً حوالہ بخاری کا دیا جاتا ہے تو اس سے صحیح بخاری ہوتی ہے۔ جبکہ یہ دعا بخاری شریف میں نہیں بلکہ حضرت امام بخاری کی دوسری کتاب الادب المفرد میں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی محقق اس حدیث کو جس میں یہ دعا ہے ضعیف بتلاتا ہے ص۳۰۳ مگر مؤلف پر اللہ رحم کرے وہ تلبیس سے بہت زیادہ کام لیتا ہے۔

پاکستانی محقق کی بھی یہی تحقیق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ص۵۲۰

(۹۶) مؤلف نے گھر میں داخل ہونے کی دعا لکھ کر حوالہ دیا ہے نسائی کا۔ پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

مؤلف نے اس حدیث کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ نسائی میں نہیں ابوداؤد میں ہے۔ ص۵۲۲

ہندوستانی محقق بھی یہی کہتا ہے اور اس حدیث کو ضعیف بھی بتلاتا ہے۔ ص۳۰۴

(۹۷) مؤلف نے رات کو سونے کی دعا پڑھنے کا ذکر کر کے ابوداؤد کی حدیث کا حوالہ دیا ہے اس پر پاکستانی محقق لکھتا ہے۔

"مؤلف نے اس حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ یہ بخاری ومسلم میں بھی ہے۔ ص۵۲۳

بخاری ومسلم میں جو دعا اور حدیث ہو ان کتابوں کو چھوڑ کر ابوداؤد کا حوالہ دینا یہ علمی دیوالیہ پن ہے۔

(۹۸) مؤلف نے بے خوابی کی دعا حصن حصین سے نقل کی ہے، اس پر دونوں محققین کہتے ہیں کہ جس حدیث میں یہ دعا ہے وہ سخت ضعیف ہے پاکستانی ص۵۲۳ ہندوستانی ص۳۰۵

(۹۹) مؤلف نے سو کر جاگنے کے وقت کی دعا بلا حوالہ نقل کی ہے، پاکستانی محقق کہتا ہے کہ یہ بخاری میں بھی ہے، اور کہا ہے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ ص۵۲۴ اگر میں نے محقق کی بات کو صحیح سمجھا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ محقق کے نزدیک بخاری کی بھی بعض احادیث

یں ضعف ہے۔

(۱۰۰) مؤلف نے مصافحہ کی دعا جن الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ کے حوالہ سے نقل کی ہے پاکستانی محقق کہتا ہے کہ مؤلف نے مصافحہ کی دعا ذکر کرنے کے بعد مشکوٰۃ کا حوالہ دیا ہے، مشکوٰۃ میں ان الفاظ کے ساتھ کوئی دعا نہیں ہے ص۵۳۱

اور ہندوستانی محقق اس طرح کی کوئی بات کہنے سے خاموش ہے۔

(۱۰۱) مؤلف نے بچوں کے جنازے کی دعا ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

اللّٰھم اجعلہ لنا سلفاً وفرطا وذخراً واجراً اور حوالہ دیا ہے بخاری شریف کا، پاکستانی محقق کہتا ہے کہ بخاری میں یہ دعا اس طرح ہے۔ اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً وسلفاً واجراً۔ ص۵۳۵ اس میں مصنف نے ذخراً کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ اور سلفاً کو پہلے اور فرطاً کو بعد میں لکھا ہے جب کہ بخاری میں اس کے الٹا ہے، اصل میں مؤلف کو نہ بخاری دیکھنے کی توفیق ہوتی نہ مسلم کی احادیث نقل کرتا ہے مشکوٰۃ سے اور حوالہ دیتا ہے اصل کتاب کا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ہم بھی پانچوں شہسواروں میں سے ہیں، ہندوستانی محقق مؤلف کے اس عیب کو چھپاتا ہے۔ ص۳۱ اور وہ بھی بخاری کا حوالہ دیتا ہے اور بخاری سے اصل الفاظ نقل نہیں کرتا تاکہ مؤلف کے عیب پر پردہ پڑا رہے۔

(۱۰۲) مؤلف نے فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ کر پڑھنے کی دعا کا عنوان قائم کر کے یہ دعا نقل کی ہے۔

اللّٰھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً وعن یساری نوراً وفوقی نوراً وتحتی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً واجعل لی نوراً وفی لسانی نوراً وعصبی نوراً ولحمی نوراً ودمی نوراً وشعری نوراً وبشری نوراً واجعل فی نفسی نوراً واعظم لی نوراً واعظمنی نوراً۔ اور حوالہ دیا ہے بخاری شریف کا۔

اس پر پاکستانی محقق کہتا ہے کہ یہ دعا بخاری کے علاوہ اور بھی کتابوں میں ہے،

مگر کسی کتاب میں فجر کی سنتوں کے پڑھنے کی صراحت نہیں ہے اسلئے مؤلف کا اس کے لئے بخاری کا حوالہ دینا غیر صحیح ہے۔ ص۵۳۶

میں کہتا ہوں کہ بخاری نے اس دعا پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، یعنی رات کو جاگنے کے بعد کی دعا، فجر کی سنت سے اس دعا کا بخاری کے نزدیک کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور دوسری بات جو پاکستانی محقق نے بھی نہیں کہی وہ یہ ہے کہ بخاری میں یہ دعا صرف "واجعل لی نوراً" تک ہے اور بقیہ خط کشیدہ الفاظ کا بخاری میں کوئی ذکر نہیں ہے، معلوم نہیں مصنف نے ان الفاظ کو کہاں سے گڑھ کر پالے کر انکو بخاری کی طرف منسوب کر دیا ہے، بہر حال مؤلف کی جرأت قابلِ داد ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ بات منسوب کرنے میں بہت ڈھیٹ واقع ہوا ہے جو حضور کی زبان پاک سے نکلی ہی نہیں ہے۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ ڈاکٹر لقمان سلفی صاحب بھی حوالہ دے رہے ہیں بخاری ومسلم کا غالباً جناب والا کو بھی ان کتابوں کو دیکھنے کی توفیق نہیں ہوئی ہے۔ بس ہوا میں تیر چلا رہے ہیں، مسلم شریف کا جو حوالہ دیا ہے تو اس کی حدیث کا نمبر ۷۶۳ لکھا ہے، اس نمبر کی جو حدیث ہے اس کو مسلم اس باب کے تحت لا رہے ہیں۔ باب صلوٰۃ النبی ودعائہ۔

آخری بات!

کتاب "صلوٰۃ الرسول" مصنفہ مولانا حکیم صادق صاحب سیالکوٹی جس کا غیر مقلدین کے حلقہ میں بڑا شور ہے، اور جس کی اشاعت بڑے پیمانہ پر کیجا رہی ہے، اسکی حقیقت جاننے کیلئے میری یہ مختصر تحریر کافی ہے، اس مضمون میں میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے، ساری تحقیقات خود غیر مقلدین کی جماعت کے دو بڑے عالم کی ہے۔ میں نے اس کتاب کی تمام ضعیفوں کو ذکر نہیں کیا ہے جن پر دونوں محققین نے ضعیف یا سخت ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے ــــ اس کا تفصیلی ذکر میرے رسالہ "صلوٰۃ الرسول پر ایک نظر" میں ہے، اس رسالہ کا مطالعہ بھی قارئین کیلئے بہت مفید اور نظر کشا ہوگا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الامام الاعظم

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شخصیت وہ نیر تاباں ہے جس کی نظیر اسلام کی تاریخ میں بہت کم ہے، ان کے علم و فضل کا آفتاب ان کے زمانہ وجود سے لے کر آج تک چمک رہا ہے، شہرت و مقبولیت میں اللہ نے ان کو جو مقام عطا کیا ہے، اس کی مثال دنیائے فضل و کمال میں نادر ہے۔

امام ذہبی نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔ الامام، فقیہ الملة عالم العراق۔

حضرت امام ابو حنیفہ کی پیدائش مشہور قول کی بنا پر ۸۰ھ میں ہوئی، اس وقت متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے اس وجہ سے بہت سے لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان صحابہ کرام میں سے بعض سے انھوں نے احادیث روایت کی ہے، کچھ لوگوں نے صحابہ کرام سے امام ابو حنیفہ کی روایت کا انکار کیا ہے

مگر اس پر تو تقریباً سارے محدثین واصحاب سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ حضرت امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، اس طرح وہ تابعی یقیناً ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مصداق ہیں۔ طوبیٰ لمن رأنی ورأی من رأنی اس شخص کیلئے خوبی ہو جس نے مجھ کو دیکھا یا اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہے۔ اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس خدائی بشارت میں بھی داخل ہیں جس کا اعلان اللہ نے کتاب مقدس میں "رضی اللہ عنھم" سے کیا ہے۔

حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ولد سنۃ ثمانین فی حیاۃ صغار الصحابۃ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور یہ زمانہ ان صحابہ کرام کا تھا جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کم سنی میں دیکھا تھا۔

اور فرماتے ہیں کہ رأی انس بن مالک لما قدم علیھم الکوفۃ، یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو حضرت امام اعظم ان کی رویت وزیارت سے مشرف ہوئے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حدیث وفقہ کی تعلیم کبار تابعین کی ایک بہت بڑی تعداد سے حاصل کیا تھا، جن اساتذہ سے آپ نے تعلیم حاصل کی تھی ان میں کچھ ہی کا تذکرہ سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذہبی نے کیا ہے۔ اور ان کچھ کی بھی تعداد تقریباً تینتالیس ہے، ان سب کا نام لینے کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں وخلق سواھم یعنی ان کے سوا بھی امام کے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت ہے، امام ذہبی نے جن اساتذہ کا نام لیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

عطاء بن رباح، امام شعبی، عکرمہ، عمرو بن دینار، طلحہ بن نافع، نافع مولیٰ ابن عمرؓ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن دینار، حماد بن ابی سلمان، سعید بن مسروق ابوجعفر باقر، سماک بن حرب، ابن شہاب زہری وغیرہ۔

یہ ان چند ناموں میں سے ہیں جن کو امام ذہبی نے امام کے اساتذہ کے ضمن میں ذکر کیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ ان میں ہر ایک حدیث وفقہ میں امامت کے درجہ پہ فائز تھا۔ احادیث کی کتابوں میں یہ نام بکثرت ملتے ہیں۔

امام اعظم سے جن لوگوں نے استفادہ کیاہے اوران کی شاگردی سے مفتخر ہوئے ہیں ان کی تعداد بھی بہت ہے ۔ حدث عنہ خلق کثیر یعنی امام ابوحنیفہ سے ایک کثیر مخلوق نے حدیث بیان کی ہے ۔ امام ذہبی نے جن لوگوں کو نام بنام ذکر کیاہے ان کی تعداد میرے شمار کے مطابق ستانوے ہے ۔ جن میں بڑے بڑے ائمہ حدیث وفقہ ہیں۔ جن پر محدثین کی کتابوں میں اعتماد کیا گیاہے ، ان میں سے ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو صحاح ستہ کی احادیث کی سندوں میں آتے ہیں ۔

امام کے چند مشہور تلامذہ یہ ہیں

ابراہیم بن طہمان ، عالم خراسان ، اسباط بن محمد ، اسد بن عمر البجلی ، اسماعیل بن یحییٰ الصیرفی ، ایوب بن ہانی ، جارود بن یزید نیشاپوری ، جعفر بن عون ، حفص بن الفرات القاضی ابن عطیہ العوفی ، ابومطیع حکم بن عبداللہ ، حمزہ زیات ، خارجہ بن مصعب ، داؤد الطائی ، زفر بن ہذیل ، شعیب بن اسحٰق ، امام ابویوسف ، امام محمد ، یزید بن زریع ، مفرح بن ابراہیم الجامع حسن بن زیاد اللولوی وغیرہ اکابر فقہ وحدیث ۔

امام اعظم کے والد کو یہ شرف حاصل تھا کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی تھی ، اس وقت حضرت ثابت کی عمر کم تھی ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے برکت کی دعا دی تھی ، امام اعظم کے پوتے اسماعیل فرماتے ہیں کہ ہم کو امید ہے کہ ہمارے حق میں اللہ نے حضرت علی کی دعا کو قبول فرمایاہے ، حضرت اسماعیل کی یہ توقع بے جا نہیں ہے ، ثابت کی اولاد میں امام اعظم جیسا ان کا لڑکا پیدا ہوا ، پھر ثابت کا پوتا حماد جو حضرت امام اعظم کے صاحبزادہ تھے وہ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تھے ، پھر ثابت کا پڑپوتا اسماعیل بھی اپنے وقت کے جلیل القدر حدیث وفقہ کے امام تھے ، علم وفضل کا یہ سلسلہ ثابت کی کئی نسلوں میں چلا ، یہ بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے کسی اور میں بہت کم نظر آتی ہے ۔

دی گئی ہے۔

۷۔ جریر کہتے ہیں کہ مجھ سے مغیرہ نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے پاس بیٹھ کر فقہ حاصل کرو

۸۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ابوحنیفۃ افقہ الناس یعنی امام ابوحنیفہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

۹۔ امام شافعی فرماتے تھے کہ الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ یعنی لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

حضرت امام شافعی کے اس کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ذہبی فرماتے ہیں۔

قلت الامامۃ فی الفقہ ودقائقہ مسلمۃ الی ھذا الامام وھذا امر لاشک فیہ۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ فقہ اور اس کی باریکیوں میں حضرت امام اعظم کی امامت مسلم ہے یہ وہ بات ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

۱۰۔ خریبی کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی برائی کرنے والا دو میں سے ایک ہوگا، یا حاسد یا جاہل۔

(۱۱) محمد بن مزاحم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میرا حال بھی عام لوگ جیسا ہوتا، یعنی انھیں دونوں کے علم کی فیوض و برکات سے مجھے علم و کمالات کا یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جو مقام فقہ میں ہے اس سے ساری دنیا واقف ہے، اللہ نے ان کے فقہ کے ذریعہ دنیا کے بیشتر جگہوں میں اپنے دین کو کامل و مکمل شکل میں محفوظ رکھا ہے، اور مسلمانوں کی دو تہائی اکثریت فقہ حنفی ہی کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہے، اور اس طرح شریعت اسلامیہ پر ان کا عمل ہے۔

علم حدیث میں بھی حضرت امام کا مقام بہت بلند ہے، اور آپ نے اس علم کو شروع زمانہ سے ہی کبار محدثین سے حاصل کرنا شروع کیا تھا، چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ

تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ محدثین کے ساتھ آپ کا تذکرہ بھی بسط سے کیا ہے، اور سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں۔ ان الامام ابا حنیفۃ طلب الحدیث واکثر منہ فی سنۃ مائۃ وبعدھا۔ یعنی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی تحصیل ۱۰۰ھ میں اور اس کے بعد کی اور بہت زیادہ اس علم کو حاصل کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں حدیث رسول اور آثار صحابہ کس طرح محفوظ تھے، اس کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے کیجئے۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک ولیمہ میں حضرت ابو حنیفہ تھے اور بہت سے علماء جمع تھے ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے قاضی اور مشہور فقیہ بھی اس جماعت میں شریک تھے، گھر والوں نے ان علماء کرام کے سامنے چاندی کی عطردان میں عطر پیش کی، چونکہ عطردان چاندی کا تھا اس وجہ سے لوگوں کو عطر کے استعمال میں تردد ہو رہا تھا، جب امام ابو حنیفہ نے دیکھا کہ لوگ عطر استعمال نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے عطردان سے خوشبو نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پھر ہتھیلی سے لیکر اپنے بدن پر لگایا۔ اور ان علمائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس چاندی کے برتن میں حلوہ لایا گیا تو آپ نے اسکو روٹی پر الٹ دیا تھا اور پھر اس کو کھایا، حضرت امام کی اس حاضر ذہنی اور ذکاوت پر سب کو تعجب ہوا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا مقام علم و فقہ میں بلند تھا، کثرت عبادت اور ذکر الہٰی کی کثرت میں بھی آپ بہت بلند مرتبہ پر تھے، اسد بن عمرو فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔

بشر بن ولید فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یحیی اللیل صلوٰۃ وتضرعاً ودعاً۔ یعنی حضرت امام ابو حنیفہ پوری رات نماز میں اور اللہ سے عاجزی کرتے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے گذارتے تھے

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ متعدد سندوں سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ایک رکعت

امام اعظم کا فقہ وحدیث میں کیا مقام تھا آپ اس کا اندازہ محدثین کرام کے ان اقوال سے لگائیے، امام اعظم کی شان میں یہ گواہی دینے والے سب اونچے درجہ کے محدثین وفقہاء ہیں ۔

۱ ۔ حضرت یحیٰی بن معین فرماتے ہیں۔ وکان ابوحنیفۃ ثقۃ لایحدث بالحدیث الابما یحفظہ ولایحدث بما لایحفظ ۔ یعنی امام ابوحنیفہ ثقہ تھے جو حدیث ان کو یاد ہوتی اسی کو بیان کرتے تھے، جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی (خواہ وہ ان کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو) اس کو بیان نہیں کرتے تھے ۔

یحیٰی بن معین کی یہ بات نقل کرنے والے محمد بن سعد العوفی، اور اسی بات کو یحیٰی بن معین سے صالح بن محمد نے بھی نقل کیا ہے ۔

۲ ۔ حضرت امام ابویوسف فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کا کہنا تھا کہ آدمی کو صرف اسی حدیث کو بیان کرنا چاہئے جس کو اس نے سننے کے وقت ہی سے محفوظ کر لیا ہو ۔

۳ ۔ یحیٰی بن سعید قطان کہتے ہیں کہ لانکذب اللہ ما سمعنا احسن من رای ابی حنیفۃ وقد اخذنا باکثر اقوالہ ، یعنی خدا سے ہم جھوٹ نہیں بولیں، ہم نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر رائے کسی سے نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر قول کو اختیار کیا ہے ۔

۴ ۔ علی بن عاصم کہتے ہیں ۔ لووزن علم الامام ابی حنیفۃ بعلم اھل زمانہ لرجح علیھم ۔ یعنی اگر امام ابوحنیفہ کے علم کو ان کے زمانہ کے لوگوں کے علم سے تولا جائے تو امام ابوحنیفہ کا علم سب سے زیادہ ہوگا ۔

۵ ۔ حفص بن غیاث فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ بال سے بھی زیادہ باریک ہے اس کی برائی جاہل ہی کرے گا ۔

۶ ۔ حضرت اعمش سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا خوبی سے جواب نعمان بن ثابت ہی دے سکیں گے، میرا خیال ہے کہ ان کے علم میں برکت

میں پورا قرآن ختم کیا ہے، قیس بن ربیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ پرہیزگار، متقی اور اپنے دوستوں پر احسان کرنے والے تھے۔

مثنیٰ بن رجاء فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے اوپر یہ لازم کر رکھا تھا کہ اگر وہ اللہ کی سچی قسم بھی کھائیں گے تو ایک دینار صدقہ کریں گے، اور جتنا وہ اپنے گھر والوں پر خرچ کیا کرتے تھے اتنا ہی کا صدقہ کرتے تھے۔

امام ابوعاصم نبیل فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو کثرت صلاۃ کی وجہ سے کھونٹا کہا جاتا تھا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر رات کو ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے، یحییٰ بن عبدالحمید حمانی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ چھ ماہ رہے، تو انھوں نے دیکھا کہ آپ فجر کی نماز عشاء کے وضو ہی سے پڑھتے ہیں اور سحر کے وقت قرآن کا ایک ختم کرتے ہیں۔

مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ آپ نے ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا۔

غرض امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرنے کا ذکر بڑے بڑے اکابر محدثین ائمہ فقہ نے کیا ہے، اس لئے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کے ساتھ غایت درجہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور اللہ کے حضور میں آپ کا معاملہ کیسا تھا اس سے اس کا اندازہ لگتا ہے، کبھی کبھی آپ پر کسی آیت کو پڑھتے ہوئے آخرت کے استحضار کا ایسا غلبہ ہو جاتا تھا کہ اسی ایک کو دہراتے دہراتے پوری رات آپکی گذر جاتی، چنانچہ قاسم بن معن نقل کرتے ہیں کہ ان ابا حنیفۃ قام لیلۃ یردد قولہ تعالیٰ، بل الساعۃ ادھیٰ وامر، ویبکی ویتضرع الی الفجر، یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک رات نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو جب اس آیت پر پہونچے بل الساعۃ ادھیٰ وامر یعنی قیامت کا دن بڑا سخت اور دشوار ہوگا تو اس آیت کو دہراتے رہے اور روتے اور عاجزی کرتے رہے، فجر تک آپ کا یہی حال رہا۔

حدیثِ رسول کے احترام کا یہ حال تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی جو بات ہم تک پہونچے وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر ہے، یعنی اس کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آپ حسن اخلاق اور جود و سخا میں بھی اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے خریبی نے اس بارے میں ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام ابو حنیفہ کے پاس تھے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے آپ کی تحریر میں فلاں آدمی کے پاس ایک خط جھوٹ لکھا کر اس آدمی کو چار ہزار درہم دے دو (اور وہ درہم میں نے آپ کے نام پر حاصل کر لیا ہے) تو آپ نے اس نہ غصہ کا اظہار کیا اور نہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا اور نہ اس سے اس چار ہزار درہم کو واپس لیا بلکہ اس سے کہا تو یہ کہا کہ اگر تم لوگ اس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہو تو ایسا کر لیا کرو۔

یزید ابن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ بردبار نہیں دیکھا ہے۔
حضرت امام ابو یوسف آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کان ابوحنیفة ربعة، من احسن الناس صورة، وابلغهم نطقا واعذبهم نغمة وابينهم عما فی نفسه۔

یعنی امام ابو حنیفہ درمیانہ قد کے تھے، لوگوں میں بہت خوبصورت تھے، آپ کے بات کا انداز بڑا بلیغ ہوتا، لہجہ بہت شیریں تھا، اپنے دل کی بات بہت واضح اور صاف طریقہ سے ظاہر کرتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے صاحبزادہ حضرت حماد فرماتے ہیں۔

"میرے والد خوب صورت تھے، آپ کے بدن پر گندم کا رنگ نمایاں تھا، بہترین ہیئت والے تھے، بہت زیادہ خوشبو لگانے والے تھے، بڑے با ہیبت تھے، بات اسی وقت کرتے جب کسی بات کا جواب دینا ہوتا، اور بلا مقصد اور بلا ضرورت بات میں نہیں پڑتے تھے"

اور عبداللہ بن مبارک امام ابو حنیفہ رح کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔

ما رأیت رجلاً اوقر فی مجلسہ، ولا احسن سمتاً وحلماً من ابی حنیفۃ

یعنی میں نے حضرت ابوحنیفہ سے زیادہ باوقار کسی کو اس کی مجلس میں نہیں دیکھا، نہ ان سے اچھی شکل وصورت والا اور نہ ان سے زیادہ بردبار کسی کو دیکھا۔

اللہ نے امام اعظمؒ کو علم وفضل، کمالات ظاہری اور باطنی میں اور حسن اخلاق اور ذکاوت وذہانت میں جو مقام مرحمت فرمایا تھا اسکے پیش نظر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے تذکرہ کے آخر میں فرماتے ہیں۔ وسیرتہ تحتمل ان تفرد فی مجلدین رضی اللہ عنہ ورحمہ یعنی آپ کی سیرت تو اس بات کی مقتضی ہے کہ صرف آپ کے حالات میں دوجلدیں لکھی جائیں اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ پر رحم فرمائے۔

امام اعظمؒ کے اس جلالت شان اور علو منزلت اور علوم دینیہ میں آپ کے رسوخ اور رفعت شان اور اللہ کے یہاں آپ کی مقبولیت ومحبوبیت، آپ کا تقویٰ اور آپ کی پرہیزگاری اور اللہ کے حضور آپ کا تضرع اور آپ کی نیازمندی، ذات خداوندی سے آپ کا تعلق، کتاب الٰہی سے آپ کا عشق، لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ اور حسن اخلاق، آپ کی سخاوت وفیاضی، آپ کا تواضع وبےنفسی، دین کی اشاعت اور اس کی تدوین میں آپ کا دن ورات لگے رہنا، انھیں تمام چیزوں کی بنا پر لوگوں کو کہنا پڑا کہ حب ابی حنیفۃ من السنۃ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کرنا اہل سنت والجماعت میں سے ہونے کی علامت ہے۔ یہ بات جس نے کہی ہے کوئی عام آدمی نہیں ہے بلکہ وہ مشہور محدث ابومعاویہ ضریر ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۵۰ھ میں ستر سال کی عمر میں ہوا، یہی سال حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کا ہے۔

(سیراعلام النبلاء ج ۶ ص ۴۰۲)

محمد ابو بجنغازی پوری

قسط ۲۰

مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں
اور
مولانا مودودی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان ذوالنورین خلیفہ ثالث اسلام کی ان منتخب اور برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں جن کے نام اور کام سے اسلام کی تاریخ روشن ہے۔ اسلام کی راہ میں آپ کی جانی و مالی قربانیاں، اللہ و رسول کا تقرب خصوصی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دو بیٹیوں سے آپ کا رشتہ، ازواج فرشتوں کا آپ سے حیا کرنا، رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے آپ کے جنتی ہونے کا اعلان، اسلام کی راہ میں آپ کا صبر و تحمل آپ کی جود و سخا، آپ کا شرف ہجرت اور اسلام میں تقدم و سبقت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کیلئے مغفرت عام کی بشارت، بیعت رضوان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دینا، اور آپ کے زمانۂ خلافت میں اسلام کی ترقی اور وسعت اور خیر و برکت اور پھر آپ کا صبر و تحمل، آپ کی عبادت و ریاضت، آپ کی حیا و دینی غیرت، آپ کا ایام محاصرہ میں قتل و خونریزی سے دامن بچانا اور حرم نبوی کے تقدس کی حفاظت اور اخیر میں آپ کی مظلومانہ شہادت

یہ آپ کے وہ اوصاف و مناقب ہیں کہ بہت کم وہ خوش نصیب ہیں جو اس سلسلہ میں حضرت عثمان کی برابری کر سکتے ہیں۔

حضرت عثمان کے فضائل و مناقب اور آپ کی سیرت طیبہ کا اگر تفصیلی تذکرہ کیا جائے تو اس کیلئے ایک ضخیم کتاب چاہیئے، ہم یہاں اختصار کے ساتھ تبرکاً آپ کی زندگی پر ہلکی سی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

نام و نسب، خاندان

عثمان نام تھا، کنیت ابو عبداللہ اور ابو عمر تھی، دوسری کنیت زیادہ مشہور تھی۔ ابو عمر اشہر ھما۔ الاستیعاب صہ ۴۷۶/۲ ج۔ والد کا نام عفان بن ابی العاص تھا، والدہ کا نام اروی بنت کرز بن بنت ربیعہ تھا، حضرت عثمان کی نانی بیضا ام الحکیم حضرت عبداللہ بن المطلب کی سگی بہن اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

حضرت عثمان کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی اقتدار اور رسوخ کا مالک تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں سے تھے۔

لقب

آپ کا لقب ذوالنورین تھا، ذوالنورین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو آنحضورؐ کی دو صاحبزادیوں سے رشتۂ زوجیت کا شرف حاصل تھا، یہ وہ فخر ہے کہ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔

اسلام

آپ قدیم الاسلام لوگوں میں سے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

کان اسلام عثمان	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اسلام قدیم تھا
قدیما قبل دخول رسول اللہ صلی	آنحضورؐ کے دار ارقم میں جانے سے پہلے وہ
اللہ علیہ وسلم دار ارقم (طبقات صہ ۳۷/۲ ج)	مسلمان ہو چکے تھے۔

بلکہ خود حضرت عثمان سے روایت ہے کہ وہ چوتھے مسلمان ہیں چنانچہ اسد الغابہ میں ہے۔

کان یقول انی لرابع اربعة	وہ فرماتے تھے کہ میں چوتھا مسلمان ہوں

فی الاسلام ۔ (اسد الغابہ ص ۳۷۶/۳۷۰)

حضرت عثمان شروع ہی سے نیک سیرت اور نیک خصلت تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کی پند و نصیحت دل میں اتر گئی اور اسلام کے لئے آپ کا دل کھل گیا اور آپ نے آنحضورؐ کی غلامی میں اپنا سر رکھ دیا۔

اسد الغابہ میں ہے۔

اول فی الاسلام دعاہ ابوبکر الی الاسلام فاسلم ۔ (ایضًا)	شروع اسلام میں ابوبکر نے ان کو اسلام کی دعوت پیش کی اور آپ اسلام لائے۔

اسلام کی راہ میں تکالیف اور آپ کی استقامت

آپ کے اسلام لانے کی اطلاع جب خاندان والوں کو معلوم ہوئی تو سب نے اس کو خاندان کے لئے ایک حادثہ شمار کیا اور آپ کو آبائی دین کی طرف واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، یہاں تک کہ آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا۔ رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک تو اس دین سے واپس نہیں لوٹے گا میں تجھے کھولوں گا نہیں، لیکن اسلام کا نشہ چڑھنے کے بعد اترتا کہاں ہے۔ حضرت عثمان نے صاف صاف جواب دیا۔

واللہ لا ادعہ ابدا ولا افارقہ (طبقات ص ۳۸ ج ۳)	خدا کی قسم میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور نہ اس سے الگ ہوں گا۔

آپ کی اس استقامت کے سامنے حکم نے سپر ڈال دی اور اسے آپ کو آزاد کرنا پڑا۔

فلمارای الحکم صلابتہ فی الدین ترکہ (ایضًا)	جب حکم نے دین کے سلسلہ میں آپ کی یہ مضبوطی دیکھی اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔

حضرت رقیہ سے نکاح اور ہجرت حبشہ

حضرت عثمان کو آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا

شرف حاصل تھا اور آپ کی پہلی شادی آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ سے ہوئی، آپ حضرت رقیہ کو لے کر حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے، یہ اسلام میں پہلا قدم تھا جو اللہ کے دین کی خاطر اپنے وطن سے نکلا۔

زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابنتہ رقیہ وھاجر کلاھما الی الحبشہ (اسد الغابہ صفحہ ۳۷۶/۳)

آنحضورؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ سے آپ کی شادی کر دی پھر دونوں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ہجرت فرما جانے کی جب اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا۔

انھما۔ لاول من ھاجر الی اللہ بعد لوط۔ (طبقات صفحہ ۳۸/۳)

یہ دونوں حضرت لوط کے بعد اللہ کے راستہ میں پہلے ہجرت کرنے والے ہیں۔

حبشہ کے بعد آپ نے دوبارہ مدینہ کی طرف ہجرت کی، آپ مدینہ میں اوس بن ثابت جو حضرت حسان کے برادر تھے کے پاس قیام کیا اور آنحضورؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ آپ کا عقد مواخاۃ قائم کر دیا تھا۔ (طبقات)

جنگ بدر میں آپ کی عدم شرکت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب تھے آپ کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور آپ کے ہر کام میں شریک رہتے۔ آپؐ نے جتنے بھی غزوہ کئے حضرت عثمانؓ ان میں شریک رہے، البتہ اسلام کی پہلی جنگ یعنی بدر میں آپ شریک نہ ہو سکے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجہ حضرت رقیہ بیمار تھیں، آپ نے حکم دیا کہ آپ اس کی تیمارداری میں رہیں مرض کا حملہ سخت تھا چنانچہ اس مرض میں ان کا انتقال بھی ہو گیا۔

ولم یشھد عثمان بدرا لان زوجتہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت مریضۃ علی الموت

حضرت عثمانؓ بدر میں شریک نہ ہو سکے اسلئے کہ آپ کی بیوی آنحضورؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہ مرض الموت میں تھیں آپ نے

فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقیم عندھا دتوفیت۔
(اسد الغابہ ص ۳۷۷، ج ۳)

حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ انھیں کے پاس رہیں، چنانچہ اسی مرض میں ان کا انتقال ہوگیا۔

لیکن آنحضورؐ نے مال غنیمت میں سے آپ کو بھی حصہ دیا اس لئے آپ کا شمار بھی بدریین میں سے ہوتا ہے۔

ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب لہ بسھمہ واجرہ فھو کمن شھدہا۔
(ایضاً)

لیکن آنحضورؐ نے آپ کا بھی حصہ لگایا اس لئے آپ بھی شرکاء بدر ہی کی طرح ہیں۔

حضرت ام کلثومؓ سے نکاح

حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے کر دیا۔

تزوج بعد رقیہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(اسد الغابہ وغیرہ)

رقیہ کے بعد آپ نے حضرت ام کلثوم آنحضورؐ کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں سے آپ کو نکاح کرنے کا شرف حاصل ہوا اس وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا گیا۔
اتفاق سے ام کلثومؓ بھی آپ کی حیات ہی میں وفات پا گئیں اس پر آنحضورؐ نے فرمایا۔

لوان لی ثالثۃ لنر وجناک۔
(اسد الغابہ)

اگر میری کوئی تیسری لڑکی ہوتی تو میں اس کی بھی شادی تم سے کرتا۔

حضرت علی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا۔

ولوان لی اربعین بنتا نروجتہ

اگر میری چالیس لڑکیاں ہوتیں تو میں یکے بعد

عثمان واحدۃ بعد واحدۃ حتی لم یبق منھن احدۃ۔ (اسد الغابہ ص ۳۷۷ ج ۲)

دیگرے عثمان کے نکاح میں دیا رہا یہاں تک کہ ایک بھی باقی نہ رہتی۔

اس بیان سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمان سے غایت درجہ تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عثمان کاتب وحی

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے ان لوگوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا شروع ہی سے جانتے تھے اور اسلام لانے کے بعد آپ ان خوش نصیبوں میں سے ہوئے جنھیں کتابت وحی کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔

کانا یکتبان الوحی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما ینزل جبرئیل علیہ (البدایہ ص ۱۴۵ ج ۷)

(حضرت علی اور حضرت عثمان) دونوں آنحضور کے سامنے قرآن لکھا کرتے تھے جو آپ پر جبرئیل لے کر اترتے تھے۔

آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں سے ہے

حضرت عثمانؓ ان سعید طالع لوگوں میں سے ہیں جن کو آنحضورؐ نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنا دی تھی۔

ھو احد العشرۃ الذین شھد لھم رسول اللہ بالجنۃ۔

آپ ان دسوں میں سے ایک ہیں جن کیلئے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی دنیا ہی میں شہادت دی۔

(جاری)

محمد اجمل مفتاحی

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری   قسط ۱۶

بریلوی مذہب پر ایک نظر

غوثِ اعظم بریلیوں کے خدا ہیں، خدائی ان کے اختیار میں ہے

اعلیٰحضرت غوث اعظم کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

میرا دل اسرار مخلوقات پر مطلع ہے، سب دلوں کو دیکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے رویت ماسوا کے میل سے صاف کر دیا کہ ایک لوح ہو گیا جس کی طرف وہ منتقل ہوتا ہے، جو لوحِ محفوظ میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمانہ کے کاموں کی باگیں اسے سپرد فرمادیں اور اجازت فرمائی کہ جسے چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں منع کریں۔ ایضاً ص۴۲

فائدہ :- بریلوی حضرات کے ہزاروں خدا ہر ولی ان کا خدا ہر نبی ان کا خدا اور ماشاء اللہ یہ پھر بھی موحد، اس خالص کفریہ و شرکیہ عقیدہ رکھنے والا دوسروں کے منہ آتا ہے، اعلیٰحضرت کا حضرت غوث اعظم پر یہ خالص افتراء ہے، حضرت غوث اعظم اس شرکیہ کلام سے بالکل بری ہیں اگر اعلیٰحضرت سچے ہوں تو غوث اعظم کی کسی کتاب سے اس کا حوالہ پیش کریں۔ اعلیٰحضرت تو مر گئے اب یہ کام ان کے امتی کریں۔

شادی میں گانے باجے آتشبازی وغیرہ ناجائز ہیں

اعلیٰحضرت شادی کے گانے بجانے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اسی طرح یہ گانے بجانے کے ان بلاد میں معمول و رائج ہیں۔ بلاشبہ ممنوع

و ناجائز ہیں۔ آتشبازی کے متعلق لکھتے ہیں۔

آتشبازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے۔ بیشک حرام اور پورا جرم ہے۔ (ہادی الناس صہ ۳)

فائدہ :- یہ کسی وہابی دیوبندی کا فتویٰ نہیں امام اہلسنت بقلم خود کا فتویٰ ہے۔

آتشبازی بنانا اور چھوڑنا حرام ہے

اعلیٰحضرت سے آتشبازی بنانے اور اس کے چھوڑنے کے بارے میں پوچھا گیا، جواب دیا ممنوع و گناہ ہے۔ (ہادی الناس صہ ۷)

فائدہ :- اعلیٰحضرت کا یہ فتویٰ اپنی جگہ پر صحیح لیکن اگر اعلیٰحضرت سے کوئی پوچھ لے کہ پیر و مرشد اس کا ناجائز ہونا قرآن و حدیث میں کہاں مصرح ہے، کون اسے دین سمجھ کر کرتا ہے۔ یہ تو ایک رسم ہے جس کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہیں، اور اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسلئے یہ سب چیزیں مباح ہوں گی تو اعلیٰحضرت سوائے اس کے کہ بغل جھانکیں اور کیا جواب دیں گے ؟ اسلئے کہ اعلیٰحضرت نے تو کلیہ یہ بیان کیا ہے کہ جب تک کوئی بات قرآن و حدیث میں صراحۃً ممنوع ثابت نہ ہو جائز رہے گی۔ دیکھئے دولہا کے سہرا کے بارے میں فرما رہے ہیں۔

سہرا جیسا سوال میں مذکور رسوم دنیویہ سے ایک رسم ہے جس کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہیں نہ شرع میں اس کے کرنے کا حکم آیا تو مثل اور تمام عادات و رسوم مباح کے مباح رہے گا۔ (ہادی الناس صہ ۱۸)

نیز لکھتے ہیں۔

اب جو (سہرا کو) ناجائز حرام بدعت ضلالت بتائے وہ قرآن و حدیث سے ثابت کر دکھائے۔ (ہادی الناس صہ ۱۹) نیز لکھتے ہیں :-

دنیوی رسوم و عادات پر حکم بدعت نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً)

معلوم ہوا کہ اعلیٰحضرت کے یہاں کوئی چیز اسی وقت حرام ہوگی جب اس کا حرام ہونا صراحۃً قرآن وحدیث سے ثابت ہو ورنہ جائز ہوگی، آتشبازی کو قرآن کی کس آیت کس حدیث میں نام لے کر ناجائز کہا گیا ہے، اعلیٰحضرت کے اس قاعدہ نے حرام و بدعات کا دروازہ کھولدیا ہے۔ اعلیٰحضرت سہرے کو دنیاوی رسم قرار دیتے ہیں، جناب والا یہ سہرا شادی اور نکاح کی چیز ہے، یہ بتلائیے کہ نکاح دینی کام ہے یا دنیاوی اگر دینی کام ہے تو یہ خلافِ شرع کام دینی کام میں پایا جار ہا ہے۔ اور اگر نکاح کو آپ دنیوی کہتے ہیں تو النکاح من سنتی کے آپ منکر ہیں۔

اعلیٰحضرت کو امام مہدی کی پیدائش کا سن معلوم ہے

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں مگر ان میں کسی وقت کا تعین نہیں اور بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے اور ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی ظہور فرمائیں۔ (ملفوظات ص ۱۰۱ / ۱۷۰)

فائدہ :- احادیث وقرآن میں تو امام مہدی کے ظہور کے وقت کا پتہ نہیں، اعلیٰحضرت نے کس ذریعہ سے معلوم کیا جو بات آنحضور کو بھی نہیں معلوم وہ اعلیٰحضرت کو معلوم ہو گئی۔

خانصاحب کے پیر بھائی برکات احمد کی قبر میں روضۂ اطہر کی خوشبو

خانصاحب فرماتے ہیں۔

جب ان کا (یعنی برکات احمد کا) انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا تو مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضۂ انور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب سے آئی تھی۔ (ملفوظات ص ۲۵ / ۲۷)

فائدہ - روضۂ اطہر صلے اللہ علیہ وسلم جیسی خوشبو برکات احمد صاحب کی

قبر میں اعلیٰحضرت کو محسوس ہوئی۔ یہ بات کوئی صاحب ایمان کیوں کر برداشت کر سکتا ہے کہ برکات احمد کی قبر اور روضۂ اطہر دونوں ایک جیسے ہوں۔ یہ تو بریلوی دھرم ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ نعلین و جبّہ مبارک وغیرہ کے دھلے پانی سے طہارت جائز ہے۔

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ مثل جبہ اقدس و نعل مبارک کا غسالہ یعنی دھلا ہوا پانی شفا و برکت و قابل وضو و غسل طہارت ہے مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔

(فتاوی ج ۱ ص ۴۵۶)

فائدہ:۔ بھلا کوئی صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ سے طہارت کرنا یعنی استنجا وغیرہ کرنا جائز ہے۔ ہم تو اس پانی کو آنکھوں سے لگاتے ہیں اور اعلیٰحضرت اس سے استنجا کرنے کا فتویٰ دے رہے ہیں۔

احمد رضا خانصاحب کے تقویٰ و طہارت کو دیکھکر لوگوں میں صحابہ رض کی زیارت کا شوق کم ہوگیا

حامد رضا خاں اپنے پدر بزرگوار احمد رضا کے بارے میں لکھتے ہیں

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم ہوگیا۔ (وصایا)

فائدہ:۔ یہ ہے بریلوی حضرات کا اپنے اعلیٰحضرت اور صحابہ کرام رض کے بارے میں فیصلہ کہ اعلیٰحضرت زہد و اتقا کے اس مقام پر تھے کہ اب اس کے بعد صحابہ رض کی زیارت کا شوق کم ہوگیا۔ اللہ کا بڑے سے بڑا ولی کامل بھی ادنیٰ صحابہ کرام کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ جن نگاہوں نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کا

دیدار کیا جنھوں نے آپ کی مجلس مبارک میں جگہ پائی، جن کانوں نے آپ کا ارشاد گرامی سنا ان کی زیارت کا شوق اسی کو کم ہوگا جس کا قلب شرک و بدعت کی تاریکی سے تاریک ہوگیا ہو ورنہ ایک سچا مسلمان تو اس آرزو میں ہر وقت تڑپتا رہتا ہے کہ صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ ان کا مقام تو بہت اونچا ہے کسی ادنیٰ درجہ کے صحابی کی بھی زیارت حاصل ہوجائے۔

نابالغ کا وضو ٹوٹتا ہی نہیں نہ جماع سے اس پر غسل واجب ہوتا ہے

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔ نابالغ نہ کبھی بے وضو ہو نہ جنب، وضو و غسل کا حکم عادت ڈالنے اور ادب سکھانے کیلئے ہے ورنہ کسی حدیث سے ان کا وضو نہیں جاتا۔ اور نہ جماع سے ان پر غسل فرض ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱ ص۳۴۷)

فائدہ:۔ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ دس بارہ برس کا لڑکا اگر ایک دفعہ وضو کرلے تو نہ ہوا خارج ہونے سے اس کا کبھی وضو ٹوٹے نہ پیشاب پاخانہ سے وہ ہر وقت باوضو ہی رہے گا ماشاء اللہ اگر ایں چنیں مفتی شود کار دین رسوا شود نیز اعلیٰحضرت نے یہ بھی فیصلہ کردیا ہے کہ مجامعت سے مراہق پر غسل واجب نہیں اگرچہ التقاء ختانین ہوگیا ہو، ذرا اس مسئلہ کو اعلیٰحضرت کتاب و سنت آثار صحابہؓ ائمہ دین کے اقوال اور خصوصاً فقہ حنفی سے ثابت کریں۔

بکری کے بچہ کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔ بکری کا بچہ اسی وقت پیدا ہوا کہ ابھی اس کا بدن رطوبت رحم سے گیلا ہے، گود میں اٹھا کر نماز پڑھی کچھ حرج نہیں اور اگر پانی میں گر گیا پانی ناپاک نہ ہوگا کہ شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔ (فتاویٰ ج۱ ص ۵۷۶)

فائدہ:۔ معلوم نہیں خانصاحب نے حیض و نفاس کی طہارت کا حکم کیوں نہیں فرمادیا جب نجاستیں اور شرمگاہ کی نجاستیں جائز اور پاک ہی ہیں تو حیض و نفاس کی بھی گنجائش نکال کر خانصاحب اپنے مذہب والوں پر کرم فرماتے۔

محمد اجمل مفتاحی

حالات و واقعات

صرف سوا تین گھنٹہ میں قرآن ختم کرنیوالا حافظ قرآن

علی بن احمد طرسوسی، دمشق میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر تھے۔ ساتویں صدی کے آدمی ہیں، ان کی پیدائش کا سال ۶۶۹ھ ہے اور وفات کا سال ۷۴۸ھ ہے، فقہائے احناف میں ان کا شمار ہوتا ہے، عرصہ دراز تک عہدہ قضا پر رہنے کے بعد وفات سے دو سال قبل خود اس سے الگ ہو کر زاہدانہ زندگی گزارنے لگے تھے قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا، دینداری و تقویٰ میں ممتاز تھے۔

ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تراویح کی نماز میں پورا قرآن صرف تین گھنٹے چالیس منٹ میں ختم کر دیتے تھے۔

کان یقرأ القرآن فی اقل مدۃ حتی انہ صلی بہ التراویح فی ثلاث ساعات وثلث ساعۃ بحضور جماعۃ من الاعیان۔

(الجواہر ج ۲ ص ۵۳۶)

یعنی وہ بہت کم مدت میں قرآن ختم کر دیتے تھے، انھوں نے سربرآوردہ لوگوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں تین گھنٹے چالیس منٹ میں تراویح میں قرآن ختم کیا۔

ترکی بترکی

علی بن حسن صندلی پانچویں صدی کے حنفی عالم گزرے ہیں، یہ بڑی پرمذاق طبیعت کے مالک اور بڑے حاضر جواب تھے، ابتداء زمانہ میں بادشاہ وقت کے خواص میں شمار ہوتے تھے، پھر زاہدانہ زندگی گذارنی شروع کر دی، اور بادشاہوں کے پاس آنا جانا ترک کر دیا، ایک دفعہ ان سے سلطان ملک شاہ نے پوچھا، آپ میرے پاس کیوں نہیں آتے تو انھوں نے جواب دیا۔ اردت ان تکون خیر الملوك فتزور العلماء ولا اکون من شر العلماء حیث ازور الملوك ۔ یعنی میں نے چاہا کہ آپ بادشاہوں میں سے سب سے اچھے بادشاہوں کہ خود علماء کے پاس جاکر ان سے ملاقات کریں، اور میں خراب عالموں میں سے نہ رہوں کہ میں بادشاہوں کی ملاقات کیلئے ان کے پاس جاؤں۔

صندلی کا زمانہ اور مشہور شافعی عالم، و فقیہ امام جوینی اور ان کے لڑکے ابو المعالی جوینی کا زمانہ ایک ہی تھا، اور صندلی اور ان دونوں میں معاصرانہ چشمک اور چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی، ایک دفعہ ابو المعالی جوینی نے کہا کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا ہے، یہ وہ مسئلہ ہے کہ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا ہے، اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نکاح ہو جاتا ہے۔ ابو المعالی کی یہ بات بہت مشہور ہوئی، امام صندلی تک بھی لوگوں نے یہ بات پہونچائی، اتفاق سے کسی نے اسی مجلس میں ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ بلا بسم اللہ پڑھے جانور کا ذبح کرنا جائز ہے کہ نہیں تو صندلی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں امام شافعی اور اللہ میاں کا اختلاف ہے۔ اللہ تو فرماتا ہے۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ یعنی جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ، امام شافعی فرماتے ہیں " کھاؤ "۔

الجواہر المضیئۃ ص۵۵۶ ج۲ صندلی کی وفات ۴۸۴ھ میں ہوئی

ہلاکو کے ہاتھوں بغداد میں انسانوں کا قتل عام

ہلاکو کا نام اور اس کی درندگی وسفاکیوں کے واقعات زبان زد عوام وخواص ہیں، لکھا ہے کہ جب یہ بغداد میں داخل ہوا تو تقریباً تیس روز تک قتل عام جاری رہا، بغداد میں اس کے ہاتھوں قتل ہونے والے لوگوں کی تعداد کم سے کم جو بتلائی گئی ہے، وہ آٹھ لاکھ ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد اٹھارہ لاکھ ہے۔ لکھا ہے کہ وجرت السیول من الدماء یعنی خون کے دریا بہ گئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۳۸۲)

جھوٹوں کے ساتھ سکونت سے انکار

فضل بن موسیٰ سینانی بزرگ حنفی عالم وفقیہ تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک کے ہم عصر اور علم میں انھیں کے ہم پلہ تھے، سینان جو مرو کا ایک قریہ ہے یہیں ان کی سکونت تھی، ان کے علم وفضل کا جب چرچا ہوا، اور طالبین کی جماعت کثیر تعداد میں ان کی شاگردی کے لئے سینان اطراف وجوانب سے آنے لگی، تو اس بستی والوں کو ان سے حسد پیدا ہوا، انھوں نے انکو بدنام کرنے کی ایک سازش رچی، ایک عورت کو تیار کیا کہ وہ ان پر ان سے رجھانے کا الزام لگائے، اس نے یہ الزام ان پر لگا دیا تو یہ بزرگ سینان بستی سے دوسری جگہ منتقل ہوگئے، ان کے اس بستی سے نکلنا تھا کہ سینان میں قحط کے آثار پیدا ہوگئے، کھیتیاں خشک ہوگئیں، تو لوگ پشیمان ہوئے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوکر سینان واپس آنے کی درخواست کی، انھوں نے کہا پہلے تم لوگ اقرار کرو تم لوگوں نے جھوٹا مجھ پر الزام لگایا تھا، جب لوگوں نے اس کا اقرار کیا تو فضل بن موسیٰ نے کہا کہ جس بستی کے لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان کے ساتھ رہنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ لاحاجة لی فی مساکنة من یکذب۔ (الجواھر ج ۲ ص ۶۹۸)

سینانی کی ولادت ۱۱۵ھ اور وفات ۱۹۲ھ میں ہوئی

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

نواب وحید الزماں حیدرآبادی کی نوابی عبارت

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا ۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن تشریف لائے تھے ۔

باپ ۔ بیٹا خیریت تو ہے ؟ تم نے انکو روکا کیوں نہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی انھیں جلدی تھی یہ کتاب چھوڑ کر کے گئے ہیں، اور کہہ رہے تھے کہ نواب جناب حیدرآبادی کی یہ نزل الابرار ہے، اس کی نشان زدہ عبارت اپنے ابا سے حل کرواکے رکھنا ۔ ظہر بعد مجھے اس کا درس دینا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا مسئلے مسائل کے لئے تو ہمارے بڑوں نے ہمیشہ فقہ حنفی ہی پڑھایا ہے ، شیخ جمن نے نزل الابرار پڑھانے کی روایت کب سے ڈالی ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی علامہ بکرانی نے انکو مشورہ دیا تھا کہ فقہ حنفی کے پیچھے کب تک ہم بھاگتے پھریں گے، ہمیں اپنے علماء کی کتابیں پڑھانی چاہئیں تو انھوں نے ان کے مشورہ سے نزل الابرار کا درس دینا شروع کردیا ہے ۔

باپ ۔ اچھا ذرا وہ عبارت مجھے دکھلاؤ جس پر انھوں نے نشان لگایا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی، کتاب الرضاع کی یہ عبارت ہے ۔

وللحرمة بالرضاع شرطان الاول ان يرتضع اقل من اقل خمس رضعات فصاعداً ۔۔۔۔۔۔ فلواد تضع اقل من خمس رضعات لاتثبت الحرمة ۔

باپ ۔ بیٹا، عبارت تو بالکل صاف ہے، شیخ جمن کو ایسی سہل عبارت میں کیا اشکال واقع ہوا ہے، نواب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی بچہ نے پانچ دفعہ سے کم دودھ پیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، یعنی نہ وہ عورت جس کا بچہ نے دودھ پیا ہے اس کی رضاعی ماں ہوگی اور نہ اس کا شوہر اس کا رضاعی باپ ہوگا اور نہ اس عورت اور اس کے شوہر کی اولاد اس دودھ پینے والے بچے کے رضاعی بھائی بہن ہوں گے ۔

بیٹا ۔ ابا جی یہی مطلب تو میں نے بھی بیان کیا تھا مگر وہ کہہ رہے تھے کہ عبارت کا پہلے ترجمہ کرو پھر مطلب بیان کرو جب میں نے اس عبارت کا ترجمہ کرنا چاہا تو میرا ذہن چکرا گیا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نواب صاحب کیا کہہ رہے ہیں، آپ ترجمہ کردیں۔

باپ ۔ سنو عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

اور دودھ پینے سے حرمت ثابت ہونے کیلئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ لڑکا

یہ کیا ؟ اقل من اقل خمسات فصاعداً۔

بیٹا اس کا مطلب تو مجھ کو بھی نہیں سمجھ میں آرہا ہے، علامہ بحرانی کے پاس جانا ہوگا۔

بیٹا ۔ شیخ جمن حفظ اللہ ان کے پاس بھی گئے تھے تو انھوں نے انکو مشورہ دیا کہ اس کتاب میں رضاع کا بیان نواب صاحب نے ہم جیسے کم علموں کے لئے نہیں لکھا ہے انھوں نے اس کو اپنے دور کے علماء کے لئے لکھا تھا، اسلئے اس باب کو چھوڑ دو ۔

باپ ۔ بیٹا، علامہ بحرانی نے بالکل صحیح فرمایا، ان نوابی عبارت کو نواب ہی قسم کے علماء سمجھیں گے، ہم اس دور کے لوگ کیا سمجھیں گے، اب دیکھو اس کتاب میں اسی رضاعت کے بیان میں یہ عبارت بھی ہے، ویجوز ارضاع الکبیر ولو کان

ذالحیۃ لتجویز النظر ، یعنی بوڑھے مردوں کا بھی دودھ پلانا جائز ہے اگرچہ وہ ڈاڑھی والا ہو اسلئے کہ قیاس اس کو جائز قرار دے رہا ہے ۔ یعنی اگر کوئی بڑا بوڑھا آدمی اگرچہ وہ ڈاڑھی والا ہو کسی بچے کو دودھ پلادے تو قیاس یہ کہہ رہا ہے کہ اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی، دودھ پلانیوالا رضاعی باپ ہوگا اور اسکی اولاد رضاعی بھائی بہن ہونگے ۔

بیٹا ۔ اباجی نواب صاحب کی یہ عبارت اقل من اقل خمس رضعات فصاعداً ۔ میں اس فصاعداً کا مطلب کچھ سمجھ میں آیا ۔

باپ ۔ یہ پوری کی پوری عبارت نوابی ہے ۔ اگر ہم بھی نواب ہوتے اس عبارت کو سمجھ جاتے، کہاں ہم اور کہاں نواب صاحب ۔ چہ نسبت خاک با عالم پاک ۔

بیٹا ۔ اباجی، ہمارے نواب وحیدالزماں کو جب عربی عبارت میں اپنا مطلب واضح کرنا نہیں آتا تھا تو ان کو مسئلے مسائل کی کتاب عربی میں لکھنے کی کیا ضرورت تھی ۔

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

شیخ کلو حفظہ اللہ کی غیر مقلدیت سے توبہ اور مذہب حنفی میں واپس آنا۔

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ اباجی وہی بات ہوگئی جس کا ڈر تھا ۔

باپ ۔ کیا بات ہوگئی بیٹا ۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ نے غیر مقلدیت سے برأت کا اعلان کر ہی دیا، اور اب وہ پھر اپنے سابقہ مذہب، مذہب حنفی کی طرف لوٹ آئے ۔

باپ ۔ بیٹا ۔ یہ حادثہ کیسے رونما ہوا، وہ تو ادھر بہت ہی پابندی سے شیخ جمن حفظہ اللہ کے درس " نزل الابرار " میں بیٹھا کرتے تھے ۔

بیٹا ۔ اباجی اس درس کی برکت ہی نے جوان کو غیر مقلدیت سے توبہ کرنے پر اکسایا ۔

باپ - بیٹا ہوا کیا، اس درس میں کون سی ایسی بات ہوگئی یا آگئی کہ شیخ کلو کو یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا -

بیٹا - اباجی، اس اندیشہ کا اظہار تو بہت سے لوگ کر رہے تھے، "نزل الابرار" کے درس میں انھوں نے جب سے شریک ہونا شروع کیا تھا اس وقت سے انکی دعوتی سرگرمیاں کم ہوگئی تھیں، اور اپنے لوگوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی کم ہوگیا تھا، کل کے درس میں جب نزل الابرار کی ایک عبارت کا شیخ جمن نے ترجمہ کیا اور اس کا مطلب بیان کیا تو شیخ کلو حفظہ اللہ نے شیخ جمن سے کہا کہ یہ تو مسئلہ ہوا اس کی دلیل کتاب وسنت سے دکھلائیے، اس پر شیخ جمن کو غصہ آگیا اور کہا کہ ہر مسئلہ کی دلیل کتاب وسنت سے نہیں دکھلائی جا سکتی ہے - اس پر دونوں میں خوب تکرار ہوئی اور شیخ کلو نے کہا کہ آپ لوگ حنفیوں سے تو ہر مسئلہ کی دلیل کے لئے کتاب وسنت کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب اپنی باری آتی ہے تو آپ لوگوں کا رنگ دوسرا ہو جاتا ہے - میں ایسی سلفیت اور غیر مقلدیت سے ہزار بار توبہ کرتا ہوں۔

باپ - بیٹا ذرا وہ عبارت مجھے بھی تو دکھلاؤ -

بیٹا - اباجی وہ عبارت نزل الابرار کے کتاب الرضاع کی ہے - لکھا ہے -

فلو زنا بامرأة فحملت فوضعت ثم ارضعت صغيرة فتحل هذه الصغيرة للزانی وقیل لا تحل وھو مختار الاحناف ثم لو زنا بصغيرة فهل تحل له امها ام لا واختار اهل الحديث الحلة واختار الاحناف الحرمة -

یعنی اگر کوئی آدمی کسی عورت سے زنا کرے پھر وہ عورت حاملہ ہوگئی اور اس کو پیدائش ہوئی پھر اس عورت نے کسی چھوٹی بچی کو دودھ پلا دیا تو یہ چھوٹی بچی اس زانی کے لئے حلال ہوگئی، (یعنی وہ اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے) اور کہا گیا ہے کہ وہ بچی زانی کے لئے حلال نہ ہوگی یہی احناف کا مختار مذہب ہے

پھر اگر اس نے زنا کیا کسی دوسری چھوٹی بچی سے تو کیا اس کی ماں زانی کے لئے
حلال ہوگی یا نہیں ؟ تو اہلحدیث کا مختار مذہب یہ ہے کہ وہ زانی کے لئے حلال ہوگی
اور احناف کا مختار مذہب یہ ہے کہ مزنیہ کی ماں زانی کیلئے حلال نہ ہوگی ۔
اب شیخ کلو حفظہ اللہ نے اہلحدیث کے مختار مذہب کی جو کتاب و سنت سے
دلیل مانگی تو شیخ جمن حفظہ اللہ کا پارہ گرم ہوگیا ۔
ابا جی ، یہ زنا کا عمل اہل حدیث مذہب میں اتنا غیر مؤثر کیوں ہے ، زانی اور
غیر زانی میں کوئی فرق ہی نہیں ۔
باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

ضروری اعلان

زمزم کے ذریعہ بار بار ان حضرات سے گذارش کی جا چکی ہے ، جن کے
ذمہ زمزم کا بقایہ کئی سال کا باقی ہے کہ وہ اپنا بقایہ ادارہ کو بھیجدیں ۔
بہت سے لوگوں نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے ۔ بذریعہ مجبوری
ان تمام لوگوں کے نام زمزم کا بھیجا جانا بند کیا جارہا ہے جن کی رقمیں دو سال
یا زیادہ کی باقی ہیں ۔

(ادارہ)

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دوماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۱۲ شمارہ ۴

رجب، شعبان

۱۴۳۰ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ —— /۸۰ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی دو سو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سید واڑہ غازی پور۔ یوپی

پن کوڈ 233001

موبائل نمبر 9453497685

فہرستِ مضامین

اداریہ

مملکتِ خداداد پاکستان کا کچھ ذکر خیر

پاکستان کے دینی ماہنامہ "الخیر" نے پاکستان کے بارے میں ہمارے لئے کچھ نئی معلومات فراہم کی ہیں۔ قارئین زمزم بھی ان سے محظوظ ہوں، ماہنامہ اپنے اداریہ میں لکھتا ہے۔

ہمارے گناہوں اور بے تدبیریوں کی وجہ سے آج وطن عزیز میں ہر طرف مایوسی پریشانی، خود غرضی اور نفس پرستی کا دور دورہ ہے، ہر طرف دھونس، دھاندلی کا راج ہے، ذاتی مفادات کو قومی اور ملکی مفادات پر ترجیح دی جا رہی ہے، رشوت اور اقربا پروری نے عوام کے دلوں سے اعتماد و یقین کو ختم کر دیا ہے، غربت و افلاس کے بوجھ تلے دبے ہوئے بے کس افراد خودکشیوں پر مجبور ہیں، دوسری طرف پاکستان کے قرضے ستر کھرب روپے سے تجاوز کر چکے ہیں، اور ملک بد ترین اقتصادی صورتِ حال سے دوچار ہے، گزشتہ دنوں وزارتِ خزانہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے علاوہ صدر مملکت اور وزیراعظم بھی کشکول لئے ملک ملک پھرتے رہے، تاکہ آئی ایم ایف جیسے سخت شرائط پر قرضہ حاصل کرنے کی مجبوری نہ رہے، لیکن بالآخر اسی عالم ساہوکار کی چوکھٹ پر ناک رگڑنا پڑی۔ اس شدید اقتصادی اور معاشی بحران میں چار نئے وفاقی وزراء کی حلف برداری کی خبر قومی اور سیاسی حلقوں میں افسوس کے ساتھ پڑھی گئی، وزراء کی اس نئی کھیپ سے

موجودہ کابینہ میں وزیروں اور مشیروں کی تعداد ۶۴ ہوگئی ہے اگر اس میں ان افراد کو بھی شامل کرلیا جائے جنھیں وفاقی یا وزیر مملکت کے برابر مراعات حاصل ہیں تو یہ تعداد ۹۱ تک پہنچتی ہے، جب کہ شوکت عزیز دور میں بھی وزراء اور مشیروں کی کل تعداد ۶۲ تھی۔

(جنگ ۲۷ جنوری ۲۰۰۹ء)

پاکستان کے ایک وزیر پر سالانہ دس سے بارہ کروڑ روپے خرچ ہوتے ہیں، گویا ہمارے وزراء کرام سالانہ دس عرب بانوے کروڑ روپے اجرت لے کر غریب عوام کی دن رات خدمت میں مصروف ہیں، یہ وہ اخراجات ہیں جو اس غریب ملک کے وزراء کرام کھلے عام کرتے ہیں، اور بڑی دیانتداری سے کرتے ہیں، ان کے علاوہ ناگفتنی کے ذیل میں بھی بہت کچھ آتا ہے۔

پاکستان کیسے بنا ہمارے علماء نے اس کیلئے کتنی قربانیاں دیں۔ کتنے گھر اجڑے کتنی جانیں گئیں، قتل و خون کے کتنے دریا بہے، کتنی ماؤں کی گودیں سونی ہوگئیں، یہ وہ کہانیاں ہیں جن سے آج اردوں و کھربوں میں کھیلنے والی وزراء کی فوج ظفر موج بالکل ناآشنا ہے، پاکستان کے بیشتر وزراء اور اہل سیاست جو آج منصبوں اور گدیوں پر براجمان ہیں یہ لوگ انیس سو سینتالیس کے بعد کی پیداوار ہیں، انھیں یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ پاکستان کا وجود کیسے ہوا، اور کن بزرگوں کی جد وجہد کا یہ ملک ثمرہ ہے، اور کتنی جانی و مالی قربانیوں کے بعد اس کا وجود ہوا ہے، اور جن بزرگوں کی جد وجہد و قربانیوں کے طفیل اس ملک کا وجود ہوا ہے، ان کا تقسیم ہند اور ایک الگ اسلامی ریاست کے مطالبہ سے مقصد کیا تھا۔

پاکستان کے وزراء اور صاحبان ریاست و صدارت حضرات جو آج پاکستان کے بلا شرکت غیرے مالک بنے ہوئے ہیں، اور جو پاکستانی غریب عوام کی گردن پر اپنی کوٹھیاں سجائے موج و مستی کی زندگی گذار رہے ہیں، انھیں پاکستان کے وجود میں آنے کی تاریخ سے بالکل واقفیت نہیں ہے انھیں تو سجی سجائی تھالی مل گئی ہے

جس سے وہ اپنا پیٹ خوب خوب بھر رہے ہیں۔

پاکستان کے وجود کا مقصد اسلامی ریاست کا قیام تھا جس میں اسلام کے قوانین کا نفاذ ہو، شریعت کی پاسداری ہو، اللہ و رسول سے بغاوت نہ ہو، اسلامی حدود کا نفاذ ہو، جہاں کے حکام بے لگام اور شتر بے مہار نہ ہوں، جہاں مظلوموں کا حق ملے، فقیروں اور غریبوں کو دبایا نہ جائے، جہاں کمزوروں کو سہارا ملے، جہاں خدا و رسول اور خدا و رسول کے احکام سے بغاوت نہ ہو۔

مگر ہوا کیا اور ہو کیا رہا ہے، یہ تماشا دنیا دیکھ رہی ہے، اور آج پاکستان کی جو درگت بنی ہوئی ہے وہ ہم سب کیلئے باعثِ عبرت ہے۔

"الخلیل" کا اداریہ بڑا بصیرت افروز ہے، مگر کیا امریکہ کی غلامی میں جکڑے ہوئے پاکستان کے حکام کی آنکھیں کھلیں گی، اس کا تصور بھی عبث ہے، خدا نے انکی قسمت میں ذلت و خواری جو مقدر کی ہے اس سے ان کا نکلنا دشوار ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی قدرت کی طرف سے یہ فیصلہ نہیں ہوا ہے کہ پاکستان اور پاکستانی عوام کی قسمت بدلے، اور پاکستان کا وجود جس مقصد کے لئے ہوا تھا وہ مقصد پاکستان کا مقدر بنے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ المرأ مع من احب، و لہ ما اکتسب یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی اور آدمی کے لئے وہی چیز ہے جو اس نے کمایا۔ (ترمذی)

یعنی روز قیامت آدمی کا حشر اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے اسکو محبت ہوگی، اس حدیث کو جب صحابہ کرام نے سنا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا اس لئے کہ سارے صحابہ کرام کو حضورؐ سے دلی محبت تھی، اس حدیث کو سننے کے بعد انھیں یقین ہوگیا کہ قیامت کے روز ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوگی۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ ہر مسلمان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے، کون مسلمان ہے جو حضور سے محبت کا انکار کرے گا۔ تو کیا حضور کی معیت کا شرف ہر مسلمان کو حاصل ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو ہے زبان سے محبت کا دعویٰ کرنا اور ایک ہے واقعی محبت کا ہونا، ہم لوگوں کی محبت کی بس اتنی حقیقت ہے کہ حضور سے محبت کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں، محبت کی حقیقت سے ہمارے قلوب نا آشنا ہیں۔ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے محبوب کی ہر ادا پر مر مٹ جائے جیسا کہ صحابہ کرام کا حال تھا، کہ وہ حضورؐ کی پوری زندگی کو اپنی زندگیوں میں سمیٹے ہوئے تھے۔ حضور کی ہر سنت پر جان دینے والے تھے، ان کی پوری زندگی میں حضور کی

زندگی کا عکس نمایاں تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت قیامت کے روز ایسے ہی فداکاروں، جاں نثاروں اور آپ کی زندگی کو اپنی زندگی بنانے والوں کا مقدر بنے گی۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ایک طرف اللہ کا منادی اللہ کے گھر میں آنے کیلئے حی علی الصلوٰۃ کی آواز لگا رہا ہے، اور شیطان لعین ٹی وی پر گانا سنوار رہا ہے، ہم گانا سنتے رہتے ہیں اور نماز کی توفیق سے محروم رہتے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی جلوہ نظر نہیں آتا، بدعتیں، حرام خوری، بدعملی و بدفعلی ہماری آج کی زندگی کا روشن عنوان ہیں، ہم کس منہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

بہر حال جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور حقیقی محبت حاصل ہے یقیناً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قیامت کے روز ان کو معیت حاصل ہوگی، بصورتِ دگر ان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے ان کو محبت ہوگی اور جس سے ان کا دلی تعلق ہوگا۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ ذکر کی گئی کہ ہر انسان کو روز قیامت جزا اسی عمل کی ملے گی جس کو دنیا میں اس نے کیا ہوگا، اگر اس نے خیر کا عمل کیا ہے تو اسکو عملِ خیر کی جزا ملے گی اور وہ اللہ کی رضا اور دخولِ جنت کا مستحق ہوگا اور اگر اس نے برا عمل کیا ہے تو اس کی جزا بری ہوگی اور وہ اللہ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوگا۔

اب اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ بہت سے کافر اور مشرک لوگ بھی اچھا عمل کرتے ہیں تو کیا ان کی جزا بھی خیر ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اچھا عمل جس پر اللہ کے یہاں خیر کی جزا کا وعدہ ہے وہ کہلاتا ہے جو ایمان کے ساتھ کیا گیا ہو۔ بلا ایمان کوئی عمل خیر نہیں کہلاتا، بلا ایمان کوئی عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے اسلئے ایسے اعمال پر اللہ کے یہاں جزائے خیر کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔

۲ - حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشہوات (ترمذی)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کو ناپسندیدہ چیزوں سے گھیر دیا گیا ہے اور دوزخ کو شہوتوں سے گھیر دیا گیا ہے۔

یعنی جنت میں جانے کے لئے ان گھاٹیوں کو طے کرنا پڑے گا جن کا طے کرنا نفس کیلئے آسان نہیں مثلاً حرام سے بچنا، خلافِ شریعت عمل سے دور رہنا، فرائض اور سنت کی پابندی کرنا، عدل و انصاف کرنا، ظلم سے باز رہنا، لوگوں کے اور اللہ کے حقوق کو ادا کرنا، گناہ کی ہر بات سے بچنا، مشتبہ مال سے پرہیز کرنا، ذکر واذکار میں راتیں گذارنا اور بیوی بچوں کے حقوق کو ادا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرنا اور ان جیسے دوسرے اعمال کرنا جن کا کہ شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے اور ہمیں جن کا پابند بنایا ہے۔

اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کو شہوتوں سے گھیر دیا گیا ہے یعنی دوزخ میں جانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ آدمی من چاہی باتوں کا غلام بن کر رہے، جس بات کی خواہش ہوئی اسے کر ڈالا یہ نہیں دیکھا کہ یہ کام کرنے کا بھی ہے یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز، شیطان کی اتباع میں ہے یا خدا ورسول کی اتباع میں ہے یعنی خواہش نفس کی اتباع دوزخ میں جانے کے لئے کافی ہے، اس کے ساتھ خواہ دوسرا برا عمل ہو یا نہ ہو، علماء نے لکھا ہے۔ من اقتحم الشہوة سقط فی النار جو شہوت میں پڑا جہنم میں گرا۔

۳ - حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں جن میں ہوں گی اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ جو کمزور کے ساتھ نرمی برتے۔ جو شخص والدین کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے، جو شخص غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ (ترمذی)

کمزور کے ساتھ نرمی برتنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ جسمانی طور پر کمزور ہے تو اس سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے، اگر وہ مالی اعتبار سے کمزور ہے تو اس کی مدد کرے اور اسے قرض دیا ہو تو اس میں سے کچھ معاف کردے اور تقاضا کرنے میں زور زبردستی نہ دکھلائے، اگر وہ قرض کی ادائیگی میں کچھ مہلت مانگے تو اس کو مہلت دے۔

والدین کے ساتھ شفقت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے ان کی خدمت کرے، ان کی فرمانبرداری میں وقت گذارے، ان کے ساتھ سختی کا معاملہ نہ کرے، ان کے حکموں کو ٹالے نہیں، ان کے آرام وراحت کا پورا خیال رکھے۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بیجا سختی نہ کرے، انکی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لے ان کے کھانے پینے کا دھیان رکھے، جو خود کھائے وہ ان کو بھی کھلائے، ان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے، یہ تینوں باتیں اتنا اونچا عمل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو ان باتوں کی رعایت کرے گا وہ جنت میں جائیگا۔

۴۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی دونوں ڈاڑھیوں کے درمیان جو چیز ہے اس کی حفاظت اور جو چیز اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لے تو میں اس کیلئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ (ترمذی)

دونوں ڈاڑھیوں کے درمیان جو چیز ہے اس سے مراد زبان ہے، اور دونوں پاؤں کے درمیان جو چیز ہے اس سے مراد شرمگاہ ہے، یعنی آدمی اگر اپنی زبان کی حفاظت کرے کہ اس کی زبان سے کلمہ خیر کے علاوہ اور کچھ نہ نکلے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے کہ اس کو حرام جگہوں پر استعمال نہ کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے جنتی ہونے کا میں ذمہ دار ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختصر سے کلمات میں کتنی بڑی بات فرمادی ہے، یہ غور کرنے کی چیز ہے، ایسا بلیغ اور جامع کلام زبان نبوت ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان کی نگہداشت کرنا اور گناہ کی باتوں سے اس کو محفوظ رکھنا، جنت میں جانے کا باعث ہوتا ہے، اور اس سے لاپرواہی دوزخ میں جانے کا سبب بن سکتی ہے، اسی طرح اگر شرمگاہ کی حفاظت نہ کی جائے اور اس کا استعمال نہ جائز اور حرام جگہوں پر ہو تو یہ دوزخ میں جانے کا سبب بنتا ہے۔

۵۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کیا ہے یعنی کس چیز سے دوزخ سے اور خدا کے عذاب سے نجات ہو سکتی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی زبان کی حفاظت کرو یعنی اس پر کنٹرول رکھو کہ بلاوجہ کی اور لایعنی باتوں میں اس کا استعمال نہ ہو، اور تم کو تمہارا گھر کافی ہو، یعنی لوگوں سے میل جول کم رکھو، لوگوں سے میل جول کم ہوگا تو غیبت، جھوٹ لوگوں کی عیب جوئی اور برائی کرنے سے آدمی محفوظ رہے گا، اور بری صحبتوں سے بچے گا۔

اور تیسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اپنے گناہوں پر روؤ، یعنی اگر گناہ ہو جائے تو آدمی اس پر ندامت کا اظہار کرے، اور اللہ کے سامنے توبہ و استغفار کرے اور رو رو کر اپنی غلطی کا اعتراف کرے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ کو بندہ کی آنکھ سے بہتا ہوا آنسوؤں کا قطرہ بڑا محبوب ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نجات کیلئے یہ تین چیزیں یعنی زبان کی حفاظت، لوگوں سے میل جول کم رکھنا، اور گناہوں پر رونا بڑی اہم ہیں، اور یہ دوزخ سے چھٹکارے کا بڑا ذریعہ ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

تقلید کی بحث

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے

اپنی کتاب سبیل الرسول میں تقلید کے موضوع پر کافی خامہ فرسائی کی ہے اور اکابر غیر مقلدین کے سارے ہتھکنڈے جو تقلید کے انکار اور اس کو بدعت ثابت کرنے کے لئے وہ استعمال کرتے رہے ہیں، حکیم صاحب نے نہایت دیانت و امانت کے ساتھ ان تمام ہتھکنڈوں کو آزمایا ہے۔

حکیم صاحب نے یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ تقلید کا وجود نہ زمانہ نبوی میں تھا اور نہ صحابہ و تابعین کے ادوار میں تھا۔ یہ چوتھی اور پانچویں صدی کی ایجاد اور اس کو حکیم صاحب نے قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو خود ایک مقلد حنفی فقیہ و محدث تھے) کی ایک عبارت سے نہایت دیانتداری سے ثابت کیا ہے۔

ہم آگے چل کر کسی موقع سے بتلائیں گے کہ حکیم صاحب نے قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا جو مطلب سمجھا ہے وہ ان کی علمی لیاقت کا شاندار آئینہ ہے۔ ابھی یہ معلوم کیجئے کہ تقلید کس کو کہتے ہیں اور اس کا وجود دور صحابہ و تابعین بلکہ عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تھا یا نہیں۔

تقلید کی تعریف

تقلید کی تعریف یہ ہے۔

کسی قابل اعتماد عالم کی بات کو دینی و شرعی مسئلہ میں اختیار کیا جائے اور اس بنا پر کہ وہ ہمیں کتاب و سنت ہی کی بات بتلائے گا اور جو کچھ بتلائیگا وہ دین و شریعت سے ہٹ کر کے نہیں بتلائے گا اس سے اس مسئلہ کی دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

ہم نے تقلید کی یہ جو تعریف کی ہے، اسی بات کو علماء میں سے کسی نے مختصراً اور کسی نے مطولاً بیان کیا ہے مگر سب کا حاصل یہی ہے (تفصیل کے لئے دیکھو الکلام المفید از مولانا صفدر صاحب مدظلہ)

اور ظاہر بات ہے کہ مجتہدین (خواہ زمانہ صحابہ کے ہوں یا بعد کے) کے سوا ہر ایک مسائل شرعیہ جاننے کے لئے علماء و فقہاء کا محتاج ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ عوام کو مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ مسئلے کی دلیل سے ان کو مطلب ہوتا ہے کسی زمانہ میں ایسا نہیں رہا ہے کہ عوام علماء سے مسئلہ پوچھتے وقت ان سے دلیل ضرور ہی معلوم کرتے رہے ہوں شریعت نے عوام کو دلیل معلوم کرنے کا مکلف نہیں بنایا ہے، شرعی مسئلہ پر عمل کرنے کا مکلف بنایا ہے۔

خداوند قدوس کا ارشاد ہے

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ — اگر تمہیں شرعی مسئلے معلوم نہ ہوں تو ان سے معلوم کرو جو اہل علم ہیں۔

خداوند قدوس نے صرف پوچھنے کا حکم دیا ہے، دلیل سے پوچھنے اور مسئلہ معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ مطاع حقیقی اللہ ہے، اور اللہ ہی کے مطاع بنانے سے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم مطاع ہوئے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو دین کی وہی باتیں بتلاتے تھے جو اللہ کی مرضی ہوتی تھی۔ مرضی خداوندی کے خلاف آپ کی زبان مبارک سے کوئی بات نہیں نکلتی تھی۔

صحابہ کرام آنحضور ﷺ سے مسائل میں دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے تھے

صحابہ کرام پیش آمدہ مسائل میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بتلا دیتے تھے اس پر وہ عمل کرتے تھے۔ ان میں سے

کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو فرمارہے ہیں یہ اللہ کی مرضی ہے بھی یا نہیں، نہ ایسا پوچھنا جائز ہوتا، اس لئے کہ رسول اللہ کو جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی مطاع قرار دے دیا، تو اس کا قول وعمل مستقل دلیل وحجت ہوگیا. اب رسول سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ آپ جو فرمارہے ہیں اس کو ثابت بھی کیجئے کہ وہ اللہ کی مرضی ہے، یہ تو کافروں کا مطالبہ ہوتا تھا مسلمانوں کا نہیں۔

اسی طرح جب اللہ نے عوام اور ناواقفوں کے لئے اہل علم اور اولی الامر کو مطاع بنادیا اور ان کو انکی اطاعت کا اور ان سے پوچھ کر کے عمل کرنے کا مکلف بنادیا تو اب یہ علماء اور اولی الامر خود ہی فرمان خداوندی سے دلیل حجت بن گئے، ان کا فرمان ہی عوام کے لئے حجت ودلیل ہے، اب ان سے دلیل کا مطالبہ کرنا شرعًا مستحسن نہیں قرار پائے گا۔

تقلید کا حکم قرآن سے ہے

غرض عوام کے لئے تقلید کا حکم تو خود قرآن سے ہے، اور قرآن کی یہ دو آیتیں .

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۔	اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو جاننے والوں سے معلوم کرو ۔

اور

يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله و اطيعوا الرسول واولی الامر منكم۔	اے ایمان والو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اور دین وشریعت کے ذمہ داروں کی اطاعت کرو ۔ (احکام القرآن ص ۲۱۵ ج ۲)

تقلید کی مشروعیت کی قطعی دلیلیں ہیں ۔

آیت کریمہ میں اولی الامر سے مراد علماء فقہاء امراء حکام سب ہیں۔

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ ناواقفوں کو واقف کار سے پوچھنے کا حکم خود قرآن

میں ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دلیل سے پوچھنے کی کوئی قید نہیں ہے، بس دیانۃ اتنا ضروری ہے کہ جس سے پوچھے اس کے بارے میں پوچھنے والے کو یقین ہو کہ وہ ہماری غلط رہنمائی نہیں کرے گا، اور خدا اور رسول کے حکم کے خلاف مسئلہ نہیں بتلائے گا۔

اور جب ناواقفوں کو از روئے قرآن مسئلہ پوچھنا واجب اور ضروری ہوا تو جب سے قرآن موجود ہے اسی وقت سے قرآن کے اس حکم پر عمل کا ہونا بھی ضروری ہے کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام کا قرآن کریم کی ان آیات پر عمل نہیں رہا ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ تقلید کا حکم تو خود قرآن سے ثابت ہے، اس لئے تقلید کے انکار کے سلسلہ میں غیر مقلدین کا سارا شور و غوغا بے حقیقت اور حکم خداوندی کی مخالفت اور صحابہ کرام کی سنت و اسوہ کے خلاف ایک جارحانہ عمل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو اہلسنت ہیں وہ تو تقلید کے قائل ہیں بلکہ اس پر عامل ہیں البتہ جو بدعتی فرقہ ہے، مثلاً خوارج اور روافض وغیرہ یہ تقلید کے منکر ہیں، غیر مقلدین کا آہنگ و صوت بھی انھیں بدعتی فرقوں سے ملتا ہے۔ اگر غیر مقلدین کو قرآن و حدیث کی سمجھ ہوتی تو کبھی بھی تقلید کا انکار نہ کرتے کہ تقلید کا انکار کرنا کتاب و سنت کا انکار ہے۔

تقلید منصوص مسائل میں نہیں غیر منصوص مسائل میں ہوتی ہے

غیر مقلدین حضرات عوام کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علماء و ائمہ دین کے اقوال تقلید کی مذمت میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ دیکھو خود ائمہ نے بھی اپنی تقلید سے منع کیا ہے، مگر یہ عوام کو دھوکہ دینے کی بدترین مثال ہے، ائمہ دین یا علمائے امت میں جس نے بھی اپنی یا کسی کی تقلید سے منع کیا ہے اس کا تعلق منصوص مسائل سے ہے، یعنی جو بات صراحت کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے اس میں اللہ و رسول کے مقابلہ میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ غیر منصوص مسائل میں تو عوام اور غیر مجتہد کو تقلید کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ کہ استنباط و اجتہاد کی ہر شخص میں صلاحیت نہیں ہوتی

مثلاً اس کو یوں سمجھئے کہ قرآن کا حکم ہے کہ جوا حرام ہے، تو اب اگر کوئی کہے کہ جوا جائز ہے
تو اس کی بات رد کر دی جائے گی اس لئے کہ جوا کو جائز کہنا قرآن کا صریح انکار ہوگا
مگر جوے کی بہت سی شکلیں ہیں جن میں سے بعض کا جوا ہونا تو عوام کو بھی سمجھ میں آجاتا
ہے مگر بعض شکلیں حقیقتاً جوا ہی ہوتی ہیں مگر بظاہر عوام کو وہ جوا نہیں معلوم ہوتی
ہیں تو اب اس صورت میں عوام کو علماء اور واقف کار سے مسئلہ معلوم کرنا ہوگا اور کسی
شکل کے بارے میں وہ بتلائیں کہ یہ بھی جوا ہی ہے تو ان کی بات ماننے میں علماء کی تقلید
کرنی ہوگی۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (یعنی اگر تم نہ جانتے
ہو تو جاننے والے سے پوچھو) کا یہی مطلب ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مخاطب کرکے
فرمایا یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن یعنی اے عورتوں کی جماعت
تم صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیورات سے ہو، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیورات
سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی مگر یہ کہ زیور کس کو کہا جائے گا سونے اور چاندی سے
بنی ہوئی چیز زیور کہلائے گی یا ہر وہ چیز جس کو عورتیں زیب و زینت کے لئے
پہنیں خواہ سونے و چاندی سے بنی ہوں یا تانبے پیتل اور پتھر سے اس کا سمجھنا عوام کا
کام نہیں ہے، اس بارے میں ائمہ فقہ و حدیث اور ماہرین شریعت جو فرمائیں
گے عوام کو انھیں کی بات ماننی ہوگی۔

اسی طرح کتاب و سنت سے یہ تو معلوم ہے کہ سود حرام ہے، اس لئے ہر مسلمان
کو سود کی حرمت کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ لیکن موجودہ دور میں کاروبار کی اور بینکنگ
کی مختلف شکلیں ہیں، جن کا ذکر کتاب و سنت میں تلاش کرنے سے نہیں ملے گا۔ اس
لئے لامحالہ ماہرین شریعت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور وہ جن شکلوں کو سودی
قرار دیں گے ان کو سودی ماننا ہوگا اور جن کو سودی قرار نہیں دیں گے وہ شکل جائز ہوگی۔
غرضیکہ جو شریعت کے مسائل منصوص ہیں اس میں تو کسی کی تقلید کرنی جائز

نہیں ہے۔ لیکن جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں ماہرین شریعت کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔ اگر تقلید کی پابندی اٹھالی جائے اور ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ خود سے شرعی حکم معلوم کرلے تو دین کا تماشا بن کر رہ جائے گا اور گمراہی کا چوپٹ دروازہ کھل جائے گا۔

گمراہی کی جڑ عدم تقلید ہے

اور یہی وجہ ہے کہ جتنی بھی گمراہ جماعتیں ہیں سب میں قدر مشترک یہی عدم تقلید ہے، گزشتہ زمانوں کی بات چھوڑیئے حال کے زمانہ کی گمراہ جماعتوں اور افراد پر نگاہ ڈالیئے گا تو یہ سب کے سب غیر مقلدین ہی نظر آئیں گے۔

آج کل سب سے بڑی گمراہ جماعت قادیانی جماعت ہے، اس کا بانی غلام احمد اور اس کا خلیفہ نورالدین یہ دونوں کے دونوں غیر مقلد تھے۔

منکرین حدیث فرقہ کا بانی عبداللہ چکڑالوی یہ بھی غیر مقلد تھا، نیاز فتحپوری اور اس کے حواریین یہ سب غیر مقلد تھے۔ ڈاکٹر احمد دین یہ بھی غیر مقلد ہوا پھر ملحد ہوا دیکھئے یہ گستاخ کیا لکھتا ہے، لکھتا ہے:

"ہم لوگ بھی وحدتِ الٰہی حاصل کرتے ہوئے اہلحدیث بنے تھے، پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدتِ الٰہی کے وہ شرک ہے جو نہایت سوچ سمجھ کر بڑے غور سے کیا جاتا ہے" (پیغام توحید ص۱۶ ازالکلام المفید)

صحاح ستہ کے مصنفین کا نام لے کر لکھتا ہے کہ:

"یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات کے طوفان تیار کرنے والے ہیں جو مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کے اصل موجد ہیں" (پیغام اتحاد ص۴)

آپ منکرین حدیث کا کھوج پتہ لگائیے سب کے سب آپ کو غیر مقلد نظر آئیں گے۔

تقلید کے منکر شیعہ بھی ہیں، جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی میں بھی

عدم تقلید کا جو ثمرہ تھا ان کے تفردات اور خیالات سے ہر پڑھا لکھا واقف ہے۔

عدم تقلید کے بھیانک نتیجہ دیکھ کر مولانا محمد حسین بٹالوی مشہور اہلحدیث عالم اور جماعت غیر مقلدین کے پیشوا چیخ اٹھے اور کہا۔

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے"

(اشاعۃ السنہ - ص۵۳ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

میرا خود اپنا تجربہ ہے کہ بعض بالکل جاہل نوجوان جو کسی کے بہکاوے میں آکر غیر مقلد بن گئے ہیں وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ جو بخاری و مسلم میں ہے ہم صرف اسی حدیث کو مانیں گے، اور جب ان کے سامنے مسلم کی حدیث پیش کی گئی تو اس کے بھی وہ منکر ہو گئے، اس لئے کہ وہ اہلحدیث مسلک کے خلاف تھی۔

بہر حال عدم تقلید ہر زمانہ میں اور خاص طور پر اس زمانہ میں بہت بڑا فتنہ ہے اسلئے اس سے بچنا ازحد ضروری ہے۔

تقلید کے بارے میں غیر مقلدین کا نافہم رویہ

غیر مقلدین کا بھی عجیب حال ہے، ابتداءً تو وہ مطلق تقلید کا انکار کریں گے اور مطلق تقلید کی مذمت میں اپنے خیال کے مطابق آیات و احادیث پیش کریں گے، مگر جب گاڑی پھنستی نظر آئے گی اور خود اپنا دین و ایمان خطرہ میں نظر آئے گا، تو تقلید کی تقسیم کریں گے کہ یہ تقلید جائز اور یہ ناجائز، تقلید غیر شخصی جائز اور تقلید شخصی ناجائز اور کبھی تقلید شرطی اور غیر شرطی کی باتیں کریں گے کہ تقلید شرطی جائز ہے اور غیر شرطی

ناجائز ہے، غرض تقلید کے مسئلہ کو گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیں گے۔

تقلید کی دو قسمیں ہیں واجب، اور حرام

خود حکیم صادق سیالکوٹی جنھوں نے تقلید کے خلاف اسی کتاب میں اپنی عقل و فہم کے مطابق خوب اس کا رنگ دکھلایا ہے۔ تقلید کا مطلقاً انکار نہ کر سکے بلکہ تقلید کی ایک قسم کو ضروری اور واجب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ تقلید کی دو قسمیں ہیں ضروری و شرطی اور حرام (ص ۱۳۱)

حکیم صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت عقد الجید سے نقل کی ہے، اس عبارت کو یہ صاحب اپنے زعم میں تقلید کے خلاف بہت بڑی سند سمجھتے ہیں، اس عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

اعلم ان التقلید علی وجھین — تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تقلید کی دو قسم ہے
واجب وحرام (ص ۱۳۶) — ایک قسم واجب ہے اور ایک قسم حرام ہے۔

اور کمال یہ ہے کہ اس عبارت کو نقل کر کے نہایت خوشی سے سرشار ہو کر فرماتے ہیں۔

"قارئین کرام دیکھا آپ نے شاہ ولی اللہ نے تقلید جاہل اور بے علم شخص کیلئے، ضروری قرار دیا ہے" (ص ۱۳۹)

اس بے چارے کو یہی نہیں پتہ چل سکا کہ شاہ ولی اللہ کے اس کلام سے تقلید کیخلاف غیر مقلدین کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آگئی، جو تقلید کے قائلین ہیں وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ناواقف کیلئے تقلید کی ضرورت ہے واقف کاروں کے لئے نہیں،[1] تو اب تقلید کے قائلین اور شاہ صاحب کی بات کے درمیان فرق ہی کیا رہ گیا، تمہارا مال

---

(۱) ناواقف سے مراد غیر مجتہد ہے اور واقف کار سے مراد مجتہد ہے۔

تو یہ ہے کہ تم اپنے جاہلوں کو بھی عدم تقلید ہی کا درس دو گے، اور مطلق تقلید کی مذمت میں قلم و قرطاس کا کھیل دکھلاؤ گے اور مقلدین کے خلاف بد زبانیاں کرو گے۔

تقلید کو بدعت کہنا خود بدعت ہے

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب نے علماء غیر مقلدین کی طرح بلا سمجھے بوجھے اپنی اس کتاب میں بار بار تقلید کو چوتھی صدی کے بعد کی ایجاد بتلایا ہے۔ اور اسے بدعت قرار دیا ہے، اور اس بارے میں ایمان و دیانت کا خوب خوب خون کیا ہے، مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت۔

ان اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد۔ — چوتھی صدی کے لوگ کسی ایک مذہب کی خالص تقلید پر مجتمع نہیں تھے۔

نقل کر کے اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں۔

۔ شاہ صاحب کی بصیرت افروز تحقیق نے بھی یہی بتایا کہ تقلید کا وجود چوتھی صدی میں بھی نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ تقلید پانچویں صدی کی ایجاد ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تقلید کرنے والے بھائی از راہ انصاف و دیانت غور کریں چار سو سال تک شروع اسلام میں تقلید کا نام و نشان نہ تھا۔

آپ شاہ صاحب کی عبارت میں غور کریں، شاہ صاحب مطلق تقلید کی بات نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ مذہب واحد کی تقلید کی بات کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ اس کا وجود چوتھی صدی میں نہیں تھا۔

پھر تقلید خالص کا لفظ استعمال کر رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب واحد کی تقلید تو تھی مگر ایسا نہیں تھا کہ جو ایک مذہب پر جم گیا وہ کسی حال میں اور کسی وقت میں

دوسرے مذہب کی کسی مسئلہ میں بھی تقلید نہیں کرتا تھا ۔

غرض شاہ صاحب کی عبارت کا مطلب کچھ ہے اور صادق صاحب اس کا مطلب شاہ صاحب کی منشاء کے بالکل برخلاف بیان کر رہے ہیں کہ تقلید کا وجود چوتھی صدی میں نہیں تھا بلکہ یہ پانچویں صدی کی ایجاد ہے ، جن کو کسی متأخر عالم کی بات سمجھنے کا سلیقہ وصلاحیت نہیں ہے ، وہ کتاب وسنت کے سمجھنے کے مدعی ہیں اور کتاب وسنت سے خود استنباط مسائل کر لیں گے ۔ واہ رے خوش فہمی ۔

میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ تقلید کا حکم تو خود کتاب اللہ سے ثابت ہے تو جو حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو اس کو بدعت کہنا بہت بڑی بدعت اور گمراہی ہے ۔

اسلام کے دور اول میں تقلید ہی نہیں بلکہ تقلید شخصی تھی

غیر مقلدین یہ پروپیگنڈہ بڑے زور وشور سے کرتے ہیں کہ رسول اللہ اور صحابہ کے دور میں تقلید شخصی نہیں تھی ، یہ چوتھی صدی کی ایجاد ہے ، مگر یہ محض پروپیگنڈہ ہے ، اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک ہتھکنڈہ ہے ، یہ ضرور ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں جس طرح حدیث کی باقاعدہ تدوین و ترتیب نہیں ہوئی تھی اسی طرح فقہ کی بھی تدوین وترتیب نہیں ہوئی تھی ، اس لئے فقہ کا کوئی مستقل مدرسہ اور اسکول نہیں تھا کہ فقہ کے کسی خاص فکر سے لوگ وابستہ ہوں ، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دور صحابہ میں تقلید شخصی کا وجود ہی نہیں تھا ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی ومفتی ومعلم بنا کر یمن بھیجا تھا ، تمام اہل یمن حضرت معاذ سے دین سیکھتے اور ان کے فتاوی وفیصلوں پر عمل کرتے اور یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حضرت معاذ کی موجودگی میں یمن میں کوئی دوسرا قاضی ومفتی بھی تھا ۔ تو اب بتلایا جائے کہ یمن والے خود آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت معاذ کی تقلید شخصی کرتے تھے کہ نہیں ، اور یمن والوں کی یہ تقلید شخصی آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایماء ورضا سے تھی یا نہیں ۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یمن میں دوسرے اصحاب افتار و قضا بھی موجود رہے ہوں تب بھی عقل کا یہی تقاضا ہے کہ یمن کے لوگ اسی سے فتوی اور مسائل معلوم کرتے رہے ہوں گے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتی قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا۔ اور وہ حضرت معاذؓ تھے، کون ایسا مسلمان ہوگا کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نامزد اور مقرر کردہ مفتی و قاضی کو چھوڑ کر کسی دوسرے مفتی و قاضی سے دین کی باتیں معلوم کرے گا۔

اگر غیر مقلدین حضرات ذرا بھی انصاف سے کام لیں تو حضرت معاذؓ کے اس واقعہ سے سبق لیکر تقلید اور تقلید شخصی کے خلاف اپنی تمام لن ترانیوں سے توبہ کرلیں۔ تقلید بری چیز ہوتی یا تقلید شخصی شرک ہوتی یا حرام اور ناجائز ہوتی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یمن والوں کو حضرت معاذ کی تقلید شخصی کا امر کیوں فرماتے اور تنہا حضرت معاذ کو یمن بھیج کر تقلید شخصی جیسی بری چیز کا دروازہ کیوں کھولتے۔ خدارا کچھ تو عقل و انصاف سے کام لیجیئے۔ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس بات کو بدعت شرک اور حرام اور ناجائز بتلانا کتنی بڑی جرأت گمراہی اور شان رسالت میں گستاخی ہے، افسوس صد افسوس غیر مقلدین اس قسم کی جرأت اور گستاخی کا نام دین رکھتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے، اب اللہ کے اس حکم کے پیش نظر اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کی بتلائی دین کی باتوں پر چلتا تو کیا ان کی تقلید شخصی نہ ہوتی، کیا اس حدیث سے صاف یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تقلید شخصی بری چیز نہیں تھی، اگر بری چیز ہوتی تو معاذ اللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم کیوں دیتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جس بات

کو پسند کریں وہی مجھے پسند ہے۔ کیا یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی پر خود آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صراحت اور نص نہیں ہے ؟

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مدینہ کے کچھ لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ صحابہ کرام کی رائے یہ تھی کہ ان سے اس بارے میں تعرض نہ کیا جائے، تنہا صدیق اکبرؓ نے ان سے قتال کا فیصلہ کیا اور پھر سارے صحابہ نے حضرت ابوبکر کی اس بارے میں تقلید و اتباع کی اور صدیق اکبر کی رائے کو قبول کر لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر نے محض اپنی رائے سے حضرت عمر فاروق کو خلیفہ بنا دیا، اور حضرت ابوبکر کی اس رائے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ سب نے اس بارے میں حضرت ابوبکر کی تقلید و اتباع کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نماز با جماعت ایک امام کے پیچھے مقرر فرمادی اور اس وقت موجود کسی نے اس کے خلاف لب نہیں ہلایا، حالانکہ حضرت عمر کا یہ عمل محض ذاتی رائے اور اجتہاد سے تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کو کوفہ والوں کے لئے معلم بنا کر بھیجا کہ لوگ ان سے دین حاصل کریں اور کوفہ کی اکثریت حضرت عبد اللہ بن مسعود ہی کے فقہ کی پیروی اور ان کی تقلید کرتی رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اس زمانہ کے کسی فرد کو بدعت و شرک نظر نہیں آیا، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز جنازہ پر چار پانچ سات تکبیریں کہی جاتی تھیں حضرت عمر کے حکم سے صرف چار تکبیر پر اکتفا کیا گیا اور اس کو سب نے حتیٰ کہ غیر مقلدین نے بھی قبول کر لیا، کیا صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ کی تقلید نہیں کی اور کیا ساری امت نے اس تقلید کو قبول نہیں کیا ؟ آج کسی غیر مقلد کے جنازہ پر بھی چار سے زائد تکبیر نہیں کہی جاتی ہے، آخر اس مسئلہ میں غیر مقلدین نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عمل کو کیوں ترک کر دیا۔

غرض آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر صحابہ کے دور تک تقلید شخصی

اور غیر شخصی دونوں کا عمل مسلسل جاری رہا، اور کسی ایک صحابی یا تابعی سے یہ منقول نہیں ہے کہ غیر مقلدین کی طرح اس نے اس تقلید کو شرک و بدعت قرار دیا ہو۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اس عمل کو دیکھتے ہوئے بعد کے غیر مجتہد فقہاء و محدثین مجتہدین و فقہاء محدثین کی تقلید واتباع کرتے رہے اور پھر جب مذاہب اربعہ کا وجود ہوا اور فقہ باقاعدہ فن کی شکل میں مرتب ومدون ہوگیا تو عامۂ مسلمین نے انھیں چاروں مذاہب میں سے کسی ایک پر عمل کرنا شروع کردیا، چونکہ دوسرے فقہاء و مجتہدین کے فتاویٰ وآراء مرتب ومدون نہیں تھے اس لئے لوگوں کا اعتماد انھیں چاروں مذاہب پر رہا۔

چوتھی صدی عیسوی تک بعض دوسرے فقہاء کے مذاہب بھی کہیں نہ کہیں رہے مگر چوتھی صدی کے بعد انھیں چاروں مذاہب کا وجود رہا، یا پھر اہل سنت میں سے کہیں کہیں ظاہریہ تھے مگر بعد میں ان کا وجود بھی ناپید ہوگیا، صرف کتابوں میں ان کا ذکر باقی رہا۔

شیخ الحدیث مولانا صفدر صاحب مدظلہ نے اپنی بے نظیر کتاب الکلام المفید میں تقلید پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے، اور اس مسئلہ کے ہر گوشہ پر محققانہ نظر ڈالی ہے، تقلید شخصی کے تسلسل کو بڑی دقت نظر اور جامعیت سے بیان کیا ہے، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے، غیر مقلدین بھی اگر حق وانصاف کی نگاہ سے اس کتاب کو پڑھیں گے تو ان کی آنکھیں روشن ہوجائینگی۔ اور اگر اللہ نے ان میں سے کسی کے لئے بھلائی مقدر فرمائی ہوگی تو اس کی زبان تقلید کے خلاف بند ہوجائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تقلید کے خلاف غیر مقلدین حضرات کا سارا شور وغوغا بلاوجہ ہے اور کتاب وسنت پر کم نگاہی کا ثمرہ ہے، تقلید کی مشروعیت خواہ شخصی ہو یا غیر شخصی کا انکار کرنا آفتاب نیمروز کو منہ چڑانا ہے۔

تقلید غیر شخصی کو جائز کہنا اور تقلید شخصی کو ناجائز کہنا جہالت ہے

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تقلید شخصی ناجائز ہے اور تقلید غیر شخصی جس کو یہ لوگ تقلید شرعی بھی کہتے ہیں جائز ہے۔ مولانا صادق صاحب فرماتے ہیں کہ یہ "محل نزاع نہیں ہے" (ص ۱۴)

غیر مقلدین علماء کی آپ کتابیں پڑھئے یہ مطلق تقلید کو جائز کہیں گے اور تقلید شخصی کو ناجائز یہ غیر مقلدوں کی منطق ہے جو ہمارے سمجھ میں نہیں آتی، کسی بھی پڑھے لکھے آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔ مطلق جو چیز ناجائز ہوگی اس کا کوئی فرد جائز کیسے ہوگا اگر تقلید بدعت ہے تو تقلید غیر شخصی بدعت کیوں نہ ہوگی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدعت کے بارے میں ارشاد ہے کل بدعۃ ضلالۃ ہر بدعت گمراہی ہے، اگر تقلید بدعت ہے تو اس کا ہر فرد بدعت ہوگا، کوئی فرد جائز نہ ہوگا، تقلید شخصی کو بدعت قرار دینا اور غیر شخصی کو بدعت قرار نہ دینا اور پھر تقلید کے بیان میں مطلق تقلید کو بدعت قرار دینا یہ غیر مقلدین کا گورکھ دھندا ہے۔

اس گورکھ دھندے کو غیر مقلدین حل کر کے اپنی لیاقت و قابلیت کا ثبوت مہیا فرمائیں، غیر مقلدوں کا یہ کہنا ایسا ہی ہے کہ مطلق شرک تو ناجائز ہے مگر غیر شخصی جائز ہے، اور شخصی ناجائز ہے، یعنی اگر خاص ایک معبود کو اللہ کا شریک قرار دیا جائے تو ناجائز ہے اور چند کو اللہ کا شریک قرار دیا جائے تو جائز ہے۔

غیر مقلدین لاکھ ہاتھ پاؤں ماریں مگر اس کے علاوہ چارہ نہیں کہ مطلق تقلید کی اباحت و جواز کے قائل ہو جانے کے بعد تقلید شخصی کی اباحت و جواز کے وہ قائل ہوں اس کے انکار کی کوئی شکل نہیں ہے۔

میں بتلا چکا ہوں کہ تقلید کا ثبوت فاسئلوا اھل الذکر والی آیت سے بین طور پر ہوتا ہے، تو کیا اب یہ کہا جائے گا کہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ دین و شریعت پر

عمل کرنے کے لئے متعدد مفتیوں سے فتویٰ حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایک مفتی سے فتویٰ حاصل کرنا حرام ہوگا ؟ غیر مقلدین کی منطق تو یہی کہتی ہے۔

تقلید اور اتباع کا مفہوم ایک ہے

غیر مقلدوں کی جب گاڑی پھنسی ہے اور تقلید کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا تو نوٹنکی دکھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اتباع کا حکم ہے تقلید کا نہیں، صحابہ کرام آنحضورؐ کی اتباع کرتے تھے تقلید نہیں کرتے تھے، خیر القرون میں اتباع اور اطاعت کا وجود ثابت ہوتا ہے تقلید کا نہیں۔

یہ محض غیر مقلدین کی نوٹنکی ہے، سوال یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اتباع بلا طلب دلیل صحابہ کرام کرتے تھے تو یہی تو تقلید ہے۔ یا غیر مقلدین یہ ثابت کر دیں گے کہ رسول اللہ سے صحابہ کرام آپ کے ہر قول وفعل کی دلیل مانگا کرتے تھے۔ میں بتلا چکا ہوں کہ مطاع حقیقی اور آمر حقیقی اور شارع حقیقی اللہ ہے، اللہ کی مرضی کے خلاف اللہ کا رسول کوئی حکم نہیں دیتا۔ تو پھر بتلایا جائے کہ کیا یہ جاننے کے لئے کہ رسول کا فلاں حکم اللہ کی مرضی کے مطابق ہے صحابہ کرام اللہ کے رسول سے کوئی دلیل مانگتے تھے یا آپ کے فرمان پر بے چون وچرا عمل کرتے تھے، یقیناً صحابہ کرام کے عمل کی یہی دوسری شکل تھی، اور جب یہی شکل تھی تو اس کا جو چاہے نام رکھا جائے یہ حقیقت کے اعتبار سے تقلید ہی ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔

اسی طرح سے کیا کوئی عقل باور کرے گی کہ حضرت معاذؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جب مفتی ومعلم ہو کر یمن پہونچے تو ان کے ہر ہر فتویٰ وقضا کی یمن والے ان سے دلیل طلب کرتے تھے ؟ کیا غیر مقلدین کے بس میں ہے کہ اس بات کو وہ دلائل سے ثابت کر دیں ؟

مصنف عبد الرزاق مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ احادیث کی کتابوں میں صحابہ کرام

اور تابعین عظام کے ہزاروں فتاویٰ منقول ہیں، صرف مفتیوں کے فتاویٰ ہیں، کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے ان کے فتاووں کے ساتھ ان کی دلیلیں نقل نہیں کی گئی ہیں، ایسا کبھی تھا ہی نہیں کہ ہر مفتی ومجتہد کے لئے اپنی بات کی کتاب وسنت سے دلیل کا ذکر کرنا ضروری ہو، فتاویٰ کتاب وسنت کی روشنی میں دیئے جاتے تھے مگر ہر ہر فتویٰ اور ہر ہر قول کی کتاب وسنت سے دلیل ذکر کرنے کو کوئی ضروری نہیں سمجھتا تھا، نہ اس زمانہ میں یہ ضروری تھا اور نہ آج ضروری ہے اس لئے کہ عوام کو دلائل کی نہیں مسائل کی ضرورت ہے، دلائل کا سمجھنا ہر عامی کے بس میں بھی نہیں ہوتا، شیخ ابن باز غیر مقلدوں کے بہت بڑے عالم ہیں اخبار العالم الاسلامی میں ان کے فتاوی چھپتے ہیں لیکن سیکڑوں فتوے ایسے ہیں جن کی شیخ کتاب وسنت سے دلیل ذکر نہیں کرتے اور غیر مقلدین بلا چون وچرا اور بلا دلیل ان فتووں پر ایمان لاتے ہیں۔

غرض غیر مقلدوں کا یہ فریب کہ اتباع تو جائز ہے اور تقلید حرام اور شرک ہے کسی پڑھے لکھے آدمی پر نہیں چل سکتا، اس سے جاہل غیر مقلدوں ہی کو بہلایا اور بہکایا جا سکتا ہے پڑھے لکھے لوگوں کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا، اور جب یہ بات ہے کہ فتاویٰ کے ساتھ دلائل کا ذکر ضروری نہیں ہے تو مولانا صادق سیالکوٹی کی یہ بات قطعاً غلط ہے کہ

"اقوال کو حدیث پر پیش کرو" (ص ۱۴۱)

اور یہ بھی غلط ہے کہ

مسلمان بھائیو یاد رکھو دین کا ہر مسئلہ قرآن وحدیث کی دلیل سے مانو اور پھر عمل کرو۔ (ص ۱۴۲)

کیا غیر مقلدین عوام نماز وروزہ، حج وزکوۃ، نکاح وطلاق وغیرہ شرعی مسائل پر قرآن وحدیث سے دلیل معلوم ہی کر کے عمل کرتے ہیں، عوام کو چھوڑیئے کیا ان کے تمام علماء تمام مسائل شرعیہ کی دلیل سے واقف ہی ہو کر اس پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ناواقفوں کو اس کا مکلف بناتا ہے کہ علماء سے مسئلہ

قابلیت وعلمی صلاحیت وکتاب وسنت کی معرفت اور ان کے غیر مقلد پن کو کھول کھول کر اور علی الاعلان اور پکار پکار کر بیان کر رہا ہے۔

برادران غیر مقلدین حکیم صاحب کی اس قابلیت کی ضرور داد دیں گے، ہم تو صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ " مجتہد صاحبوں کے کیا کہنے "

حضرات، غیر مقلد عالم وقابل مولانا حکیم صادق سیالکوٹی کی علم وبصیرت سے بھری بات تو آپ نے سن لی۔ مگر شاید حکیم صاحب کو پتہ نہیں چلا کہ "چلی تھی کس پہ یہ برچھی کس کے آن لگی" حکیم صاحب نے تو اپنی خدا داد قابلیت کی برچھی چلائی تھی حنفیوں کو زخم پہونچانے کے لئے مگر غیر شعوری طور پر وہ خود کو زخمی کر گئے، اس لئے کہ فاسئلوا اھل الذکر کے سلسلہ میں ان کی اس تقریر دلپذیر کا حاصل یہ نکلا کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور نزول وحی کے وقت مقلدین کا ایک گروہ تھا، اور آیت میں انھیں مقلدین جاہلین سے خطاب ہے کہ تم اہل علم سے سوال کر لیا کرو۔ بس غیر مقلدین کی یہ بات ہوا میں اڑ گئی کہ تقلید کا وجود چوتھی صدی ہجری میں ہوا۔ خود حکیم صاحب نے غیر شعوری طور پر اعتراف کر لیا کہ تقلید خود آنحضورؐ کے زمانہ میں تھی اور صحابہ کی ایک جماعت مقلدین کی تھی، اسی کو کہتے ہیں کہ حق اپنے آپ کو خود ہی منوا لیتا ہے ؎

چٹکیاں لیتی ہے فطرت چیخ اٹھتا ہے ضمیر
کوئی کتنا ہی حقیقت سے گریزاں کیوں نہ ہو

تقلید واجب ہے یا نہیں

آپ نے ابھی ارشاد خداوندی سنا کہ اللہ بندوں کو امر فرماتے ہیں کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کہ جو ناواقف کار ہیں وہ واقف کاروں سے دین کی باتیں معلوم کریں۔ یہ خداوند قدوس کا امر اور حکم ہے اور امر اور حکم کی حقیقت وجوب ہوتی ہے۔ تو پھر اس آیت کے پیش نظر شرعی حکم یہ ہوا کہ ناواقفوں کو واقفان شریعت

سے شرعی مسائل معلوم کرنا ضروری ہے۔ یعنی علماء اور واقفان شریعت جو مسئلہ بتلائیں اس مسئلہ میں ان کی بات کا ماننا ضروری ہے، ورنہ سوال کا مقصد ہی فوت ہوجائیگا۔

غرض یہ آیت وجوب تقلید کو صراحت سے بتلارہی ہے، اس لئے مطلق تقلید کے وجوب کا انکار کرنا قطعاً باطل ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تقلید شخصی کے وجوب پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں، یہ ان کی خوامخواہ کی کج بحثی ہے۔ اس آیت کریمہ میں مطلق تقلید کے وجوب کا حکم ہے۔ اور یہی وجوب کا حکم منجر ہوگا تقلید کے تمام افراد میں خواہ شخصی ہو یا غیر شخصی، مثلاً چند علماء کسی بستی میں ہوں، اور ہمیں یہ معلوم ہو کہ فلاں سے اگر مسئلہ معلوم کیا جائے تو ہماری صحیح رہنمائی ہوگی تو اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ اسی فلاں متعین ہی سے مسئلہ معلوم کریں۔ یا مثلاً کسی بستی میں صرف ایک صاحب علم و ماہر شریعت ہو تو بستی والوں کو اسی سے مسئلہ معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ غرض تقلید کا اقرار کر لینے کے بعد اور اس کی مشروعیت کے قائل ہوجانے کے بعد شخصی اور غیر شخصی کی تقسیم کا گورکھ دھندا پھیلا کر کے ایک کو جائز قرار دینا اور دوسرے کو ناجائز یہ حماقت اور جہالت کی بات ہے، جس کا زبان سے نکالنا اہل علم کی شان نہیں ہے۔

حکیم صاحب نے اپنی اس کتاب میں مولانا یوسف جے پوری کی کتاب حقیقۃ الفقہ سے تقلید اور مقلدین کے سلسلہ کے بہت سے اقتباسات نقل کئے ہیں، مگر ہمارے نزدیک حقیقۃ الفقہ نہایت ناکارہ اور جہالت کا پشتارہ کتاب ہے، اور اس کا مصنف علم وخرد سے بیگانہ غیر امین شخص ہے، ہم نے اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ اپنے مضمون حقیقۃ الفقہ پر ایک نظر میں ظاہر کر دیا ہے، اس وجہ سے ہم اس کتاب کے اقتباسات سے یہاں کوئی تعرض نہیں کرنا چاہتے۔ حقیقۃ الفقہ کے مصنف کا دجل و فریب سے اہل علم آگاہ ہیں اور روز قیامت وہ خود اس کا حشر دیکھ لے گا۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری　　　قسط ۲۱

مقام صحابہ کتاب و سنت کی روشنی میں
اور
مولانا مودودی

مدینہ میں آنحضور ؐ کی نیابت پر آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو متعدد مرتبہ اپنی غیر موجودگی کے وقت مدینہ میں اپنا نائب نامزد کیا، اس طرح آپ کی زندگی ہی میں آپ کو آنحضور ؐ کا خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوا ۔

عن ابی الحویرث قال استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المدینۃ فی غزوتہ الی ذات الرقاع عثمان بن عفان و استخلفہ ایضا علی المدینۃ فی غزوتہ الی غطفان (طبقات ص ۳۹ ج ۳)

ابو حویرث سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، نیز آپ نے ان کو غطفان کے غزوہ کے موقع پر مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا تھا ۔

بیعتِ رضوان اور حضرت عثمان کا شرف صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضور ؐ نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا ۔ آپ کو وہاں سے واپس آنے میں دیر ہو گئی اتنے میں کسی نے یہ خبر اڑا دی

کہ آپ کو قریش نے قتل کر دیا ہے، آپ صلے اللہ علیہ وسلم اس خبر سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے حضرت عثمان کا قریش سے بدلہ لینے کیلئے صحابہ سے بیعت لی اور اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیکر خود ان کی طرف سے بھی بیعت لی۔ یہ حضرت عثمان کا وہ شرف ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس ہاتھ کا جس کو آپ نے اپنا ہاتھ قرار دیا تھا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ اس کو آپ نے کبھی استنجا کیلئے استعمال نہیں کیا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۱۶۶/۲۷)

دین کی راہ میں آپ کی مالی قربانیاں

حضرت عثمان بڑے تاجر تھے دل بھی آپ کو اللہ نے بڑا سخی دیا تھا، اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنا مال اللہ کے راستہ میں لگایا اور اس سلسلہ میں بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں کی آپ نے اپنے مال سے مدد کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ضرورت محسوس کی حضرت عثمان اپنا مال لے کر حاضر ہو گئے اور بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔

مدینہ میں مسلمانوں کو پانی کی بڑی تنگی تھی، مہاجرین زیادہ پریشان تھے پورے شہر میں صرف ایک کنواں تھا جس کا مالک یہودی تھا، حضرت عثمان نے اس کو یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف عام کر دیا، آپ نے اس کنواں کو جس کا نام بیر رومہ تھا دو قسطوں میں تقریباً ۲۰ ہزار درہم میں خریدا۔

غزوۂ تبوک ۹ھ میں پیش آیا، خبر یہ تھی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنحضورؐ نے اس کے مقابلے کی تیاری کی، یہ زمانہ بڑی عسرت و تنگدستی کا تھا، اس غزوہ میں تیس ہزار پیادے اور ۱۰ ہزار سوار شامل تھے۔ حضرت عثمان نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات اپنے ذمہ لے لئے اس طرح دس ہزار فوج کو آپ نے اپنے مال خاص سے مسلح کیا ان دس ہزار فوجوں کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت آپ ہی کے پیسے سے پوری کی گئی اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لئے ایک ہزار دینار پیش کئے، آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فیاضی سے اس قدر مسرور ہوئے کہ آپکی

زبان مبارک سے بے اختیار یہ دعا نکلی جو حضرت عثمان کے تاج فخر کا طرۂ شرف ہے۔

ماضر عثمان ما عمل بعد ھٰذا الیوم۔ (ترمذی) — آج کے بعد عثمان جو عمل کریں گے وہ انھیں نقصان نہیں پہونچائے گا۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت عثمان ذوالنورین کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے عہد نبوی میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تو اس کی توسیع کے لئے حضرت عثمان نے قریب کا قطعۂ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ (مہاجرین ص ۲۲۲/۱۶ قسم اول)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم مواقع پر حضرت عثمان کی فیاضیوں سے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا۔ حضرت عمر کے زمانے میں جب قحط پڑا اس وقت حضرت عثمان نے سیکڑوں اونٹوں سے لدا ہوا کھانے پینے کا سامان اہل مدینہ کے لئے عام کردیا۔

ایک دفعہ جہاد میں مسلمانوں کے چہرے فقروفاقہ سے اداس تھے آپ نے چودہ اونٹوں پر سامان خوردونوش لادکر کے آنحضرت کے پاس بھیجا، آپ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کردیں۔

(مہاجرین ص ۲۵۹ ج ۱)

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جودوکرم اور صدقات وخیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے، بیواؤں اور یتیموں کی خبرگیری کرتے تھے۔ (مہاجرین ص ۲۵۹/۱۶)

عبادت | آپ کو قرآن سے خاص شغف تھا، پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ جاتے تھے۔ استیعاب اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

کان یحیی اللیل برکعۃ یجمع فیھا القرآن (استیعاب ص ۴۷۶/۲ج) — یعنی ایک رکعت سے پوری رات کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں پورا قرآن پڑھ جاتے تھے۔

روزے سے بھی آپ کو خاص شغف تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے آپ صائم الدھر تھے۔

کان یصوم الدھر۔ (استیعاب) — آپ صائم الدھر تھے۔

حیا | آپ حیاوشرم کے پتلے تھے، آپ میں اس درجہ حیاوشرم تھی کہ خود آنحضورؐ اس حیا کا

پاس ولحاظ رکھتے تھے، دوسرے صحابہ کے ساتھ آپ بے تکلف بیٹھتے لیکن حضرت عثمانؓ کی موجودگی میں آپ اپنے کپڑے وغیرہ برابر کرکے اہتمام سے بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے۔

الأأستحيي من رجل يستحي منه الملئكة ۔ (مسلم) | کیا میں اس آدمی سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

خلافت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت کے بعد بالاتفاق آپ کو لوگوں نے خلافت کے جلیل القدر منصب کے لئے چن لیا اور اسد الغابہ میں ہے کہ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت شنبہ کے روز غرہ محرم ۲۴ھ میں ہوئی، حضرت عمرؓ نے اپنے بعد چھ آدمیوں کو نامزد کر دیا تھا کہ اس میں سے جس کو مسلمان چاہیں خلیفہ بنالیں وہ چھ آدمی یہ ہیں ۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبد الرحمٰن ۔ یہ چھ وہ حضرات ہیں جن کو آنحضورؐ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنادی تھی، لیکن خود حضرت عمر کا یہ خیال تھا کہ لوگ ان میں سے صرف دو یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی کی بیعت پر مجتمع ہوسکیں گے چنانچہ آپ کا ارشاد تھا۔

ما اظن الناس يعدلون بعثمان و على احدا ۔ (البدایہ ص ۱۴۵ ج ۷) | میں نہیں سمجھتا ہوں کہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت علی کے برابر کسی اور کو درجہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ کے نام پر اتفاق عام

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خود خلافت کے لئے نامزد تھے انھوں نے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اس سلسلہ میں صحابہ کرام سے مشورہ لینا شروع کیا خود ان نام زد پانچوں حضرات نے بھی حضرت عبد الرحمٰن پر کامل اعتماد کیا ۔ حضرت عبد الرحمٰن نے ہر چھوٹے بڑے سے مشورہ کیا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے بھی مشورہ لیا بلکہ مکاتب کے بچوں سے بھی اس بارے میں ان کی رائے معلوم کی، مدینہ میں جو دیہاتوں سے آنے والے دیہاتی یا دوسرے شہروں سے آنے والے مسافر تھے ہر ایک کی رائے معلوم کی تین روز تک آپ رات دن اسی سلسلہ میں رہے اور لوگوں سے مشورہ کرتے رہے لیکن ہر ایک کی زبان پر صرف حضرت عثمانؓ

کا نام تھا۔

انہ سال من یمکنہ سوالہ من اہل الشوریٰ وغیرھم فلا یشیر الا بعثمان بن عفان۔

(البدایہ ص ۱۴۶ ج ۷)

حضرت عبدالرحمٰن نے اہل شوریٰ اور غیر اہل شوریٰ جس سے بھی اس بارے میں دریافت کرنا ممکن تھا سب کی رائے معلوم کی ہر ایک نے صرف حضرت عثمان رضؓ کا مشورہ دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن نے کتنی جدوجہد کی اس کا اندازہ ابن کثیر کے اس بیان سے لگتا ہے۔

فسعیٰ فی ذٰلک عبد الرحمٰن ثلٰثۃ ایام بیالیھا لا یتغمض بکثیر نوم الا صلوٰۃ ودعاءً واستخارۃ وسوالاً من ذوی الرای عنھم فلم یجد احداً یعدل بعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(البدایہ ص ۱۴۶ ج ۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس بارے میں تین دن شب و روز مسلسل لگے رہے ان تین دنوں میں آپ بہت کم سوتے تھے، یا نماز میں رہتے یا دعا میں یا استخارہ کرتے اور لوگوں سے جو اہل رائے تھے مشورہ کرتے انھوں نے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں پایا کہ وہ حضرت عثمان کے برابر کسی اور کو سمجھتا ہو۔

اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مقبولیتِ عامہ اور صحابۂ کرام کے دل میں آپ کی عظمت واحترام کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ آپ کے ہاتھ پر جس جوش وخروش اور خوشی و مسرت کے ساتھ لوگوں نے بیعت کی اس کا اندازہ ابن کثیر کے اس بیان سے لگتا ہے، جب حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو بقول ابن کثیر۔

وازدحم الناس یبایعون عثمان حتی غشوہ تحت المنبر۔

(البدایہ ج ۷، ص ۱۴۷)

لوگوں کا اژدھام ہوگیا، حضرت عثمان سے لوگ بیعت کررہے تھے اژدھام اتنا تھا کہ لوگوں نے ان کو منبر کے نیچے ڈھانک لیا۔

سب سے پہلے بیعت کرنے والوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے اور اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

اول من بایع عثمان عبدالرحمن	سب سے پہلے جس نے بیعت کی وہ حضرت
ثم علی بن ابی طالب (ص ۱۴۲/۷)	عبدالرحمن تھے پھر حضرت علی نے بیعت کی ۔

بعض مؤرخین نے یہاں حضرت علی کے سلسلہ کے بعض افسانے نقل کئے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی تھی، وہ عرصہ تک حضرت عثمان سے الگ تھلگ رہے، حضرت عثمان کی خلافت سے آپ راضی نہیں تھے۔ مگر یہ سب افسانے ہیں اور یہ شیعوں کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں، ابن کثیر اس کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

الیٰ غیر ذالک من الاخبار المخالفۃ	اس طرح کی جو صحیح روایتوں کے خلاف باتیں
لما ثبت فی الصحاح فھی مصادرۃ	منقول ہیں یہ سب ناقلین اور قائلین کی ناقابل
علیٰ قائلیھا و ناقلیھا۔ (البدایہ ص ۱۴۷/۷)	قبول اور مردود باتیں ہیں ۔

صحابہ کرام کے بارے میں شیعوں اور خوارج نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں اس کو ہمارے علماء نے بلا بحث و تمحیص کے قبول کر لیا ہے حالانکہ صحابۂ کرام کے بارے میں بڑا پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور جو بات ان کی عام زندگی کے مناسب نہ ہو اس کو رد کر دینا ہی ایمان و اسلام کی سلامتی کے لئے ضروری ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں ۔

والمظنون بالصحابۃ خلاف ما یتوھم	صحابۂ کرام کے بارے میں جو بہت سے روافض
کثیر من الرافضۃ و اغبیاء القصاص	یا بے وقوف قصہ گو جن کو صحیح اور غلط خبروں کی
الذین لا یمیز عندھم بین صحیح	تمیز نہیں ہے باتیں نقل کرتے اس کے برخلاف
الاخبار و ضعیفھا و سقیمھا	ہمارا گمان ہونا چاہیئے ۔

ومبادھا و قویمھا۔ (البدایہ ص ۱۴۷/۷)

غرض اس موقعہ پر حضرت علی کے سلسلہ کے جو واقعات نقل کئے جاتے ہیں، تاریخی حیثیت سے ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حضرت علی نے حضرت عثمان کی بیعت خوشی سے کی اور جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت عبدالرحمٰن کے بعد آپ ہی پہلے بیعت کرنے والے تھے ۔

آئندہ ہم بتلائیں گے کہ حضرت علی کے دل میں حضرت عثمان کا کتنا احترام تھا اور ان کے

جذبات حضرت عثمان کے بارے میں کیسے تھے۔

حضرت عثمان کی بیعت خلافت پر حضرت ابن مسعود کا تبصرہ

حضرت عثمان کی بیعت خلافت

جب تمام ہو چکی تو حضرت ابن مسعود نے حضرت عثمان اور اس خلافت کے بارے میں مندرجہ ذیل تبصرہ کیا جس کو طبقات ابن سعد میں نقل کیا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

استخلفنا خیر من بقی ولم نال — ہم نے اس کو خلیفہ بنایا جو سب سے بہتر تھا اور اس بارے میں ہم نے کوتاہی نہیں کی۔

(طبقات ج ۳ ص ۴۳)

اور اس بات کو آپ مسلسل مسجد میں جمعہ کے خطبے میں لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ نزال ابن سبرہ کی روایت ہے۔

شهدت عبد الله بن مسعود فی هذا المسجد ما خطب خطبة الا قال امرنا خیر من بقی ولم نال۔ (ایضا)

یعنی میں اس مسجد میں حضرت ابن مسعود کے ساتھ حاضر ہوا اور آپ نے کوئی خطبہ ایسا نہیں دیا جس میں یہ نہ کہا ہو کہ ہم نے جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان میں سب سے بہتر جو انسان تھا اسکو خلیفہ بنایا اور ہم نے کوتاہی نہیں کی۔

اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ حضرت عثمان اس وقت صحابہ کرام میں سب سے افضل تھے اور اس کا اعتراف اجلاء صحابہ کو بھی تھا نیز عقل کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ صحابہ کرام اس اہم کام کیلئے کسی ایسے کا انتخاب نہ کریں گے جس سے بہتر کوئی دوسرا موجود ہو۔

حضرت عثمان کی خلافت کیلئے آنحضورؐ کا اشارہ

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں حضرت عثمان کی خلافت کی

طرف اشارہ فرما دیا تھا، طبقات کی روایت میں ہے کہ ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضور نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ ایک
لعثمان ان اللہ کساک یوما سربالا	روز اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص پہنائے گا اگر
فان ارادک المنافقون علیٰ خلعہ	منافقین تم کو اس کے اتارنے کیلئے مجبور
فلا تخلعہ لظالم ۔ (ص ۴۹ ج ۳۷)	کریں تو تم کسی ظالم کیلئے اسکو مت اتارنا۔

یہ صاف حضرت عثمان کی خلافت کی طرف اشارہ ہے بلکہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو یہ بشارت بھی دی تھی کہ تمہاری شہادت مقدر ہے اور اس کی اطلاع بھی کردی تھی کہ تم کو مصائب ومحن سے بھی گذرنا ہوگا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان ایام فتنہ میں صبر واستقامت کا ہاتھ تھامے خاموش رہے اور مفسدین کے خلاف آپ نے کوئی کاروائی نہیں کی، چنانچہ آپ آئندہ اس سلسلہ کی کچھ باتیں اس کتاب میں بھی پڑھیں گے ۔

عہد عثمان کے کارنامے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت بڑا مسعود ومیمون تھا۔ فتوحات کا دروازہ وسیع سے وسیع تر ہوگیا اور مجاہدین اسلام آپ کے زمانہ میں یورپ اور افریقہ تک گھستے چلے گئے، کسریٰ کی شہنشاہیت ٹوٹ کر اسلامی حکومت کے زیرنگیں ہوگئی، ایک طرف طرابلس، ابرقہ، اور مراقش میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو دوسری طرف ایران، افغانستان، خراسان اور ترکستان سب پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا، مصر وشام کا سارا علاقہ اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا، آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہوکر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی، اس طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کرلیا گیا۔ غرض عثمانی عہد میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا خصوصًا آپ کے زمانہ خلافت کا ابتدائی ۶ سال بڑی خیر وبرکت کا رہا۔ غنائم کی بھی بڑی کثرت ہوئی، فقر وفاقہ کی زندگی ختم ہوگئی اور مسلمان آرام وآسائش کی زندگی گذارنے لگے ۔ استیعاب میں ہے ۔

عن ابن سیرین قال کثر المال فی زمن عثمان حتی بیعت جاریۃ بوزنھا وفرس بمائۃ درھم ونخلۃ بالف درھم (ص ۲۷)

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوئی یہانتک کہ ایک ایک لونڈی کی فروخت اس کے وزن کے برابر سے ہوئی ایک گھوڑا سو درہم میں فروخت ہوگیا، کھجور کا ایک درخت ہزار درہم میں بکا۔

خود حضرت عثمان اپنے مخالفوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ آخر کس وجہ سے میرے خلاف ہو۔

ما من یوم الا وتقسمون فیہ خیر۔ (ایضاً)

کوئی روز ایسا نہیں گذرتا جس میں تم لوگ کچھ خیر حاصل نہ کرتے ہو۔

بہرحال آپ کا دور ہر اعتبار سے کامل اور مکمل اور کامیاب دور تھا، اسلام نے ہر اعتبار سے ترقی کی اور مسلمانوں کا اقوام عالم پر رعب و داب قائم ہو گیا۔ آپ کی مدت خلافت کا نصف آخر پریشانیوں میں گذرا، سبائی جماعت نے مسلمانوں کے خلاف ایک سازش تیار کی جس کا مقصد مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا تھا اور اسلامی پایۂ تخت کو کمزور کر کے اپنے اغراض فاسدہ کو بروئے کار لانا تھا اور افسوس یہ ہے کہ اس سازش کے شکار بعض اجلائے صحابہ کرام کی اولاد بھی ہوگئی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ایسے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا کہ آج بھی ہم اس کا تدارک کرنے سے عاجز ہیں۔

حضرت عثمان سے ناراضگی کا سبب

میں نے عرض کیا کہ حضرت عثمان کے خلاف سبائیوں نے ایک زبردست سازش رچی تھی جس کا مقصد حضرت عثمان کو بدنام کرنا اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا اور اسلامی خلافت کی اساس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا تھا، اس سازش کو کامیاب بنانے میں بعض باتیں حضرت عثمان کی خود بھی مددگار بن گئیں یا انھیں حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے کا بہانہ بنا لیا گیا مثلاً حضرت عثمان پر ایک الزام یہ تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں حکومت کے عہدے زیادہ تر انھیں کے

سپرد کئے جاتے ہیں۔

ایک الزام یہ تھا کہ آپ نے قرآن کریم کے نسخوں کو جلا دیا تھا، ایک الزام یہ تھا کہ آپ نے بعض کام سنت کے خلاف کیا اور بیت المال میں بے جا تصرف کا بھی الزام تھا۔ نیز بعض اجلائے صحابہ کو آپ نے گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ دوسروں کا تقرر کر دیا تھا اس میں اہم ترین پوزیشن عمرو بن العاص کی تھی جو مصر میں اپنی حکومت وسیادت کا سکہ جما چکے تھے اور اہل مصر آپ سے مانوس تھے یہ وہ باتیں ہیں جو عام طور پر لوگوں کو پسند نہیں تھیں اور انھیں باتوں کو شورش پسند لے کر آپ کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکایا کرتے تھے۔

لیکن درحقیقت ان سارے الزامات کے پیچھے یہودیت اپنا کام کر رہی تھی جو عبداللہ بن سبا کی شکل میں نفاق کا لباس پہن کر مسلمانوں میں گھس آئی تھی ورنہ یہ سارے الزامات بے جان ہیں انھیں کسی طرح بھی حضرت عثمان کے خلاف اقدام کرنے کے لئے جواز نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت عثمان کے خلاف سارے الزامات بے بنیاد ہیں

مثلاً حضرت عثمان اگر اپنے رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھتے تھے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس بارے میں آپ خلافِ دیانت کسی ناجائز امر کا بھی ارتکاب کرتے تھے؟ تو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس سے معلوم ہو کہ آپ اپنے رشتہ داروں کی کبھی کوئی ناجائز حمایت یا رعایت کی ہو محض صلہ رحمی یہ تو کوئی ناجائز اور نامشروع بات نہیں ہے بلکہ یہ تو شریعت کا مطلوب اور قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید ہے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عطیے دیا کرتے تھے تو اگر یہ عطیے بیت المال میں سے وہ دیتے تھے تب تو بلا شبہ خلافِ دیانت اور نامشروع عمل کا وہ ارتکاب کرتے تھے لیکن کیا کسی ایک واقعہ سے بھی یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بیت المال میں سے اپنے کسی رشتہ دار کو ناجائز طریقہ پر کچھ دیکر خیانت کا ارتکاب کیا ہو۔ حضرت عثمان جنھوں نے شروع اسلام سے لے کر اخیر تک اسلام کی راہ میں بے دریغ مالی قربانیاں پیش کیں

ان کے بارے میں ایسا گمان کرنا خود اپنی بدطینی، بدنیتی اور خبث باطن کا اعلان و اظہار کرنا ہے حضرت عثمان بلاشبہ اپنے رشتہ داروں کی خبرگیری رکھتے تھے ان کو ہدایا و عطایا سے نوازتے بھی تھے مگر یہ سب خود ان کے اپنے ذاتی مال میں سے ہوا کرتا تھا، کون نہیں جانتا کہ حضرت عثمان عرب کے مالدار ترین لوگوں میں سے تھے جو دس دس ہزار لشکر کا اپنے جیب خاص سے خرچ برداشت کرنے کی طاقت رکھتے تھے، حضرت عثمان کا خود بیان پڑھ لیجئے فرماتے ہیں۔

قالوا انی احب اهل بیتی واعطیهم فاما حبی فانه لم یمل معهم علی جور بل احمل الحقوق علیهم واما عطاءهم فانی اعطیهم من مالی ولا یستحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحدٍ من الناس ولقد کنت اعطی العطیه الکبیرة الرغیبه من صلب مالی فی ازمان رسول الله وابی بکر وعمر رضی الله عنهما وانا یومئذٍ حریص شحیح افحین اتیت علی اسنان اهل بیتی وفنی عمری ودعت الذی الیّ فی اهلی قال الملحدون ماقالوا ۔

(طبری ص ۲۱۸ ج۱ مہاجرین)

لوگ کہتے ہیں کہ اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر کے عہد میں بھی اپنے مال سے گرانقدر عطیے دیا کرتا تھا، حالانکہ میں اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا اور جب کہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہونچ چکا ہوں زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔

اس باب میں حضرت عثمان کے تقویٰ اور احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ بیت المال سے اپنا جائز راتب بھی نہیں لیتے تھے۔ فرماتے ہیں:

وما تبلغ منه ما اکل الا من مالی۔

(ایضاً)

میں اس سے کچھ نہیں لیتا یہانتک کہ کھاتا بھی ہوں اپنے مال سے۔

اس صاف اور صریح بیان کے بعد حضرت عثمان کی دیانت وامانت پر جو لوگ حملہ کرتے ہیں اس کے جواب میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔

رہا یہ الزام کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیا کرتے تھے تو یہ الزام بھی قابل اعتنار نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان عہدوں کی تقسیم اگر محض اس وجہ سے ہو کہ فلاں رشتہ دار ہے تو بلا شبہ یہ قابل اعتراض بات ہے لیکن اگر عہدوں کی تقسیم کے وقت صلاحیت ہی پیش نظر ہو عہدوں کے لئے بنیاد صلاحیت ہی کو بنایا جا رہا ہو اب اتفاق سے یہ جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے اس میں صلاحیت کے ساتھ اس سے قرابت کا بھی رشتہ ہے تو یہ کبھی اور کسی زمانہ میں بھی قابل اعتراض بات نہیں شمار کی گئی ہے محض اس وجہ سے ان صاحب صلاحیت لوگوں کو رد کر دینا یہ نہ شریعت کا مطالبہ اور نہ عقل کا تقاضہ ہے، آئیے دیکھئے حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ کے اموی اعمال کون لوگ تھے اور کیا ان کا گورنری کے عہدے پر تقرر یہ کوئی حضرت عثمان کی بدعت تھی یا وہ لوگ پہلے بھی اہم عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔

حضرت عثمان کے زمانہ کے اموی عمال

حضرت عثمان کے زمانہ میں بنی امیہ کے جو لوگ عہدوں پر فائز تھے وہ مندرجہ ذیل حضرات ہیں۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان، عبداللہ بن عامر، مروان بن الحکم، ولید بن عقبہ، سعید بن العاص صرف یہی پانچ وہ اموی حضرات ہیں جو حضرت عثمان کے زمانہ میں اہم عہدوں پر رہے ہیں۔

ان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان تو ان لوگوں میں سے ہیں جو آنحضورؐ کے زمانہ سے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک برابر کسی نہ کسی عہدے پر رہے۔ آنحضورؐ کے زمانہ میں آپ کتابت وحی کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر کے عاملوں میں آپ کا نام ہے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں آپ شام کے گورنر تھے۔

ولاہ عمر علی الشام عند موت اخیہ یزید۔ (استیعاب ص۲۵۳ ج۲)

حضرت عمر نے ان کو ان کے بھائی یزید کی وفات کے بعد شام کا گورنر مقرر کیا تھا۔

حضرت عمر کے زمانے میں آپ چار سال تک اس عہدے پر رہے۔

وکتب الی معاویہ بولایتہ علی الشام فاقام اربع سنین۔ (ایضاً)

حضرت عمر نے شام کی گورنری کیلئے حضرت معاویہ کو خط لکھا تھا، چنانچہ آپ اس عہدے پر حضرت عمر کے زمانے میں چار سال تک رہے۔

حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان نے بھی ان کو اسی عہدے پر باقی رکھا اور وہ شام کے گورنر کی حیثیت سے حضرت عثمان کے ممد و معاون رہے۔

فاقرہ عثمان علیہا۔ (ایضاً)

حضرت عثمان نے بھی ان کو شام ہی کے عہدۂ گورنری پر باقی رکھا۔

دوسرے ہیں ولید بن عقبہ یہ بھی حضرت عمر کے زمانہ میں الجزیرے کے عامل تھے اس عہدے پر ۱۵ھ میں حضرت عمر نے ان کا تقرر کیا تھا نیز یہ عہد صدیقی میں اردن کی طرف سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے تھے۔

ان پانچ میں سے دو کے بارے میں آپ نے معلوم کر لیا کہ یہ دونوں حضرات صرف حضرت عثمان ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ عہد فاروقی بلکہ حضرت معاویہ تو عہد نبوی میں بھی اہم عہدوں پر رہے ہیں۔

اب صرف تین حضرات وہ ہیں جن کا تقرر حضرت عثمان نے اپنے زمانے میں کیا تھا، عبداللہ بن عامر، مروان بن حکم اور سعید بن العاص، میں پوچھتا ہوں کہ کیا حضرت عثمان جو کہ خلیفۂ وقت ہیں ان کو آپ اتنا بھی اختیار نہیں دیں گے کہ وہ اپنی مصلحت اور اپنی رائے اور اپنے اختیار سے تین آدمی کو کوئی عہدہ دے سکیں؟ پھر یہ کہ ان تینوں کا تقرر بھی ان کے بے نظیر صلاحیتوں کی بنا پر تھا نہ کہ محض قرابت کی بنا پر۔

عبداللہ بن عامر نہایت شجاع، بہادر، دوراندیش اور فنون حرب کے ماہر

تھے، عمر کم تھی مگر فطری صلاحیتوں کی وجہ سے وہ اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز تھے۔ انھوں نے کابل، ہرات، سجستان اور نیشاپور کو اسلام کے زیرنگین کیا تھا، ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ففتح خراسان کلها واطراف فارس وسجستان وکرمان وبلاد غزنة۔ (البدایہ ج۸ ص۸۸)	انھوں نے سارے خراسان کو فتح کر لیا تھا نیز فارس کے اطراف اور سجستان اور کرمان اور غزنہ کے شہروں کو اسلامی مفتوحات میں داخل کر لیا تھا۔

اندازہ لگائیے کہ جوان جنگی اور قائدانہ صلاحیتوں کا مالک ہو اسے اگر حضرت عثمان نے بصرہ کا گورنر بنا دیا تو کون سا ظلم کیا، کیا محض اس وجہ سے ان کو کسی عہدہ پر رکھنا جرم تھا کہ ان کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا۔

اب رہے سعید بن العاص تو یہ بھی عرب کے مشہور شجاع اور مدبر انسانوں میں سے تھے جنگی اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے، طبرستان اور آرمینیہ کو انھوں نے فتح کیا تھا اور جن کے ایمان کی شہادت بطور خاص آنحضور نے دی تھی۔

پانچواں نام مروان بن الحکم کا ہے تو اس کے لئے خود مولانا مودودی کا یہ بیان پڑھ لیجئے جس سے مروان کے بارے میں آپ کو بصیرت حاصل ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

> "اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مناصب دیئے انھوں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں:" (ص۱۰۱ خلافت وملوکیت)

ظاہر بات ہے کہ ان لوگوں میں مروان بھی داخل ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مروان نے خلافت عثمان کو بڑا مستحکم کیا اگرچہ ان کی بعض باتیں ناپسندیدگی کی نگاہ سے بھی دیکھی جاتی ہیں مگر جہاں تک انتظامی صلاحیتوں کا تعلق ہے مروان بن الحکم ان

صلاحیتوں سے پورے طور سے آراستہ تھا۔ یوں بھی لوگوں نے ان کے بارے میں بہت سی بے سند باتیں اڑائی ہیں جو نا قابلِ اعتبار ہیں۔

بہرحال آپ نے دیکھا حضرت عثمان کے بارے میں مخالفین کا یہ اعتراض بالکل بے جان ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو اہم عہدوں سے نوازتے ہیں۔ حضرت عثمان نے جس کو بھی عہدہ دیا اس کی بنیاد رشتہ داری نہیں بلکہ صلاحیت اور انتظامی قابلیت تھی[1]

رہا یہ کہنا کہ بعض اجلائے صحابہ کو آپ نے عہدوں سے معزول کر کے ان کی جگہ ان سے کم حیثیت لوگوں کو مقرر کر دیا تھا تو یہ الزام بھی غلط ہے اسلئے کہ اولاً تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جن کو معزول کیا تھا ان کو معزول کرنے کی کوئی معقول وجہ تھی؟ یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ جس کے ہاتھ میں نظام کار ہوتا ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ حکومتوں میں عہدوں کی تبدیلی اور ایک کا دوسرے کی جگہ پر تقرر یہ عام بات ہے۔ حضرت علی جب سربرآرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے ایک ایک کر کے بنی امیہ کے خاندان کے لوگوں کو عہدوں سے الگ کر دیا آخر کیوں؟ ظاہر بات ہے نظام حکومت ان کو چلانا تھا وہ سمجھ سکتے تھے کہ وہ کس طرح پر اپنی ذمہ داری پوری کر سکیں گے اور کون سے لوگ ان کے لئے مفید ثابت ہو سکیں گے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت خالد سیف اللہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سعد بن وقاص جیسے جانبازوں اور عظیم صلاحیتوں کے لوگوں کو معزول کر دیا تھا، جن کی شجاعت و بہادری اور تدبر و سیاست کی داستانوں سے بچہ بچہ واقف ہے۔ آخر کس کی مجال ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت عمر کو ملامت کرے پھر جن کو حضرت عثمان نے معزول کیا ان کے معزول کرنے کی معقول وجہ تھی۔ اگر ہمارے سامنے

---

[1] عہد نبوی میں بنی امیہ کے جو لوگ عہدوں پر تھے انکی تعداد گیارہ تھی، عہد صدیقی میں انکی تعداد چھ تھی، حضرت عمر کے زمانہ میں انکی تعداد ۴ تھی اور حضرت عثمان کے زمانہ میں ۵۔

اختصار نہ ہوتا تو ہم اس کو بتلاتے[1]

رہا قرآن کے نسخوں کو جلانے والا الزام یہ بھی محض سبائی پروپیگنڈہ ہے ورنہ حضرت عثمان کا سارے مسلمانوں کا ایک قرآن کے نیچے جمع کردینا یہ ان کا وہ کارنامہ ہے جس کی شکر گذاری سے مسلمان تاقیامت عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ اگر قرآن کا جلانا کوئی مصلحت سے خالی اور ناجائز عمل ہوتا تو آخر صحابہ کرام نے اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا کیا صحابہ کرام جن میں اکابر صحابہ تھے اس عمل ناجائز اور نا مشروع پر خاموش رہ سکتے تھے خود حضرت ابوبکر کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے احادیث کا وہ مجموعہ جس کا نام صحیفہ صادقہ تھا اس کو جلادیا تھا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابی بکر)

بہر حال حضرت عثمان کے خلاف مفسدوں کے جو الزامات تھے اور جن کو بنیاد بنا کر وہ حضرت عثمان کے خلاف شورش برپا کر رہے تھے وہ سب ایک سازش کا نتیجہ تھا اور اس کے پیچھے یہودیت، سبائیت کے بھیس میں اپنا کام کر رہی تھی۔

محمد احمل مفتاحی

---

[1] اس کیلئے مہاجرین جلد اول کی قسم اول کی طرف مراجعت کی جائے وہاں ایک کی معزولی کی معقول وجہ مذکور ہے۔

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری

قسط ۱۷

بریلوی مذہب پر ایک نظر

عیدین کی نماز عام مسلمانوں کے پیچھے جائز نہیں

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں :

عیدین کی نماز ہر امام کے پیچھے نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں بھی مثل جمعہ لازم ہے کہ امام خود سلطان ہو اس کا ماذون ہو اور ان میں سے کوئی نہ ہو تو بمجبوری جسے مسلمانوں نے امام جمعہ مقرر کیا ۔ (ایضاً ج ۳ ص ۶۱۸)

فائدہ :۔ معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز صرف تین آدمی کے پیچھے جائز ہے بادشاہ اسلام یا اس کا نائب یا امام جمعہ بریلوی حضرات عیدین کی نمازوں پر اب تک جو انھوں نے پڑھی ہیں غور کریں ان میں سے کتنی جائز ہوئی اور کتنی ناجائز ۔

ذلیل پیشہ کرنے والا عالم و فاضل ہو جائے جب بھی ذلیل ہی رہتا ہے

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ۔

جولاہے اور کھال پکانے والے اور موچی اور اس کے مثل ذلیل پیشہ ور جو اپنے ان پیشوں کے ساتھ معروف ہوں یہ اگر عالم بھی ہو جائیں جب بھی شرفاء کے کفو نہیں ہو سکتے ۔

(ایضاً ج ۲ ص ۱۱۷)

فائدہ :۔ اعلیٰحضرت اگر ذرا بھی شرم و غیرت کے مالک ہیں تو قرآن وحدیث

سے ثابت کریں کہ کوئی پیشہ ذلیل ہے اور اسلام نے اس پیشہ کرنے والے کو ذلیل سمجھا ہے، اگر اعلیٰحضرت مرگئے ہیں تو ان کے امتی موجود ہیں۔ وہ ثابت کریں اگر نہیں ثابت کر سکتے تو اسلام کا نام لے کر یہ فتویٰ دینے والا خود سب سے بڑا ذلیل ہے، مفتری ہے، کاذب ہے، خائن ہے۔

پٹھان سید کا کفو ہوتا ہے

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

ہمارے ان بلاد میں سیدانیاں ایسے پٹھانوں اور مغلوں سے عار نہیں کرتیں جو زیور علم وفضل سے آراستہ ہوں پٹھان اور مغل اپنے آپ کو شرفاء نجاب سے شمار کرتے ہیں، تو جب اس شرف نسب سے شرف علم مل جائے گا تو نسب علوی سے جو کمی ہے اسے پورا کردے گا بخلاف جولاہوں، نائیوں وغیرہم کے کہ ان کے علم کے سبب عار زائل نہیں ہوئی۔ (ایضاً ص ۱۱۷)

فائدہ۔ دیکھا آپ نے خانصاحب نے اپنے لئے سیدوں میں گھسنے کیلئے چور دروازہ تلاش کر لیا یعنی سارے مغل اور پٹھان سیدوں کے کفو نہیں ہیں صرف وہی کفو ہیں جو زیور علم سے آراستہ ہوں۔ جیسے خانصاحب وغیرہ، خانصاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پٹھان مغل وغیرہ اپنے کو شرفاء میں سے شمار کرتے ہیں اس وجہ سے وہ شرفاء ہو گئے گویا شرافت کا دارومدار دعائے شرافت اور شرفاء میں سے شمار کرنا ہوا یعنی خاندانی شرافت کوئی چیز نہیں جو کبھی مغل پٹھان اپنے کو شریف شمار کرلے وہ شریف ہو کر سیدوں کے برابر ہو جائے گا۔ خانصاحب سے کوئی پوچھے کہ یہ ناپنے کا دو پیالہ الگ الگ کیوں، کوئی مغل پٹھان شرافت کا دعویٰ کرلے تو وہ سید کے برابر ہو جائے اور کوئی جولاہہ یا نائی کرلے تو وہ برابر نہ ہو۔

نیز خانصاحب کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نسبی شرافت کی کمی دوسری طرح بھی پوری ہو جاتی ہے کیوں نہیں آخر خانصاحب کو سیدوں کے برابر ہونا بھی تو ہے۔

گوشت کی حلت وحرمت میں ماں کا اعتبار ہوگا

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں ۔
جانوروں میں ہر حکم میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے ، ماں حلال ہے تو بچہ بھی حلال ہے اگرچہ باپ حرام ہو جیسے بکری کا بچہ بھیڑیئے یا کتے سے پیدا ہو ۔ (ایضاً ج ۱ ص ۱۲۳)

فائدہ :۔ خانصاحب نے بریلیوں کے لئے ایک اچھا دروازہ کھول دیا ہے اب بریلوی حضرات بڑے شوق سے اس پر عمل کریں ۔ بکری اور کتے سے جو بچہ پیدا ہو اس کو کھائیں اسلئے کہ وہ حلال ہے خانصاحب نے فرمادیا ہے کہ اصل اعتبار ماں کا ہوتا ہے اور بکری حلال ہے ۔ نیز سور اور بکری سے جو بچہ پیدا ہو اس کو بھی شوق سے یہ حضرات تناول فرمائیں کہ یہ بھی حلال ہے اسلئے کہ اعتبار ماں کا ہوتا ہے ، گھوڑی اور گدھے سے جو بچہ پیدا ہو اسکو خچر کہا جاتا ہے اس کا گوشت تو خانصاحب کے یہاں حلال ہی ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ۔

بریلوی مسلک میں خچر کھانا حلال ہے

خچر جس کی ماں گھوڑی ہو گھوڑے کے حکم میں ہے اس کا جھوٹا پاک ہے اور کھانا مکروہ ہے حرام نہیں ۔ (ایضاً)

فائدہ :۔ خانصاحب نے اسی کے بعد لکھا ہے کہ جانوروں میں ہر حکم میں ماں کا اعتبار ہوتا ہے کھائیں شوق سے بریلوی حضرات خچر اور بکری سور سے پیدا بچہ ۔

عورت مرتد ہوجائے جب بھی نکاح سے نہیں نکلتی

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ۔
اب فتویٰ اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذ اللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں نکلتی وہ بدستور اپنے شوہر مسلمان کے نکاح میں ہے ۔ (فتاویٰ ج ۱ ص ۲۹۳)

فائدہ :۔ اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے فقہ کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ عورت مرتد ہو کر بھی مسلمان شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی؟ اعلحضرت نے یہ فتویٰ اپنے گھر سے ایجاد کیا ہے۔ اور انھوں نے زنا کا دروازہ کھول دیا ہے اس فتویٰ پر بریلیوں نے ضرور عمل کیا ہوگا، نہ معلوم اس فتویٰ کے بموجب کتنی حرامی اولاد بریلیوں کے گھر ہوں گی۔

آنحضورؐ کے علم کی صفت

اعلحضرت فرماتے ہیں۔

بیشک حضرت عزت عظمتہ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا، مشرق تا غرب، عرش تا فرش سب انھیں دکھایا، ملکوت السمٰوات والارض کا شاہد بنایا روز اول سے روز آخر تک کا سب ما کان وما یکون انھیں بتایا، اشیاء مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب ویابس جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا، والحمدللہ حمداً کثیرا بلکہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وکرم بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے ہنوز احاطہ محمدی میں مہ ہزار در ہزار بیحد و بے کنار سمندر لہرا رہا ہے۔ (انباء المصطفیٰ صہ۳)

فائدہ :۔ اعلیٰ حضرت نے بلا وجہ اس طول کلامی سے کام لیا، اگر محض شاعرانہ وخطیبانہ انداز کا مظاہرہ کرنا نہ ہوتا تو صاف صاف دو لفظوں میں کہہ دیتے کہ حضور وہ سب کچھ جانتے ہیں جو اللہ جانتا ہے، خالق و مخلوق اور عابد و معبود دونوں کا علم برابر ہے مسئلہ صاف تھا، ہاں البتہ اگر اعلحضرت سے کوئی سوال کر دے کہ او اعلحضرت یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے صرف زبان چلانے سے کام نہیں چلے گا، دلائل قطعیہ سے اسی تفصیل کے ساتھ آنحضور کیلئے

علم ثابت کیجئے، تو اعلیٰحضرت لگیں گے بغلیں جھانکنے نصاریٰ والا یہ اطراء وغلو بدعتیوں اور گمراہوں کا خاصہ ہے۔ اس کو یہ آنحضور کی عظمت سمجھتے ہیں اور یہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ آنحضور کی عظمت فی الاصل یہ ہے کہ ہم آنحضور کی لائی تعلیمات پر سچے عامل بن جائیں اور اللہ و رسول کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی بات نہ گڑھیں، کیا صحابۂ کرام، ائمہ دین، فقہائے امت کا علم رسول کے بارے میں یہی عقیدہ رہا ہے۔ قرآن و حدیث موجود ہے، فقہ کی کتابیں موجود ہیں عقائد کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، قرآن کی کس آیت، رسول کی کس حدیث، صحابہؓ کے کس قول، فقہ اور عقائد کی کس کتاب میں آنحضور کے علم کے بارے میں یہ لکھا ہے جو اعلیٰحضرت نے شاعرانہ اسلوب میں پیش کیا ہے؟ اور جو قرآن و حدیث پیش کریں یہ بھی بتلائیں کہ علمائے امت اور شراح حدیث اور مفسرین نے اس آیت یا اس حدیث کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو اعلیٰحضرت کا مقصود ہے۔

اور ایک بات اور یاد رکھئے کہ یہ عقیدہ خود اعلیٰحضرت اور بریلوی علماء کے اس مسلک کے خلاف ہے کہ آنحضرت کو صرف بعض غیوب کا علم تھا، آپ کا علم علم محیط نہ تھا اعلیٰحضرت و دیگر بریلوی علماء کی تصریحات اس کتاب میں بار بار گذر چکی ہیں، ایک دفعہ انکو ضرور دیکھ لیں، بریلوی مسلک تضاد و تناقض کا وہ مجموعہ ہے جس کو ہماری زبان میں چوں چوں کا مربہ کہتے ہیں۔

ترجمہ کلام پاک میں خیانت

اعلیٰحضرت قرآن کی اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

لیغفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر یعنی تاکہ اللہ بخشدے تمہارے واسطے اگلے پچھلے گناہ۔ (انباء المصطفیٰ ص۵)

فائدہ:۔ اعلیٰحضرت نے سارے مفسرین کے بالکل برخلاف اپنا من مانا ترجمہ کیا ہے، اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ تاکہ آپ کے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ

اگلا پچھلا سارا گناہ بخش دے۔

کوئی بھی ترجمہ کلام پاک اٹھا کر دیکھئے یہی یا اس طرح کا ملتا جلتا ترجمہ آپ کو ملیگا۔

اولاً تو تمہارے واسطے ترجمہ کیا ثانیاً اگلے پچھلے گناہ ترجمہ کیا ضمیر مخاطب جس کا ترجمہ آپ کے گناہ تھا ہڑپ کر گئے اگر اس کا ترجمہ کرتے تو جو غلط مفہوم وہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی راہ نہ تھی ضمیر مخاطب کے ترجمہ کے ساتھ اعلیٰحضرت کا ترجمہ یہ ہوتا تاکہ بخشدے اللہ تمہارے واسطے سے سب تمہارے اگلے پچھلے گناہ اور اس ترجمہ کا مہمل ہونا بالکل ظاہر ہے کہ خود آپ کے واسطے سے آپ کے اگلے پچھلے گناہ کو معاف کیا جائے اس طرح کی تحریفات، کلام خداوندی کے ساتھ خیانت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھر کر نص قرآنی کے ساتھ تمسخر و مذاق، اعلیٰحضرت کا زندگی بھر کا معمول رہا ہے۔

تقویۃ الایمان کتاب سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

اعلیٰحضرت علیہ ما علیہ لکھتے ہیں۔

بحر پر کہ کے گمراہ بددین ہونے میں اصلاً شبہ نہیں اور اگر کچھ نہ ہوتا تو صرف اتنا ہی کہ تقویۃ الایمان پر جو حقیقۃً تفویۃ الایمان ہے اس کا ایمان ہے یہی اس کا ایمان سلامت نہ رکھنے کو بس تھا۔ (ابناء ص۱۶)

فائدہ:۔ ہر شخص کو دعوت عام ہے۔ حضرت اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ کی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھ لے، اس کی ہر بات قرآن و حدیث سے مؤید ہے، جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے پہلے قرآن کی کوئی آیت یا حدیث پیش کرتے ہیں، مگر چونکہ ان بدعت کے متوالوں کو کتاب و سنت سے چڑھ ہے ان کا نام آتے ہی ان کی جان جاتی ہے اس وجہ سے تقویۃ الایمان کے خلاف یہ ایک شور برپا کئے ہوئے ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ ان آیاتِ الٰہیہ اور احادیثِ نبویہ کے خلاف ایک شور بدتمیزی ہے جن سے تقویۃ الایمان کا مضمون ماخوذ ہے

محمد ابوبکر غازی پوری

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد

حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ

حماد بن زید بڑے پایہ کے محدث تھے، امام ذہبی ان کا ذکر ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ الامام الحافظ شیخ العراق ان کے شاگردوں میں عبدالرحمن بن مہدی اور امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی جیسے کبار محدثین ہیں۔

ابن مہدی کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر لغت کا عالم نہیں دیکھا، اور نہ فقہ میں ان سے زیادہ بابصیرت کسی کو دیکھا، نیز فرماتے تھے کہ میں نے ان کو سفیان اور امام مالک سے بھی بڑھ کر پایا، ابو عاصم ان کی وفات کے روز کہتے تھے کہ میرے علم میں عالم اسلام میں انکی مثال نہیں تھی، یحییٰ بن یحییٰ فرماتے تھے کہ میں نے کسی محدث کو ان سے زیادہ حافظ حدیث نہیں پایا۔ امام احمد ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ حماد بن زید مجھ کو حماد بن سلمہ سے زیادہ محبوب ہیں، یہ چار ہزار حدیث کے حافظ تھے اور ان احادیث کو وہ بلا کتاب زبانی بیان کرتے تھے۔ قرشی فرماتے ہیں اخذ الفقہ عن ابی حنیفۃ، یعنی فقہ کا علم انھوں نے امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا تھا۔ مسانید امام اعظم میں حضرت امام سے ان کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

محمد اجمل مفتاحی

قیاس صحیح (یعنی صحیح اندازہ)

احمد بن طولون اپنے وقت کا بڑی جاہ و حشمت والا حکمراں تھا، مصر کے اطراف میں اس کی حکومت تھی، شام اور دمشق پر بھی اس نے حکومت کی تھی۔

یہ اپنے وقت میں، تدبر، حکمت، سیاست، عقلمندی، فراست، شجاعت وبہادری سخاوت جیسے اوصاف میں بے نظیر تھا، دیندار بھی تھا، اور جابر وظالم بھی تھا، دینداری کا قصہ یہ ہے کہ اس نے مصر کے باہری حصہ میں اس زمانہ میں ایک لاکھ دینار میں جامع مسجد بنوائی تھی۔

اور ظلم کی بات یہ ہے کہ اس نے جن لوگوں کو بلا وجہ قتل کیا یا اس کی قید میں رہے انکی تعداد اٹھارہ ہزار بتائی گئی ہے۔

ایک دفعہ یہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، اس کے دروازہ پر ایک سائل آیا، اس نے اس کیلئے ایک مرغ اور حلوہ بھجوایا، جو غلام کھانا لیکر گیا تھا اس نے اس سے آکر کے کہا کہ سائل ان چیزوں کو پاکر بہت خوش نظر آیا، تو احمد بن طولون نے اس سائل کو اپنے پاس بلوایا، جب وہ ابن طولون کے سامنے کھڑا ہوا تو اس پر ابن طولون کی شخصیت اور اس کے رعب وجلال کا کچھ اثر نہیں تھا، نڈر ہو کر کھڑا تھا، تو ابن طولون نے اس سے کہا کہ تمہارے پاس جو کاغذات ہیں وہ نکال اور سچ سچ سارا واقعہ بیان کر، تو جاسوس ہے، پھر اس نے غلاموں سے کہا کہ کوڑے لاؤ، جب اس آدمی نے دیکھا کہ اب پیٹھ پر کوڑے پڑیں گے تو اس نے اقرار کیا کہ واقعۃً وہ جاسوس ہے۔

اس کے دسترخوان پر جو امراء بیٹھے تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ کیا آپ کا یہ جادو تھا؟ تو اس نے کہا کہ جادو نہیں تھا ولکن قیاس صحیح، لیکن صحیح اندازہ تھا۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۲۶۹/۱۰)

واہ رے سلفی محدث صاحب ماں کے ساتھ یہ سلوک رہا

یعقوب بن سفیان فسوی مشہور محدث، علامہ حافظ حدیث ہیں، طلب علم میں آفاق

وامصار کا چکر لگایا، ایک موٹی سی کتاب بھی تاریخ میں لکھی ہے، جو آجکل چھپ چکی ہے
فسوی لوگوں سے اپنے شیوخ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتلاتے تھے لیکن
امام ذہبی لکھتے ہیں۔ لیس فی شیختہ الانحو من ثلاث ماۃ شیخ فأین
باقی ؟ ثم فی الذکورین جماعۃ قد ضعفوا ، یعنی ان کے مشائخ حدیث تقریباً
تین سو ہیں، تو بقیہ سات اور کہاں ہیں ؟ اور ان تین سو میں بھی ایک بڑی جماعت ضعفاء کی ہے۔

بہرحال یہ سلفی محدث سلفی تھے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔ وماعلمت یعقوب
الفسوی الا سلفیا وقد صنف کتاباً صغیرا فی السنۃ۔ یعنی جہاں تک مجھے
علم ہے یعقوب فسوی سلفی تھے۔ ایک چھوٹی سی کتاب بھی سنت کے بارے میں لکھی تھی۔

ان کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص حمزہ نامی محدث تھے، وہ ان سلفی محدث صاحب کی خدمت
میں دستور زمانہ کے مطابق سفر کر کے حدیث سننے کیلئے گئے، اور یہ بیچارے جو دور دراز کا سفر
کر کے آئے تھے چھ مہینہ ان کی چوکھٹ پر جمے رہے، اور یہ صاحب حدیث سنانے میں آنا کانی
کرتے رہے، جب چھ ماہ کی مدت گزر گئی تو حمزہ نے ان سے کہا کہ میرا آپ کے یہاں قیام بہت
طویل ہو گیا ہے، اور میری والدہ ہیں (جو میرا انتظار کر رہی ہیں) تو یہ محدث سلفی اسکے جواب
میں ان سے فرماتے ہیں کہ میں نے تو تیس سال تک اپنی ماں پر دروازہ بند کر رکھا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء صفحہ ۳۲ / ۱۰۶)

روزانہ ایک لاکھ تسبیح پڑھنے والا آدمی

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ابوعبید آجری نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ
عمیر بن ہانی مہیا قدری تھا، اور وہ روزانہ ایک لاکھ تسبیح پڑھا کرتا۔
کان عمیر بن ھانی قدریا یسبح کل یوم مأۃ الف تسبیحۃ صفحہ ۳۴۰ / ۱۰۶
سیر اعلام النبلاء)

ایک اندھے کا اپنے ملک کے وزیر کو جواب

ابوالعینا نامی ایک آدمی تھا، بصرہ شہر میں پلا پڑھا تھا، وزراء اور بادشاہوں کے دربار میں جاتا تھا اور ان کو ہنسی مذاق کی باتیں اور قصے سنا کر انعام بٹوراتا تھا، چالیس سال کی عمر میں اندھا ہو گیا تھا، اپنی ڈاڑھی سرخ خضاب لگا کر خوب لال لال کئے رہتا تھا، ایک دفعہ وزیر کے دربار میں کئی روز کے بعد پہونچا، تو وزیر نے اس سے پوچھا اتنے دنوں تک کیوں نہیں آئے؟ تو اس نے کہا کہ میرا گھوڑا چوری ہو گیا تھا، وزیر نے پوچھا کہ کیسے چوری ہو گیا؟ تو اس نے کہا کہ میں گھوڑے کے ساتھ نہیں تھا کہ میں جانوں کہ کیسے چوری ہو گیا، تو وزیر نے کہا کہ دوسری سواری پر کیوں نہیں آیا؟ تو اس نے کہا کہ میرے پاس روپیہ نہیں تھا کہ سواری خریدوں، اور میں نے ادھار لے کر کے سوار ہونے کی ذلت کو پسند نہیں کیا اور کرایہ پر اسلئے نہیں لیا کہ کرایہ پر دینے والوں کی بدخلقی اور ترش کلامی کو میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ص۰ ۲۹ ج۱۰)

اللہ کی طرف سے غیبی مدد

علی بن ابی طاہر ایک مشہور محدث تھے، ان کے بارے میں سلیمان بن زید فرماتے ہیں کہ یہ ملک شام حدیث کی تحصیل کے لئے گئے تھے، جب وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو اپنی لکھی ہوئی حدیث کی کتابوں کو انھوں نے صندوق میں رکھ دیا تھا، صندوق کو پہلے ایسے مادے سے لیپ پوت دیا تھا کہ اس میں پانی کا اثر نہ ہو اور پانی اندر نہ پہونچے، اب انھوں نے سمندری راستہ واپسی کے لئے اختیار کیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سمندر کے طوفان میں ان کی کشتی ہچکولے کھانے لگی، اور اس کے ڈوب جانے کا اندیشہ ہوا تو انھوں نے کتابوں والے صندوق کو سمندر میں ڈالدیا، پھر طوفان ختم ہو گیا اور کشتی میں بھی سکون پیدا ہو گیا۔ جب کشتی سے باہر آئے تو سمندر کے ساحل پر بیٹھے تین روز تک اللہ سے دعا کرتے رہے کہ ان کا

صندوق جس کو انھوں نے سمندر میں ڈالدیا تھا واپس مل جائے، تیسرے روز سجدہ میں گر کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ سے دعا کی کہ اے اللہ اگر میرا علم حدیث کا طلب کرنا محض تیری رضا کیلئے تھا اور تیرے رسول کی محبت کی وجہ سے تھا تو تو صندوق واپس کر کے میری مدد فرما، اس کے بعد جب سجدہ سے سر اٹھایا تو ان کا صندوق ان کے پاس موجود تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۶)

اسی مرتبہ قرآن ختم کرنے پر اسی ہزار درہم خرچ کیا

ابوبکر محمد بن عبدالرحیم بن ابراہیم اصبہانی امام القراء شمار کیے جاتے تھے۔ ۲۹۶ھ میں انکی وفات ہوئی، پوری زندگی قرآن پڑھنا اور پڑھانا ہی ان کا مشغلہ تھا۔ امام ورش کی کی قرأت میں یہ اپنے زمانہ کے امام تھے، اللہ نے قرآن کی محبت اور اس کا احترام ان کے دل میں ایسا رکھ دیا تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے مصر کی طرف سفر کیا تو میرے ساتھ اسی ہزار درہم تھے جن کو میں نے اسی مرتبہ قرآن ختم کرنے پر خرچ کیا، یعنی ہر ختم پر ایک ہزار دینار اللہ کے راستہ میں اور لوگوں کی دعوت میں یہ خرچ کر دیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۵۲ ج ۱۱)

اللہ نے سوال کرنے کی ذلت سے بچالیا

محمد بن ہارون الرویانی، ومحمد بن جریر الطبری ومحمد بن خزیمہ ومحمد بن نصر ون چاروں محمد نام کے اشخاص مشہور محدث ہیں، یہ چاروں مصر میں ایک زمانہ میں ایک ساتھ حدیث کی تحصیل میں لگے ہوئے تھے، کچھ مدت کے بعد ان کا سارا مال ختم ہوگیا اور کھانے پینے کیلئے پاس میں کچھ نہیں رہا، پہلے تو بھوک برداشت کرتے رہے مگر جب کئی روز ہوگئے اور بھوک کی وجہ سے ان کا حال برا ہوگیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اب لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، مگر لوگوں کے پاس جائے کون؟ تو انھوں نے قرعہ ڈالا کہ جس کا نام نکلے گا وہ جائے گا اتفاق سے قرعہ میں پہلا نام محمد بن خزیمہ کا نکلا، تو انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے ذرا

دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو، انھوں نے نماز شروع کی، ابھی ان کی دو رکعت پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مصر کے گورنر کا آدمی ان کے پاس پہونچا اور ہر ایک کا نام لے کر پوچھا فلاں کون ہے اور فلاں کون ہے، جب ان لوگوں نے اپنا نام بتلایا تو اس نے ہر ایک کو پچاس پچاس درہم کی ایک ایک تھیلی دی اور کہا کہ گورنر نے خواب میں دیکھا ہے کہ "محامد" یعنی محمد نام کے لوگ بھوکے ہیں انکی فوراً مدد کرو، چنانچہ امیر نے مجھ کو یہ تھیلیاں دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے، اور آپ کو تاکید کی ہے کہ یہ مال جب ختم ہو جائے تو امیر کو اس کی اطلاع فوراً ضرور آپ حضرات کریں۔ اس طرح اللہ ان محدثین کرام کو سوال کرنے کی ذلت سے بچا لیا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۲۱۰ ج ۱۱)

ساڑھے تین ہزار کتابوں کو ہاتھ سے لکھنے والا

ابو العرب جس کا نام محمد بن احمد تھا، افریقہ کا رہنے والا تھا، اس کے دادا افریقہ کے امراء میں سے تھے، یہ کثیر التصانیف آدمی تھا، مذاہب فقہیہ کا حافظ اور مفتی تھا، اس کی تصانیف میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں۔ طبقات اہل افریقہ، کتاب المحن، کتاب فضائل مالک، کتاب مناقب سحنون، اور کتاب التاریخ جو گیارہ جلدوں میں ہے۔

اس کا کہنا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محمد بن سحنون کی کتاب الامامۃ کے دونوں جلدوں کا پڑھنا میرے نزدیک ان تمام کتابوں سے افضل ہے۔ اس کا انتقال ۳۳۳ھ میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۹ ج ۱۲)

ستر زبان کا جاننے والا اور موسیقی کا ماہر فلسفی

ابو نصر فارابی دنیائے منطق و فلسفہ کا مشہور شخص ہے، اس کو فلسفہ اور منطق کا معلم ثانی کہا جاتا تھا، معلم اول ارسطاطالیس کہلاتا تھا، اور معلم ثالث ابن سینا تھا۔

فارابی ترکی الاصل تھا، اس کا نام محمد بن محمد بن طرخان بن ارزلغ تھا، ذکاوت میں مشہور زمانہ تھا، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ستر زبان کا عالم تھا، اور موسیقی کے فن کا

بہت بڑا ماہر تھا، ایک دفعہ سیف الدولہ کے دربار میں گیا اور صدر مجلس میں بیٹھا اور اس نے گانے بجانے کا سامان نکالا، اور گانے لگا اس کے گانے سے ساری مجلس پر طرب و مسرت کا نشہ چھا گیا، پھر اس نے اپنا راگ بدلا تو سارے مجلس والے سو گئے، حتیٰ کہ دربان بھی سو گیا پھر یہ اٹھا اور چلا گیا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔

اس کا انتقال دمشق میں ۳۳۹ھ میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلا ص ۳۲ ج ۱۲)

سورۂ یٰس کی برکت

ابوبکر بن داؤد صوفی زاہد و عابد آدمی تھے، نیشاپور کے رہنے والے تھے، اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، یہ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں جس زمانہ میں قحط پڑا تو میں نے چالیس روز میں صرف ایک روٹی کھائی۔ جب مجھے بھوک لگتی تو میں آسودہ ہونے کی نیت سے سورۂ یٰس پڑھا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری بھوک ختم کر دیتا تھا۔

ان کی وفات ۳۴۲ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلا ص ۳۵ ج ۱۲)

دعا کی تو آنکھ چلی گئی پھر دعا کی تو آنکھ واپس ہو گئی

ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم اذرعی دمشق کے شیخ تھے، اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، فرماتے تھے کہ میں نے اللہ سے دعا کی میری آنکھ چلی جائے، تو میری بینائی ختم ہو گئی، لیکن میں نے دیکھا کہ بینائی کے چلے جانے سے مجھے وضو کرنے میں دقت ہو رہی ہے تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ میری بینائی واپس ہو جائے تو اللہ نے میری آنکھ لوٹا دی۔ اذرعی کا انتقال ۳۴۴ھ میں ہوا۔ (سیر اعلام النبلا ص ۶۹ ج ۱۲)

چوری کا اعتراف

ابو سہل احمد بن محمد بن عبد اللہ ثقہ محدث اور عراق کے بڑے علماء میں سے تھے۔

تہجد اور تلاوت کلام اللہ کے پابند تھے، کثرتِ تلاوت کی وجہ سے قرآن کے گویا حافظ ہو گئے تھے۔ مزاح میں مذاق تھا، ان کے بارے میں علی بن نصر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم انکے پاس تھے، ان کے سامنے ایک چھری تھی، ایک آدمی اس چھری کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا، تو احمد بن محمد نے اس سے کہا کہ کیا ارادہ ہے، تم کیوں اس کو اس طرح دیکھ رہے ہو، کیا تیرا ارادہ اس کی چوری کرنے کا ہے، جیسا کہ میں نے اس کی چوری کی تھی، میں نے اس چھری کو امام بغوی کے پاس چرایا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۹۴/۱۲۶)

ایک سو تین پیچ کا عمامہ باندھنے والا محدث

ابو اسحٰق بن علی ہجیمی امام حدیث تھے، اپنے زمانہ میں سند وقت کہلاتے تھے، سو سال سے زیادہ عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اور اخیر تک ہوش و حواس بجا اور کامل تھے۔

عبدالرحیم بن احمد بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے ہجیمی کو دیکھا کہ اپنے سر پر عمامہ کو ایک سو تین پیچ دیا، تو میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ ان کی عمر ایک سو تین سال ہوگی۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۹۶ ج ۱۲)

ص ۶۴ کا بقیہ :—

باپ۔ جی بیٹا، فقہ حنفی کو سمجھنے کے لئے سطحی علم کافی نہیں ہے، وہ بڑا گہرا فقہ ہے۔
بیٹا۔ ابا جی تو ہمارے لوگ اس فقہ کے خلاف کیوں دشمنی پالے ہوئے ہیں۔
باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

محمد اجمل مفتاحی

ملا شیرازی

خمار سلفیت

شیخ جمن اور شیخ کلو کی تکرار بابت ایک مٹھی ستو مہر پہ

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ ابا جی، آج تو شیخ کلو حفظ اللہ اور شیخ جمن حفظ اللہ میں خوب تکرار ہوئی اور یہ تکرار مسجد میں ہوئی۔

باپ۔ کیا ہوا بیٹا، ان دونوں میں بڑی گاڑھی چھنتی تھی، شیخ کلو کی لڑکی کا نکاح گزشتہ جمعہ کو شیخ جمن حفظ اللہ ہی نے پڑھایا تھا، لڑکی کا مہر ایک مشت ستو مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں مہر کی اس سنت کو زندہ کرکے فقہ حنفی کو دفن کرنا ہے۔

بیٹا۔ جی ابا جی، شیخ جمن حفظ اللہ کی بھی ایک لڑکی صفیہ نام کی ہے، اس کی نسبت شیخ کلو کے لڑکے سعد سے دو برس سے طے تھی، اب شیخ جمن اپنی لڑکی کا نکاح شیخ کلو حفظ اللہ کے لڑکے سے نہیں کرنا چاہتے۔

باپ۔ کیوں بیٹا، یہ نسبت تو ہمارے سامنے طے ہوئی تھی شیرینی بھی بٹ چکی ہے اب شیخ جمن حفظ اللہ کیوں انکار کر رہے ہیں۔

بیٹا۔ ابا جی، شیخ کلو نے کہا کہ میرے لڑکے کا نکاح بھی اتنے ہی مہر پر ہوگا، یعنی

ایک مٹھی ستو پر جیسا کہ آپ نے میری لڑکی کا ایک مٹھی ستو پر اپنے لڑکے سے نکاح کیا ہے تو شیخ جمن انکار کر رہے ہیں کہ ایک مٹھی ستو پر میری لڑکی کا نکاح نہیں ہوگا، بلکہ مہر بیس ہزار نقد پر ہوگا، ورنہ نسبت ختم، اسی بات کو لے کر دونوں میں خوب تکرار ہوئی۔ شیخ کلو کا کہنا تھا کہ ہماری لڑکی کا مہر ایک مٹھی ستو پر تم نے اپنے لڑکے سے کیا تو تم کو اسی مہر پر اپنی لڑکی کا نکاح کرنے سے اب انکار کیوں ہے۔ کیا اب سنت زندہ نہ ہوگی اور فقہ حنفی دفن نہ ہوگا۔

باپ۔ بیٹا شیخ کلو کی بات برحق ہے، ایک مٹھی ستو پر جب انکی لڑکی کا نکاح از روئے حدیث ہوا تو شیخ جمن کو اس سے انکار کیوں ہے، حدیث میں صاف موجود ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مہر میں مٹھی بھر ستو یا مٹھی بھر کھجور دیدیا تو اس نے بیوی کو حلال کر لیا، ہمارے یہاں ایک مٹھی ستو ایک مٹھی جو ایک مٹھی کھجور، لوہے کی ایک انگوٹھی، مہر میں دو جوتی۔ ان چیزوں سے بیوی حلال ہوجاتی ہے اور ان سب چیزوں کا مہر بنا احادیث سے ثابت ہے، بلکہ اگر کسی نے کچھ نہیں دیا صرف قرآن کی دو ایک آیت بیوی کو سکھلادی اس سے بھی بیوی حلال ہوجاتی ہے، اس کا بھی ذکر حدیث میں ہے، تو اب شیخ جمن کو از راہ شرافت اپنی لڑکی کا نکاح شیخ کلو کے لڑکے سعد سلمہ سے ایک مٹھی ستو پر کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے، ہمارے اہلحدیث ہونے کا یہی تقاضا ہے۔

بیٹا۔ اباجی مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی کہ قرآن میں تو مہر کے بارے میں صاف ارشاد ہے ان تبتغوا باموالکم جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح میں مہر مال ہونا چاہیئے تو کیا ایک مٹھی ستو یا قرآن کی ایک دو سورت کھانا عرفاً یا شرعاً مال ہے کہ ان کو مہر مقرر کیا جائے؟ یہ تو قرآن کی صریح

مخالفت ہے۔

باپ۔ بیٹا، حدیث میں جب ہے تو جائز ہے۔

بیٹا۔ اباجی تو کیا حدیث میں وہ بات ہوگی جو قرآن کے صریح مخالف ہو یہ تو قرآن اور حدیث میں زبردست ٹکراؤ ہے۔

باپ۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو کیا ہمارے علماء قرآن وحدیث سے جاہل تھے جن کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی اور انھوں نے ایک مٹھی ستو کو مہر بنانا جائز رکھا۔

بیٹا۔ اباجی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کا نکاح ایک مٹھی ستو یا قرآن کی دو تین آیتیں سکھلانے پر کیا تھا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ نے استخدمہر پر اپنی بیٹیوں کا نکاح کیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق نے، حضرت عمر فاروق نے، حضرت عثمان غنی نے، حضرت علی داماد رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے یا اور کسی صحابی نے استخدمہر یعنی ایک مٹھی ستو، یا ایک مٹھی کھجور پر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کیا تھا، یا تابعین وتبع تابعین میں اس کا رواج تھا؟

باپ۔ بیٹا تم نے تو ہماری آنکھ سے پردہ ہٹا دیا، واقعی یہ قابل غور نکتہ ہے۔ اگر ایک مٹھی ستو پر نکاح سنت ہوتا تو صحابہ وتابعین میں اس کا رواج ضرور ہوتا۔

بیٹا۔ اباجی اس قابل غور نکتہ پر ہمارے اہلحدیث علماء نے غور کیوں نہیں کیا؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

سلفی گھرانوں میں ہنگامہ

شیخ جمن نے مردہ کا گوشت قربانی کے گوشت کے نام پر تقسیم کیا

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی آج بقرعید کا دن ہے، اور محلہ میں ہنگامہ مچا ہوا ہے، شیخ جمن حفظہ اللہ

کو لوگ بُرا بھلا کہہ رہے ہیں اور ان کا بھیجا ہوا قربانی کا گوشت ان کے گھر واپس کیا جا رہا ہے۔

باپ۔ ہوا کیا بیٹا۔ شیخ جمن کے گھر کا قربانی والا گوشت لوگ کیوں واپس کر رہے ہیں

بیٹا۔ ابا جی، شیخ جمن نے ابکی دفعہ قربانی کیلئے گائے خریدی تھی، گائے بظاہر خوب تندرست تھی، اس کی قربانی جو ہوئی تو اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلا۔ شیخ جمن حفظہ اللہ نے اس کا گوشت بھی کٹوا کر تقسیم کر دیا ہے، ہنگامہ اسی پر ہے، کہ شیخ جمن نے مردار کا گوشت تقسیم کیا ہے، لوگ شیخ جمن کے گھر جمع ہو گئے اور خوب خوب ہنگامہ کیا۔

باپ۔ شیخ جمن حفظہ اللہ تو بڑے اللہ والے ہیں ایسی حرکت انھوں نے کیوں کی؟

بیٹا۔ شیخ جمن لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ قربانی کے جانور سے مرا ہوا بچہ نکلے تو وہ حلال ہے، اس کے ماں کی قربانی ہو گئی تو اس مردہ کی بھی قربانی ہو گئی اب وہ مردار حلال ہے اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے، اہلحدیث مذہب میں یہی مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے۔ ذکوٰۃ الجنین ذکوٰۃ امہ، حضور کا ارشاد ہے یعنی پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی قربانی اس کے ماں کے قربانی ہے۔ مگر لوگ شیخ جمن حفظہ اللہ کا بھیجا ہوا مردار کا گوشت کھانے کو تیار نہیں ہیں، شیخ کلو حفظہ اللہ تو سخت طیش میں ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں مردار کو حرام قرار دیا گیا ہے تو وہ حلال کیسے ہو جائیگا۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے حرمت علیکم المیتۃ یعنی تم لوگوں پر مردار کو حرام کیا گیا ہے، تو خدا نے جس چیز کو حرام کیا ہو وہ حلال کیسے ہو گی۔ شیخ کلو کہتے ہیں کہ ہمارے سب سے بڑے عالم حضرت ابن حزم ہیں۔ وہ صاف صاف فرماتے ہیں کہ لوصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقلنا بہ مسارعین وان لم یصح عنہ فلا یحل ترک القرآن لقول قائل او قائلین .... المعلی ج ۴ ص ۲۹۳۔

یعنی ابن حزم فرماتے ہیں کہ اگر اس مسئلہ میں نبی علیہ السلام سے صحیح طور پر کچھ ثابت ہوتا، تو ہم دوڑ کر اس قول کو لیتے لیکن جب آپ سے اس مسئلہ میں صحیح طور پر کچھ ثابت نہیں ہے تو کسی ایک دو کے کہنے کی وجہ سے قرآن کا ترک کرنا حلال نہیں ہوگا

باپ ۔ بیٹا۔ شیخ کلو کی بات تو بڑی مضبوط ہے، جس چیز کو قرآن حرام کہے اسے حدیث حلال کیوں کرے گی۔ حدیث میں تو قرآن کی تشریح ہوتی ہے نہ کہ قرآن کی مخالفت۔ اگر ہم نے یہ سلسلہ جاری رکھا کہ جو قرآن میں حرام ہے اسے حدیث سے جائز قرار دیا تو لوگ قرآن و حدیث دونوں سے برگشتہ ہو جائیں گے اور اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں گے۔

بیٹا ۔ ابا جی شیخ جمن حفظ اللہ جو حدیث پیش کر رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے ؟

باپ ۔ بیٹا اس کا جواب تو علامہ ابن حزم نے دے دیا یعنی وہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے ۔

بیٹا ۔ ابا جی، اس بارے میں احناف کا کیا مذہب ہے ؟

باپ ۔ بیٹا ان کے یہاں بھی جانور کے پیٹ سے نکلا ہوا مردہ بچہ مردار ہونے کی وجہ سے حرام ہے ۔

بیٹا ۔ تو کیا علامہ ابن حزم کی طرح احناف نے بھی اس حدیث کو رد کر دیا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا چاہے ہمارے لوگ مانیں یا نہ مانیں احناف کے یہاں احادیث کا بڑا احترام ہوتا ہے، وہ کسی حدیث کو رد کرنے کے بجائے اگر قرآن و حدیث میں بظاہر تعارض ہو رہا ہوتا ہے تو وہ حدیث کا ایسا مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ ٹکراؤ ختم ہو جائے اور قرآن و حدیث دونوں کا حکم اپنی اپنی جگہ پر باقی رہے اور اگر دو حدیثوں کے درمیان تعارض ہوتا ہو تو کسی ایک حدیث کو رد کرنے کے بجائے وہ دونوں حدیثوں کا ایسا معنی لیتے ہیں کہ دونوں حدیثیں اپنی جگہ پر باقی رہیں اور ان دونوں پر عمل ہو، ائمہ احناف کی یہی کوشش ہوتی ہے، اسلئے ان کے یہاں ایسا

بہت کم اور شاذ و نادر حالات میں ہوتا ہے کہ وہ حدیث کو رد کریں، یہ فقہائے احناف اور فقہ حنفی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اب دیکھو ذکوٰۃ الجنین ذکوٰۃ امہ کو تو ابن حزم نے رد کر دیا کہ وہ قرآن کے خلاف ان کو نظر آئی مگر ائمہ احناف کہتے ہیں کہ ذکوٰۃ الجنین ذکوٰۃ امہ کا تعلق مردہ جنین سے نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلا تو اس کی قربانی بھی اسی طرح سے ہوگی جس طرح اس کی ماں کی قربانی ہوئی ہے۔ یعنی اس کو بھی ذبح کیا جائے گا جیسا کہ اس کی ماں کو ذبح کیا گیا ہے یہ حضور کا بلیغ کلام ہے جس میں حرف تشبیہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور یہ استعمال عام ہے، ہمارے یہاں اردو میں بھی کہا جاتا ہے زید شیر ہے یعنی شیر کی طرح ہے، حامد حاتم ہے، یعنی حاتم کی طرح ہے، اسی طرح حضور کا یہ ارشاد ہے۔ ذکوٰۃ الجنین ذکوٰۃ امہ ای کذکوٰۃ امہ یعنی جنین کا ذبح کرنا اس کی ماں کے ذبح کرنے کی طرح ہے۔ جیسے اردو میں حرف تشبیہ "طرح" کو حذف کر دیا جاتا ہے، اسی طرح عربی میں کاف جو عربی میں تشبیہ کیلئے ہوتا ہے اس کو حذف کر دیا جاتا ہے، تو اب احناف نے یہاں دو باتیں کہی ہیں، ایک یہ کہ اس حدیث کا تعلق پیٹ سے نکلے ہوئے مردہ بچہ سے نہیں ہے بلکہ زندہ سے ہے، اور دوسری بات یہ کہی ہے کہ حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس بچہ کو بھی جب وہ زندہ ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اسی طرح ذبح کیا جائے گا جس طرح اس کی ماں کو ذبح کیا گیا ہے۔ اب دیکھو نہ حدیث کو ائمہ احناف نے رد کیا اور نہ حدیث کا جو انھوں نے مطلب بیان کیا ہے اس کی روشنی میں قرآن و حدیث میں تعارض رہا، اور نہ کسی کو مردہ کا گوشت کھانا پڑا۔

بیٹا۔ ابا جی فقہ حنفی میں اتنی گہرائی ہے؟

بقیہ صفحہ ۵۸ پر

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونے والا دوماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۱۲

رمضان ، شوال

سنہ ۱۴۳۰ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ——— ۸۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی دو سو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ
غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور یوپی

پن کوڈ 233001

موبائیل نمبر 9453497685

محمد اجمل مفتاحی مئو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

فہرستِ مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چین میں گزشتہ دنوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، جیلوں کو ان سے بھر اگیا، ہزارہا لوگ ظالموں کے ہاتھوں زخمی ہوئے، اور پوری دنیائے اسلام میں اس کے خلاف صدائے برنخواست رہی، کسی ایک مسلمان ملک نے چینی حکومت کے اس ظلم کے خلاف منہ نہیں کھولا یہ ہماری بدبختی، بے حسی بے غیرتی اور بے حمیتی کی انتہا ہے، چین اور روس میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے، مگر مسلمانوں کو ان دونوں ملکوں میں ایسا دبا کر رکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کا اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا موت کے منہ کو گلے لگانا تھا۔ ادھر کچھ آزادی ملی تھی، مگر یہ آزادی بھی برائے نام تھی، روس نے تو اپنے استبداد کا یہ مزہ چکھا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا اور اس کی تانا شاہی جاتی رہی۔

چین کی ابھی یہ حالت نہیں ہوئی ہے، اور وہ بظاہر ایک بڑی طاقت بن کر ابھر رہا ہے، مگر ظلم بہر حال ظلم ہے اور ظلم کی چکی بہت دنوں تک نہیں چلتی، ظالم ایک نہ ایک روز اپنے انجام کو پہونچتا ہے، اس کی مثال ہمارے سامنے امریکہ ہے، جو طاقت کا باوا آدم کہلاتا ہے اور دنیا کا سب سے بڑا غنڈہ ملک ہے۔ جس کے سابق صدر شیطان صفت بش نے عراق اور افغانستان کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا ہے، لاکھوں انسانوں کو بم برسا کر ہلاک کر دیا ہے، آج وہ بش ذلت و گمنامی کی زندگی گزار رہا ہے، اور ہر طرف سے اس پر تھو تھو کیجا رہی ہے، موجودہ صدر اوبامہ بھی بش کی راہ پر گامزن ہے، اس کا بھی انشاء اللہ

یہی انجام ہوگا، آج امریکہ اقتصادی اعتبار سے بدترین دور سے گذر رہا ہے، سینکڑوں بینک دیوالیہ ہوگئے ہیں، امریکیوں پر فقر و فاقہ کی تلوار لٹکی ہوئی ہے، اور کب یہ تلوار امریکہ کا کام تمام کردے ہم اسی دن کا انتظار کر رہے ہیں، وہ دن آئےگا اور انشاءاللہ ضرور آئیگا۔

چین میں مسلمانوں کا جس بے دردی سے قتل ہوا ہے، وہ بھی ظلم کی بدترین مثال ہے، مظلوموں کی آہ اپنا اثر دکھاتی ہے، وقت لگتا ہے مگر قدرت اپنے وقت پر ظالموں سے انتقام لیتی ہے، چین کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔

اور جہاں تک بات ہے اس ظلم پر مسلمان ممالک کی خاموشی کی تو عیاشیوں میں پلنے والے حکمراں اور مغربی تہذیبوں میں ڈوبے رہنے والے تخت و تاج کے مالکوں میں دینی حس اور دینی غیرت کو تلاش کرنا بے وقوفی ہے، حماقت ہے، پاگل پن ہے، اور افسوس یہ ہے کہ ہم سے یہ بے وقوفی وقتاً فوقتاً صادر ہو ہی جاتی ہے۔

ہمیں تو اب صرف اپنے مالک و خالق پر نظر رکھنی چاہیئے کہ وہی بہترین تدبیر کرنیوالا اور بہترین انتقام لینے والا ہے۔

آپ کا مجلہ زمزم اس وقت بدترین اقتصادی مار کا شکار ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس کو کیسے باقی رکھا جائے، طباعت و کاغذ کی گرانی نے ہمت توڑ رکھی ہے۔ بقایاجات وصول نہیں ہو رہے ہیں، زمزم کی اشاعت بہت کم ہوگئی ہے، مکتبہ کی کتابیں ختم ہیں ان کو دوبارہ شائع کرنے کیلئے رقم نہیں ہے، بعض کتابیں دوسروں کو شائع کرنے کیلئے دیں تو کتابوں کے کچھ نسخے صرف وصول ہوئے، مسائل غیر مقلدین، اور غیر مقلدین کی ڈائری کی نئی اشاعت ہوئی ہے مگر ان سے رقم حاصل نہیں ہوئی، ان کتابوں کے چند نسخے ان سے ملے، پاکستان سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں ان مخلصین کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ ان سے پیسے نہیں مل پا رہے ہیں۔

ایسی حالت میں زمزم کا باقی رہنا بہت مشکل ہے، الا یہ کہ مردے از غیب برخیزد و کارے کند۔

میں قارئین زمزم سے اور خصوصًا ان لوگوں سے جن کے ذمہ زمزم کا بقایا ہے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، اور زمزم کا بقایا ادا کرکے اور اس کی مالی امداد کرکے اس کو زندگی بخشیں، یا پھر وہ فیصلہ کردیں کہ زمزم کی اب ضرورت باقی نہیں رہ گئی - اس کا کام پورا ہوگیا ہے -

---

ص ۵۴ کا بقیہ :-

اپنے موضوع پر بہت جاندار، دلچسپ، اور معلومات آفریں ہے -

کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب نے کتاب کو اپنے والدین کی نذر کرتے ہوئے جو ایک شعر لکھا ہے، اس کا پہلا مصرع قابلِ توجہ ہے - شاید " ہے " کا لفظ چھوٹ گیا ہے - ہے وہی دن جس میں ان کی محبت کا مقام " مصرع اس طرح ہوگا " ہے وہی دن جس میں ہے انکی محبت کا مقام "

حیدرآباد، دہلی اور دیوبند کے کتب خانوں سے اس کتاب کو حاصل کیا جاسکتا ہے

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبویؐ ہدایات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(۱) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا میں تم کو آگاہ نہ کروں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں ؟ یہ وہ لوگ ہیں جو بکواس زیادہ کرتے ہیں اور چبا چبا کر تکلف سے بات کرتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ان کی اطلاع نہ دوں جو تم میں اچھے لوگ ہیں پھر آپ نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں ۔ (جامع الاصول ص ۳۹۹ ج ۳)

کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ زیادہ بات کرنے کو عقلمندی سمجھتے ہیں اور انکی عادت چبا چبا کر تکلف سے بات کرنے کی ہوتی ہے، عام طور پر یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنی قابلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے یا اپنی باتوں سے دوسروں کو مرعوب کرنا ہوتا ہے حضورؐ نے اس طرح بات کرنے والوں کو بدترین لوگوں میں شمار کیا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم سادہ انداز میں گفتگو فرماتے تھے، یہی انداز ہم کو بھی اختیار کرنا چاہیئے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسن اخلاق بڑی شئی ہے اور یہ بات اس انسان میں ہوتی ہے جس میں خیر وصلاح کا مادہ ہوتا ہے ۔ اچھے اخلاق والوں کو زبان نبوت نے بہترین لوگ بتلایا ہے ۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ کہ

(۲) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو جھاڑ پھونک کے ان کلمات کو نہ سکھلادوں جن کے ذریعہ جبریل نے مجھے جھاڑ پھونک کیا تھا ۔ وہ کلمات یہ ہیں ۔

بسم اللہ اَرقِیكَ وَاللّٰہ یشفیكَ من کُلِّ داءٍ یُعییكَ ۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ان کلمات کو یاد کرلو یہ کلمات تم کو مبارک ہوں۔

بعض لوگ مطلقاً جھاڑ پھونک سے منع کرتے ہیں اور اسے شرک اور بدعت بتلاتے ہیں، یہ بہت خطرناک بات ہے، جھاڑ پھونک کا ثبوت جب خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اسے ضلالت اور بدعت بتلانا کتنی بڑی گمراہی ہوگی، ان کلمات سے جھاڑ پھونک جن میں شرکیہ اور کفریہ کلمات نہ ہوں قطعاً درست اور جائز ہے اور اس کا ثبوت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قولاً وعملاً ثابت ہے اسلئے یہ ایک شرعی علاج ہوگا نہ کہ گمراہی اور بدعت کا عمل۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعا اذان اور اقامت کے درمیان کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی ہے۔

اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض خاص اوقات کے بارے میں بتلایا ہے کہ یہ اوقات دعا کی قبولیت کے اوقات ہیں، انھیں میں سے ایک وقت اذان اور اقامت کے درمیان کا ہے، اس وقت اگر اخلاص کے ساتھ اور جی لگا کر دعا کی جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں گے، اسلئے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کو قبولیت دعا کا وقت فرمایا ہے، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دعا کے قبول ہونے کے بعض شرائط بھی ہیں اگر وہ شرائط پائے جائیں گے تو دعا انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی، مثلاً کھانا حلال ہو پینا حلال ہو، پہننا حلال ہو، کسی کو نقصان پہونچانے کے لیئے دعا نہ کی جائے، قلب کا حضور تام ہو وغیرہ شرطوں کے پائے جانے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، ویسے اللہ کی رحمت کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں، بلاان شرطوں کے بھی وہ دعا قبول کرلے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تاریکیوں میں مسجد کو چل کر جاتے ہیں ان کو قیامت کے روز ایک چمکتی ہوئی روشنی کی بشارت سناؤ، یہ روشنی ان کے سامنے ہوگی اور انکے دائیں بائیں ہوگی۔

تاریکی میں پیدل چل کر مسجد میں پہونچنا اور جماعت سے نماز ادا کرنا بظاہر دشوار عمل ہے، لیکن یہ اتنا بڑا عمل ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بشارت سناتے ہیں کہ دنیا میں اس مشقت کو برداشت کرنیوالوں کیلئے قیامت کے روز اللہ ایک تیز روشنی پیدا فرمائیں گے جو ان کے سامنے کی جانب کو اور دائیں بائیں کی جانب کو روشن کرے گی۔

یہ گویا یہ دنیا کی تاریکی جھیل کر مسجد میں پہونچنے والوں کیلئے اللہ کی طرف سے انعام ہوگا اور یہ روشنی ان کے لئے پہچان بنے گی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو شب تاریک میں بھی مسجد میں پہونچ کر نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام تھا۔

درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نماز باجماعت کی اہمیت کو بتلانے کیلئے ہے اور یہ بتلانے کیلئے ہے کہ خواہ مانع چھوٹا ہو یا بڑا اس کو نماز باجماعت کے ترک کرنے کا بہانہ نہیں بنانا چاہئے۔

(۵) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ یہ ارشاد پاک نقل کرتے ہیں، آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلا وجہ اگر عورت اپنے شوہر سے طلاق کو طلب کرے تو وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گی، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔

آجکل مسلمان خاندان میں بھی یورپی اقوام کا یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، عربوں میں تو اس کا عام رواج ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر عورت عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے، اور قاضی کے ذریعہ شوہر سے طلاق حاصل کرتی ہے، اس سے اولاد کی تربیت پر کتنا برا اثر پڑتا ہے اور معاشرہ کیسا بگڑتا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سخت وعید کے ذریعہ مسلمان عورتوں کو منع کیا کہ بلا وجہ وہ طلاق حاصل کرنے کا شوق نہ پالیں۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

قسط ۲۲

مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں
اور
مولانا مودودی

حضرت عمرو بن العاص کی معزولی پر مصریوں کی برہمی

حضرت عمرو بن عاص نے حضرت عمر کے زمانے میں مصر فتح کیا تھا حضرت عمر نے ان کو مصر کا عامل مقرر کیا تھا، لوگ ان سے خوش تھے، انھوں نے حسن تدبر اور انتظامی صلاحیتوں سے مصر کو ہر حیثیت سے مستحکم کردیا تھا لیکن مصر میں بھی سبائیوں کا گروہ اپنا کام کر رہا تھا بلکہ مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں خارجیوں اور سبائیوں کا ایک گروہ جس کو حضرت عمرو ابن العاص کی وجہ سے کھل کر اپنی شورش پھیلانے اور لوگوں کو ورغلانے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا، وہ حضرت عمرو بن العاص کے خلاف خلیفۂ وقت کے پاس شکایتیں بھیجتا اور ان کی شدت اور سختی کا شکوہ کرتا تا آنکہ ان کے خلاف مسلسل شکایتوں کے پہونچنے کی وجہ سے حضرت عثمان بھی ان سے کچھ آزردہ خاطر ہوگئے اور ان کی جگہ عبداللہ بن سرح کو پورے مصر کا گورنر بنادیا اس سے جہاں سازشیوں کو خوشی ہوئی وہیں عام مصریوں کو حضرت عمرو کا معزول کیا جانا ناگوار ہوا اور اس طرح مصری حضرت عثمان کی مخالفت میں پیش پیش ہوگئے ۔ حضرت عمرو بن العاص کی معزولی انھیں سبائیوں کی سازش تھی، اس کا تذکرہ ابن کثیر نے کیا ہے چنانچہ البدایہ میں لکھتے ہیں ۔

وکان سبب ذلک ان الخوارج من المصریین کانوا محصورین من عمرو ابن العاص فجعلوا یعملون علیه حتی شکوہ الی عثمان لینزعه عنهم ویولی علیهم من هو الین منه فلم یزل ذلک دأبهم حتی عزل عمرو عن الحرب و ترکه علی الصلوٰۃ۔

(البدایہ ص ۱۷۰ ج ۷)

- - - - - - -

- - - - - - -

حضرت عمرو بن العاص کی معزولی کا سبب یہ بات تھی کہ مصریوں میں سے جو خوارج تھے انکو حضرت عمرو بن العاص نے محصور کر رکھا تھا، چنانچہ انھوں نے حضرت عمرو کے خلاف الزامات گھڑنے شروع کئے یہاں تک کہ انھوں نے حضرت عثمان سے شکایت کی کہ انکو ہٹا کر ان سے نرم خو انسان کو ان کا حاکم بنایا جائے، یہ ان کا طور (یعنی حضرت عثمان سے حضرت عمرو بن العاص کی شکایت) برابر رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان نے ان کو جنگ کے عہدہ سے معزول کر کے صرف نماز پر باقی رکھا۔

اب ان کی جگہ جنگ یا خراج کی ذمہ داری عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو سونپی گئی لیکن خوارج نے اپنی سازشوں اور اپنی لگائی بجھائی کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ حضرت عمرو اور عبداللہ بن سعد میں بھی چشمک شروع ہوگئی اور حضرت عثمان کو مجبورا پورا مصر عبداللہ بن سعد کی امارت میں دیدینا پڑا اور انھوں نے حضرت عمرو کو اپنے پاس مدینہ بلالیا۔ (البدایہ ص ۱۷۰ ج ۷)

اگرچہ خوارج اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے لیکن عام اہل مصر نے عبداللہ بن سعد کو پسند نہیں کیا، اور حضرت عمرو بن العاص کو معزولی سے وہ بہت دل برداشتہ ہوئے اور انکی جگہ عبداللہ بن سعد کو وہ کسی طرح گوارا نہ کرسکے۔

وکرہ اھل مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بعد عمرو بن العاص (البدایہ ص ۱۷۰ ج ۷)

اہل مصر نے حضرت عمرو بن العاص کی جگہ عبداللہ بن سعد کو پسند نہیں کیا۔

نیز ادھر حضرت عبداللہ بن سعد نے اپنی توجہ مصر لیل اور مصر سے زیادہ افریقہ کی

جنگ اور اس کی فتوحات پر مبذول رکھی مصر والے اس کے بھی شاکی تھے نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان کے خلاف مصریوں کی ایک جماعت جس میں اتفاق سے بعض صحابۂ کرام کے صاحبزادے بھی تھے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے حضرت عثمان کی معزولی کا نعرہ بلند کر دیا۔

شام اور عراق، بصرہ اور کوفہ میں بھی سبائیوں کی جماعت اپنی سازش میں لگی ہوئی تھی اور حضرت عثمان کے خلاف برابر پروپیگنڈہ جاری تھا۔

ادھر سبائیوں نے یہ کیا کہ حضرت عائشہ کے نام کی ایک فرضی چٹھی لوگوں میں مشتہر کرنی شروع کی جس میں حضرت عثمان کے خلاف وہی سبائیوں کے بے ہودہ الزامات تھے اور خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ تھا، اس چٹھی نے لوگوں میں اور بھی اضطراب پیدا کر دیا۔ سبائیوں کی اس حرکت کا ذکر طبقات میں ہے۔

ابن سعد مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کے قتل پر فرمایا۔

تركتموه كالثوب النقي من الدنس ثم قربتموه تذبحونه كما يذبح الكبش هلا كان قبل هذا فقال لها مسروق هذا عملك انت كتبت الى الناس تامرنهم بالخروج اليه قال - قالت عائشة والذي امن به المومنون وكفر به الكفرون ماكتبت اليهم لسوداء في بيضاء حتى جلست مجلسي هذا قال الاعمش فكانوا يرون انما كتب على لسانها (طبقات ج ۳ ص ۵۷)[1]

تم نے ان کو صاف ستھرے کپڑے کی طرح بنایا پھر تم نے ان کو ذبح ہونے کے لئے پیش کر دیا جیسے مینڈھا کو ذبح کیا جاتا ہے اگر یہ کرنا تھا تو پہلے ہی کیوں نہیں یہ کام ہوا مسروق نے کہا کہ یہ سب تو آپ کا عمل ہے آپ ہی نے لوگوں کے پاس لکھا اور ان کو حضرت عثمان کے خلاف نکلنے پر آمادہ کیا اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا ہرگز نہیں اس خدا کی قسم جس پر ایمان لانے والے ایمان لائے اور جس کا انکار کرنیوالوں نے انکار کیا میں نے اس بارے میں سیاہی اور کاغذ کا کوئی استعمال نہیں کیا راوی حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ لوگ سمجھنے لگے تھے کہ

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

- - - - - - - - - حضرت عائشہ کے نام سے یہ خطوط لکھے گئے ہیں۔

غرض سازشیوں نے حضرت عثمان کے خلاف ایسا خوفناک جال بن دیا تھا کہ اس میں اچھے اچھے لوگوں کا پھنس جانا عین ممکن تھا اور یہی ہوا۔ اور پھر حضرت عثمان کے خلاف ان سازشیوں نے بہت سی متعدد شخصیتوں کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور مدینہ پر چڑھ آئے اور حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ کی مدت

چالیس روز تک محاصرین نے اس مظلوم خلیفۂ رسول کو محاصرہ میں رکھا، اور ان کا دانہ پانی بند کر دیا، باہر کا کوئی آدمی ان سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ ایک دفعہ حضرت علی نے حضرت عثمان سے ملاقات کرنی چاہی لیکن ظالموں نے ان کو بھی روک دیا۔ (طبقات) مدینہ میں عجیب افراتفری تھی بیشتر صحابہ ایام حج قریب ہونے کی وجہ سے مکہ تھے، صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت غزوات پر تھی۔ مدینہ میں جو لوگ تھے حضرت عثمان کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کر نہیں پا رہے تھے، البتہ بعض صحابہ کرام نے اپنے صاحبزادوں کو حضرت عثمان کی حفاظت کیلئے بھیج دیا تھا، نیز بعض جلیل القدر صحابہ خود بھی محاصرین کو روکنے کیلئے وہاں موجود تھے۔

استیعاب میں ہے۔

ؔ اور ابن کثیر کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت عائشہ ہی نہیں بلکہ اور بھی دوسرے صحابہ کرام کے نام سے جھوٹے خط لکھ کر یہ سازشی مختلف امصار و بلاد میں اپنی سازش کے جال کو مستحکم کر رہے تھے اور عوام کو حضرت عثمان کیخلاف آمادۂ پیکار کر رہے تھے۔ اسی روایت کا ذکر کر کے ابن کثیر کہتے ہیں۔

وفی هذا وامثاله دلالة ظاهرة علی ان هؤلاء الخوارج قبحهم الله زوروا علی لسان الصحابة الی الآفاق وحرضوهم علی قتال عثمان (البدایہ ص ۱۹۵ ج ۷)

اس واقعہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خوارج اللہ ان کا برا کرے صحابہ کرام کے نام سے جھوٹے خط لکھا کرتے تھے اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف جنگ پر ابھارا کرتے تھے۔

وکان معنا فی الدار من یرید الدافع منه عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن سلام وعبد اللہ بن زبیر وحسن بن علی و ابوھریرۃ ومحمد بن حاطب وزید بن ثابت رضی اللہ عنھم ومروان ابن الحکم فی طائفة من الناس۔ (استیعاب ج ۲ ص ۴۷۷)

حضرت عثمان کے گھر ان کا دفاع کرنیوالوں میں مندرجہ ذیل صحابۂ کرام تھے۔ عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن سلام، عبد اللہ بن زبیر، حسن بن علی، ابوہریرہ، محمد بن طالب زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور مروان بن حکم بھی ایک جماعت کے ساتھ تھا۔

البدایہ اور بعض دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن کے ساتھ آپ کے برادر خورد اور حضرت علی کے اور خاندانِ نبوت کے دوسرے شاہزادہ حضرت حسین بھی تھے۔ (البدایہ ص ۱۸۱ ج ۷)

حضرت عثمان کا قتال سے اجتناب

محاصرین مدینہ میں ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھے حضرت عثمان کو ان کے گھر میں مقید کر دیا گیا تھا، صحابۂ کرام جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے وہ چاہ رہے تھے کہ ان محاصرین کو بزور طاقت مدینہ سے باہر کر دیں اس سلسلہ میں وہ حضرت عثمان سے بات بھی کر رہے تھے، مدینہ میں اتنے لوگ تھے کہ وہ محاصرین کو اچھا سبق دے سکتے تھے، خود حضرت عثمان کے گھر میں تقریباً ۷۰۰ افراد کا مجمع تھا۔ حضرت عثمان کے غلاموں کی جو اپنی جان اپنے آقا کے حکم پر قربان کرنے کو تیار تھے ایک بڑی تعداد تھی لیکن حضرت عثمان کسی کو تلوار اٹھانے کی اور حرم نبوی میں قتل قتال کا بازار گرم کرنے کی اجازت کسی طرح نہیں دے رہے تھے جس کے نتیجہ میں صحابہ کرام کچھ کر نہیں پا رہے تھے اور محاصرین حضرت عثمان کے اس صبر وضبط، نیک خوئی اور نرم روئی سے غلط فائدہ اٹھا رہے تھے، حضرت عثمان حرم نبوی میں قتل وقتال سے کتنے مجتنب تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل بیان سے ہوگا۔

حضرت زید بن ثابت نے حضرت عثمان سے کہا کہ یہ انصار دروازہ پر موجود ہیں وہ

کہتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ایک مرتبہ اور ہم اپنا انصار اللہ ہونا ثابت کریں (یعنی اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان محاصرین سے جنگ کریں) حضرت عثمان نے جواب دیا۔ "اما القتال فلا" (طبقات صفحہ ۴۴) یعنی قتال کی اجازت نہیں۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے محاصرہ کے وقت فرمایا تم میں کا بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اپنی تلوار کو روکے رکھے۔ (طبقات)

حضرت عروہ کی روایت ہے کہ حضرت عثمان سے عبداللہ بن زبیر نے کہا۔

قاتلهم فوالله لقد احل الله لك قتالهم۔ — آپ ان سے قتال کیجئے اسلئے کہ اللہ نے اب آپ کیلئے لڑنا حلال کر دیا ہے۔

لیکن حضرت عثمان نے ان کو جواب دیا۔

فقال لا والله لا اقاتلهم ابداً (طبقات) — نہیں خدا کی قسم میں ان سے قتال نہیں کروں گا۔

یہی حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ کے اس گھر میں اتنی جماعت ہے اگر اس سے کم بھی ہوتی تو بھی اللہ کی مدد سے وہ آپ کے دشمنوں پر غلبہ پالیتی آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان سے لڑیں لیکن حضرت عثمان اس پر راضی نہیں ہوئے اور آپ نے فرمایا۔

انشدك الله رجلا اهراق فی دمه۔ (طبقات) — میں تم کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے بارے میں اپنا کوئی خون نہ بہائے۔

ابن سیرین کی روایت ہے۔

کان مع عثمان یومئذ فی الدار سبع مائة لو یدعوهم لضربوهم ان شاء الله حتی یخرجوهم من اقطارها منهم ابن عمر وحسن بن علی وعبداللہ — حضرت عثمان کے ساتھ اس روز خود گھر میں سات سو افراد تھے اگر حضرت عثمان انکو پکارتے تو سب ملکر اللہ چاہتا تو ان مفسدوں کو مار بھگاتے، انھیں میں سے حضرت عمر، حضرت حسن

بن ثابت۔ (طبقات) بن علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر تھے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔

"حضرت عثمان نے ان مہاجرین اور انصار سے جو ان کے ساتھ تھے ان کی تعداد تقریباً سات سو تھی ان میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن اور حضرت حسین، مروان اور حضرت ابو ہریرہ اور آپ کے غلاموں کی ایک بڑی تعداد تھی، اگر حضرت عثمان ان کو چھوڑ دیتے تو یہ لوگ خوارج کو روک دیتے۔ فرمایا۔

"میں ہر اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس کے اوپر میرا کوئی حق ہے کہ وہ اپنا ہاتھ روک لے اور اپنے گھر چلا جائے۔

اس وقت آپ کے پاس بڑے بڑے صحابہ اور ان کے صاحبزادے تھے اور ان کی بڑی تعداد تھی۔

نیز حضرت عثمان نے اپنے غلاموں سے فرمایا جس نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی وہ آزاد ہے اس طرح اندر سے تو قتال ٹھنڈا پڑ گیا اور باہر سے گرم رہا۔ (البدایہ ص ۱۸۱ ج ۷)

بہرحال آپ نے دیکھا کہ جاں نثار اور اکابر صحابہ حضرت عثمان کی حمایت اور آپ کی حفاظت اور محاصرین کی سرکوبی کیلئے تیار تھے اور چاہ رہے تھے کہ ان شرپسندوں کو سبق دیا جائے اور انھیں تلوار کے زور سے مدینہ سے باہر کر دیا جائے اور یہ کرنا بہت آسان تھا اسلئے کہ حضرت عثمان کے پاس اجلائے صحابہ اور ان کے صاحبزادوں کی ایک بڑی تعداد تھی جس میں عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسن و حسین جیسے بہادرانِ اسلام تھے اور ادھر خوارج کی تعداد صرف نو سو تھی چھ سو مصری تھے اور دو سو کوفی اور ایک سو بصرہ کے لوگ۔

الذین حصروا عثمان ستمائۃ جنھوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا تھا

والذين قدموا من الكوفة مأتين ... جنھوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا تھا
والذين قدموا من البصرة مأة ... وہ چھ سو تھے۔ کوفہ سے آنیوالوں کی تعداد
رجل (طبقات) ... دو سو تھی بصرہ والے سو تھے۔

پھر مدینہ کے اور لوگ بھی ان شر پسندوں کے خلاف آمادۂ پیکار تھے اسلئے ان کو مدینہ سے باہر کردینا بہت آسان تھا لیکن حضرت عثمان کو کسی طرح حرم نبوی اور مدینۂ رسول میں قتل و قتال کرنا پسند نہیں تھا، نیز اپنے لئے کسی مسلمان کا خون بہانا انھوں نے بالکل پسند نہیں کیا، یہ درحقیقت اس صحابئ رسول اور خلیفہ رسولؐ کا کیرکٹر اور اسکا ظرف تھا، ان کو مظلومانہ شہادت پسند تھی لیکن حرم نبوی میں کسی مسلمان کا خون بہے یہ گوارا نہ تھا۔

شہادت

محاصرین کو حضرت عثمان کے رویہ سے معلوم ہوچکا تھا کہ وہ قتال پسند نہیں کریں گے اسلئے ان کی شرارت پسندی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، حضرت عثمان نے ان کو بار بار سمجھایا لیکن وہ کسی بات کو سننے کیلئے آمادہ تھے بس ان کا مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہوجائیں اور یہ حضرت عثمان کو گوارا نہ تھا اسلئے کہ آنحضورؐ نے ان سے تاکید کی تھی کہ ایک روز آئیگا کہ اللہ تم کو قمیص پہنائیں گے، لوگ چاہیں گے کہ تم اس قمیص کو اتار دو لیکن تم اتارنا مت، نیز ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہے خود اللہ کے رسولؐ نے پیشین گوئی کی تھی اسلئے خلافت سے دست بردار ہونا اور اس قمیص کو جسے اللہ نے ان کے بدن پر ڈالا تھا اتار دینا ان کو گوارا نہیں تھا، نیز ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کی بھی رائے یہ نہیں تھی کہ اسلام میں اس بدعت کو داخل کیا جائے کہ جب کوئی شورش پسند جماعت چاہے وہ خلیفۂ وقت کو عہدۂ خلافت سے ہٹادے، یہ مستقل شر کا ایک دروازہ کھولنا تھا اور امت اسلامیہ کو آزمائش میں ڈالدینا تھا، چنانچہ طبقات میں حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عمر کی اس سلسلہ کی ایک گفتگو منقول ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

عن نافع بن عبد اللہ بن عمر قال ... حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت
قال لی عثمان وھو محصور فی الدار ... کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان جب

ما ترىٰ فيما اشار به على المغيرة
بن الاخنس قلت ما اشار به
عليك۔ قال ان هؤلاء القوم
يريدون خلعى فان خلعت تركونى
وان لم اخلع قتلونى۔ قال قلت
ارأيت ان خلعت تترك مخلدا
فى الدنيا قال لا قال : فهل
يملكون الجنة والنار قال :- لا
قال :- فقلت ارايت ان لم تخلع
هل يزيدون على قتلك قال :
لا۔ قلت :- فلا ارىٰ ان تسن
هذه السنة فى الاسلام كلما
سخط قوم علىٰ اميرهم خلعوه
لا تخلع قميصك قميصكه الله
(طبقات ص ۴۵ ج ۳)

. . . .
. . . .
. . . .
. . . .
. . . .

گھر میں محصور تھے تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ
مغیرہ بن اخنس مجھ سے جو کہتا ہے اس
بارے میں تمہاری کیا رائے ہے میں نے ان
سے پوچھا کہ وہ کہتا ہے فرمایا کہ وہ کہتا ہے
کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں خلافت سے
دست بردار ہو جاؤں اگر میں نے ایسا کیا تو
وہ لوگ مجھے چھوڑ دیں گے ورنہ مجھے وہ قتل
کر دیں گے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ
میں نے حضرت عثمان سے کہا کہ ذرا یہ بتلائیے کہ
اگر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو
کیا آپ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے انھوں نے فرمایا
نہیں پھر میں نے ان سے کہا کہ وہ لوگ جنت یا دوزخ
کے مالک ہیں انھوں نے عرض کیا نہیں پھر میں نے
ان سے عرض کیا کہ اگر آپ خلافت سے دست بردار
نہ ہوئے تو کیا وہ آپکو قتل کرنے کے سوا اور کچھ کر سکیں گے
انھوں نے فرمایا نہیں تو میں نے کہا کہ میری رائے
یہ نہیں ہے کہ آپ اسلام میں یہ طریقہ جاری کریں کہ جب
کوئی جماعت اپنے امیر سے خفا ہو وہ اسے عہدۂ امارت
سے ہٹا دیں آپ اس قمیص کو نہ اتاریں جو اللہ نے
آپ کو پہنائی ہے۔

خود حضرت عثمانؓ کی بھی یہی رائے تھی، ان کے سامنے آنحضورؐ کے ارشادات اور
شہادت کے سلسلہ کی پیشین گوئیاں تھیں اور اکابر صحابہ کی بھی رائے یہ نہ تھی کہ محاصرین کے اس

ناجائز مطالبہ کو کسی طرح بھی تسلیم کیا جائے، اسلئے حضرت عثمان ان کے دوسرے سارے مطالبات پر تو ہمدردانہ غور کرنے کیلئے تیار تھے مگر خلافت سے دست برداری آپ کو گوارا نہ تھی۔

ادھر اطراف وجوانب کی دیہات اور صوبوں میں حضرت عثمان کے عاملوں کو مدینہ میں جو صورتِ حال تھی اس کی خبر ملی انھوں نے محاصرین کے مقابلہ کیلئے فوج روانہ کی اس کی اطلاع سازشیوں کو ہوگئی کہ حضرت عثمان کی مدد کیلئے فوج آرہی ہے انھوں نے اس اطلاع کے بعد جلد سے حضرت عثمان کا قضیہ چکا دینا بہتر سمجھا اور تاریخ اسلام کا یہ دردناک حادثہ پیش آکر رہا اور آپ اپنے گھر والوں کے سامنے روزہ کی حالت میں تلاوت کلام پاک کرتے ہوئے شہید کر دیئے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

طبقات میں ہے۔

مان المصریون کافین عن دمہ عن القتال حتی قدمت امداد العراق من الکوفہ ومن البصرۃ ومن الشام وشجع القوم حین بلغھم ان البعوث قد فصلت من الطرق من عند ابن عامر ومن مصر ومن عند عبداللہ بن سعد فقالوا نعاجلہ قبل ان تقدم الامداد (طبقات ج۳ ص۵۰)	مصری حضرت عثمان کے خون اور آپ سے لڑنے سے رکے رہے یہاں تک کہ کوفہ بصرہ اور شام کی امداد کی خبر آنا شروع ہوئی، فسادیوں کی جماعت کو جب یہ معلوم ہوا کہ لشکر عراق اور مصر سے چل چکا ہے تو انھوں نے کہا کہ ہمیں امداد آنے سے پہلے جلد اپنا کام کر ڈالنا چاہیے

یوم شہادت حضرت عثمان کی شہادت کا یہ دردناک اور جاں گداز واقعہ ذی الحجہ کی ۸ر تاریخ ۳۶ھ یوم جمعہ کو عصر بعد پیش آیا، اس روز آپ روزہ سے تھے اور قرآن پڑھ رہے تھے اس آیت پر پہونچے تھے فسیکفیھم اللہ وھو السمیع العلیم۔ کہ ظالموں نے کام تمام کر دیا اور آپ کا یہ مصحف خون آلود ہوگا، حضرت نائلہ نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر روکا تو ان کی تین انگلیاں کٹ کر الگ ہوگئیں خود حضرت عثمان کا عالم یہ تھا

کہ قاتلوں سے کوئی تعرض نہیں کیا، چہرہ زخمی تھا، ریش مبارک خون سے تر تھی اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمہ تھا بِسْمِ اللّٰہِ توکلتُ علی اللّٰہ اور سُبحان اللّٰہ العظیم اس حال میں بھی آپ کی تلاوت جاری تھی یہاں تک کہ دوسری ضرب کاری سے آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (طبقات، استیعاب)

اس طرح اسلام کی تاریخ میں فتنہ کا وہ دروازہ کھلا کہ جو آج تک جاری ہے اور ملت اسلامیہ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئی اور پھر ایک سلسلہ جو جنگ و جدال کا چلا تو پھر اس سیل پر بند نہ لگ سکا۔

سن مبارک اور تدفین

وفات کے وقت آپ کا سن مبارک کیا تھا اس بارے میں متعدد روایتیں ہیں۔ طبقات ابن سعد میں آپ کا سن بیاسی برس لکھا ہے۔ جمعہ کے روز آپ کا حادثۂ شہادت پیش آیا اور اسی روز شب میں عشا اور مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔ حضرت جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں آپ مدفون ہوئے۔ (طبقات)

مدتِ خلافت

طبقات میں ہے کہ آپ کی مدتِ خلافت ۱۲ سال میں بارہ دن کم تھی۔

آپ کا قاتل

آپ کس کی تلوار سے شہید ہوئے؟ آپ کا قاتل کون تھا؟ اس کا پتہ لگانا دشوار ہے، اس لئے کہ ایک پورا ہجوم تھا جو آپ پر حملہ آور تھا، استیعاب میں آپ کے قاتل کا نام سودان بن حمران مذکور ہے، بعض لوگوں نے اس کا نام رومان یمانی ذکر کیا ہے اور بعض نے اس کو قبیلہ بنی اسد کا آدمی بتلایا ہے، اور بعض حضرات نے حضرت ابوبکر کے صاحبزادہ محمد ابن ابی بکر کا نام لیا ہے، لیکن محمد بن ابی بکر کا نام قاتلوں میں لینا بالکل صحیح نہیں ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھی مفسدوں کے ساتھ ہو گئے تھے اور انھوں نے حضرت عثمان کے خلاف اس شورش میں بڑا حصہ لیا تھا لیکن وہ قاتل نہیں تھے بلکہ وہ بعد میں کنارہ کش ہو گئے تھے اور اپنے فعل پر نادم تھے، چنانچہ بدایہ میں ہے کہ جب محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے

قریب پہونچے تو انھوں نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی اپنے ہاتھ میں لے لی، حضرت عثمان نے ان سے فرمایا بھتیجے اگر تمہارے والد ہوتے تو ان سے ایسے فعل کا صدور نہ ہوتا اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں۔

فترکہ وانصرف مستحیانا دما۔ (البدایہ ص۱۸۴ ج۷)

انھوں نے حضرت عثمان کو چھوڑ دیا اور شرما کر ندامت کے ساتھ واپس ہوگئے۔

بہرحال اس میں تو کوئی شبہ نہیں محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے خلاف تھے لیکن جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ وہ حضرت عثمان کے قتل میں شریک نہیں تھے[1]

شہادت سے پہلے حضرت عثمان کا خواب

قتل سے پہلے حضرت عثمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان سے فرمارہے ہیں کہ عثمان آج کا افطار ہمارے یہاں کرو۔ (استیعاب)

ایک دفعہ آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ عثمان جمعہ کے روز تم ہمارے درمیان ہوگے۔ (ایضاً)

ایک دفعہ آپ نے آنحضور اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو دیکھا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں کہ عثمان روزہ ہمارے یہاں افطار کرو۔ (ایضاً)

---

[1] بلکہ ابن کثیر کے بیان سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان پر یورش کرنیوالوں کو روکا بھی مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

انہ استحیی ورجع حین قال لہ عثمان لقد اخذت بلحیتہ کان ابوک یکرمھا فتذمم من ذلک وغطی وجھہ ورجع وحاجز دونہ فلم یفید (ص۱۸۵ ج۷)

حضرت عثمان نے جب محمد بن ابی بکر سے کہا کہ تم نے اس ڈاڑھی کو پکڑا ہے جس کی تمہارے والد عزت کرتے تھے تو انھیں شرم محسوس ہوئی اور انھوں نے اپنا چہرہ چھپالیا اور واپس ہوگئے اور لوگوں کو حضرت عثمان کی طرف جانے سے روکا لیکن ان کا روکنا مفید ثابت نہ ہوسکا۔

ان خوابوں کی وجہ سے حضرت عثمان کو یقین ہوگیا تھا کہ ان کی شہادت کا وقت قریب آگیا ہے چنانچہ قتل کے ایک روز قبل آپ نے فرمایا۔

ولن تغیب الشمس واللہ غداالا	بخدا کل کا سورج غروب نہیں ہوگا کہ میں اہل
وانا من اھل الآخرۃ (البدایہ ص۱۸۲ ج۷)	آخرت میں سے ہو چکا ہوں گا۔

نیز اس روز آپ نے ۲۰ غلام آزاد کئے اور پاجامہ پہنا حالانکہ آپ نے اس سے پہلے کبھی پاجامہ نہیں پہنا تھا محض اس اندیشے سے کہ یہ ظالم جب انھیں قتل کریں تو کہیں شرمگاہ نہ کھل جائے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔

انما لبس السراویل فی ھذا الیوم لئلا	انھوں نے اسلئے پاجامہ پہن لیا کہ مبادا قتل
عورتہ اذا قتل فانہ کان	کے وقت کہیں ان کی شرمگاہ نہ کھل جائے وہ
شدید الحیاء (البدایہ ص۱۸۳ ج۷)	بہت حیا والے تھے۔

حضرت عثمان کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں تھا

بعض شیعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے قتل میں صحابہ کرام کا ہاتھ تھا۔ اس طرح کی بعض روایتیں ہمارے بعض مورخین نے بھی لکھ ماری ہیں، ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو حضرت عثمان کی پالیسی سے اختلاف رہا ہو بلکہ ایسا تھا کہ بعض صحابہ حضرت عثمان کے بعض طرز عمل کو مناسب خیال نہیں فرماتے تھے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صحابہ کرام کا کوئی فرد حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھا یا مفسدوں کی ہمنوائی کررہا تھا یہ بالکل غلط اور کذب محض ہے، کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی کسی صحیح روایت سے اس بات کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

واما یذکرہ بعض الناس من ان	بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے
بعض الصحابۃ اسلمہ ورضی بہ	کچھ نے حضرت عثمان کو قاتلوں کے سپرد کردیا تھا
فلا یصح عن احدٍ من الصحابۃ	اور ان کے قتل پر راضی تھے یہ بات کسی بھی صحابی

انہ رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل کلھم کرھہ ومقتہ و سب من فعل ھذا (البدایہ ص۱۸۹ ج۸)

کے بارے میں صحیح نہیں ہے کہ وہ حضرت عثمان کے قتل پر راضی تھا بلکہ سب نے اس بات کو ناپسند کیا اور بُرا جانا اور اس کے کرنے والوں کو بُرا بھلا کہا۔

قتل عثمان پر صحابہ کرام کے تاثرات

شہادتِ عثمان کے اس حادثۂ فاجعہ پر پورے عالم اسلامی میں کہرام مچ گیا، خود ان باغیوں کی آنکھ تلے اندھیرا چھا گیا اور انھیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

ندام اکثر ھؤلاء الجھلۃ الخوارج بما صنعوا۔ (ابن کثیر)

اپنے کئے پران جاہل باغیوں میں سے اکثر نادم ہوئے۔

صحابۂ کرام میں سے جس کو اس خبر کی اطلاع ملی وہ حیران وششدر رہ گیا۔ امہات المومنین حج سے واپس آرہی تھیں راستہ میں ان کو اس حادثہ کی خبر ملی وہ مکہ واپس ہوگئیں۔ ۴ ماہ تک انھوں نے مدینہ کا رخ نہیں کیا۔ (ابن کثیر ص۱۹۴ ج۷)

حضرت علی مسجد سے نکل کر حضرت عثمان کے گھر کی طرف آرہے تھے کہ راہ میں شہادت کی اطلاع ملی یہ خبر سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ خداوندا میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔

حضرت عمر کے بہنوئی سعید بن عمر بن عمر بن نفیل نے کہا کہ لوگو! اگر کوہ احد تمہاری اس بداعمالی کے سبب تم پر پھٹ کر گر پڑے تو بھی بجا ہے۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا آہ! عثمان کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ اگر تمام خلقت عثمان کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے۔ ثمامہ ابن عدی صحابی کو جو صنعاء یمن کے رہنے والے تھے اس کی خبر پہونچی تو وہ رو پڑے اور فرمایا افسوس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانشینی جاتی رہی۔ ابو حمید ساعدی صحابی نے قسم کھائی جب تک جیوں گا ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا۔ عبداللہ بن سلام نے کہا آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ حضرت عائشہ

نے فرمایا کہ عثمان مظلوم مارے گئے خدا کی قسم ان کا نامۂ اعمال دھلے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا حضرت زید ابن ثابت کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا۔ حضرت ابوہریرہ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آجاتا تو دہاڑیں مار مار کر روتے۔ (مہاجرین قسم اول)

ایک شبہ کا جواب

ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ حضرت عثمان کا یہ دردناک واقعہ صحابہ کرام کی موجودگی میں کیونکر پیش آسکا اور انھوں نے اس سلسلہ میں اگرچہ حضرت عثمان نے ان کو روک دیا تھا لیکن اپنے طور پر محاصرین کو باز رکھنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ مدینہ میں جو صحابہ اس وقت موجود تھے جن میں حضرت علی جیسے لوگ بھی تھے آخر وہ آگے کیوں نہیں بڑھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان صحابہ کرام نے اپنے طور پر پوری کوشش کی کہ محاصرین اپنی اس حرکت سے باز آجائیں، خود حضرت علی اور دوسرے لوگوں نے ان باغیوں کو سمجھایا حضرت علی نے ان کے ہر اعتراض کا جواب بھی دیا لیکن یہ شرپسند لوگ کسی طرح ماننے کیلئے تیار نہیں تھے اب ان کا علاج صرف یہ تھا کہ ان کو بزور طاقت مدینہ سے باہر کر دیا جائے اس کیلئے حضرت عثمان تیار نہیں تھے کہ قتل و قتال کا بازار گرم ہو اور اس بارے میں وہ قسمیں دلا دلا کر لوگوں کو روک رہے تھے اور تیسری اہم ترین بات یہ ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ خلیفۃ المسلمین کے قتل کرنے کی جرأت یہ باغی کریں گے اس کا اس وقت تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا، اسلئے عام طور پر صحابہ کرام کم از کم اس جانب سے مطمئن تھے اسلئے جب یہ ناشدنی ہو کر کے رہی تو انھیں اس کا سخت افسوس ہوا اور اپنی اس غفلت پر انھیں ندامت رہی۔

ظنوا ان الامر لایبلغ قتلہ فقدموا علیٰ ماصنعوا فی امرہ۔	صحابہ کرام نے یہ گمان کیا کہ معاملہ حضرت عثمان کے قتل تک نہیں پہونچے گا چنانچہ بعد میں ان کو افسوس ہوا۔
(طبقات ص ۹ م ج ۳)	

اگر اس کا کسی کو احساس ہوتا تو صحابہ کرام اس طرح الگ تھلگ نہ رہتے، مدینہ میں مخلص مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد تھی کہ بقول ابن سعد۔

ویعمی لوقاموا وقام بعضھم فحثا فی وجوھھم التراب لانصرفوا خاسرین ۔ (ایضاً)

اگر سب یا کچھ لوگ کھڑے ہو جاتے اور ان کے چہرے پر صرف مٹی بھی پھینکتے تو وہ لوگ ناکامیاب واپس ہو جاتے ۔

ابن کثیر بھی یہی فرماتے ہیں ۔

واما القتل فما کان یظن احد انہ یقع ۔ (ص۱۹۷ ج ۷)

قتل کے بارے میں کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ وہ پیش آئے گا ۔

بہرحال تاریخ کا یہ المناک واقعہ پیش آنا تھا وہ پیش آ کر رہا وکان امر اللہ قدراً مقدوراً ۔

قاتلوں کا انجام

بعض سلف سے منقول ہے کہ قاتلین عثمان کا ہر فرد پاگل ہو کر مرا اور بعض نے قسم کھا کر کہا کہ جو بھی حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھا اس کا بھی قتل ہوا ۔ (البدایہ ص ۱۸۹ ج ۷)

اور طبقات میں ہے کہ قاتلین عثمان میں سے کسی بھی فرد کو شہادت کا شرف حاصل نہیں ہوا ، بعضوں کو سترہ مرتبہ میدانِ جنگ میں شریک ہونے کا موقع ملا لیکن اسے شہادت نصیب نہ ہو سکی جبکہ اس کے آس پاس لڑنے والے دشمنوں کا زخم کھا کر شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو رہے تھے لیکن یہ مرا تو بستر پر ہی مرا ۔ (طبقات ص ۵۸ ج ۳)

حضرت عثمانؓ کے بارے میں آنحضورؐ کے ارشادات

اب یہاں ہم اخیر میں آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں جن کا تعلق حضرت عثمان کی خاص ذات سے ہے جن سے مرتبہ عثمان کا قارئین کو کچھ اندازہ ہو گا اور اسی پر ہم اپنا یہ کلام ختم کرتے ہیں ۔

طلحہ بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

لکل نبی رفیق ورفیقی یعنی فی الجنۃ عثمان ۔ (ترمذی)

ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضور نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ :

یا عثمان انہ لعل اللہ یقمصك	اے عثمان شاید تم کو اللہ کوئی لباس پہنائے
قمیصا فان ارادوك علی خلعہا	اگر اس لباس کو لوگ تم سے اتارنا چاہیں تو
فلا تخلع لہم (ترمذی)	مت اتارنا۔

اس حدیث میں حضرت عثمان کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ران یا پنڈلی کھولے ہوئے تشریف فرما تھے کہ حضرت ابوبکر تشریف لائے لیکن آپ نے اپنی ہیئت نہیں بدلی، پھر حضرت عمر تشریف لائے اور آپ اپنی اسی حالت پر رہے، پھر حضرت عثمان تشریف لائے تو آپ نے اپنا کپڑا برابر کر لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضور سے عرض کر کیا کہ یا رسول اللہ حضرت ابوبکر آئے اور آپ نے کوئی حرکت نہیں کی اور حضرت عمر آئے لیکن آپ نے اپنی ہیئت کو نہیں بدلا لیکن حضرت عثمان آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنا کپڑا برابر کر لیا ؟ آنحضور نے جواب دیا۔

الا استحیی من رجل یستحیی	کیا میں اس آدمی سے حیا نہ کروں جس سے
منہ الملئکۃ۔ (مسلم)	فرشتے بھی حیا کرتے ہیں ۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان نے مسلمان لشکر کی بڑی مدد کی تھی آنحضورؐ نے حضرت عثمان کی اس مالی قربانی سے خوش ہو کر ان کے بارے میں یہ کلام ارشاد فرمایا تھا۔

ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ	حضرت عثمان کو اس عمل کے بعد کسی عمل کی
ما علی عثمان ما عمل بعد ھذہ	حاجت نہیں حضرت عثمان کو اس عمل کے بعد
(ترمذی)	کسی عمل کی حاجت نہیں [1]

---

[1] بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان کے اس عمل کے بعد ان پر کسی عمل کا گناہ نہیں یعنی ان کا یہ عمل سارے سیئات کیلئے کفارہ بن جائیگا۔

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار لاکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو اپنی گود میں رکھا اور اس کو اچھالتے ہوئے فرمایا۔ آج کے بعد حضرت عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہونچائے گا، اس بات کو آپنے دو مرتبہ فرمایا۔

ما ضرعثمان ما عمل بعد الیوم مرتین۔ (رواہ احمد)

حضرت مرہ بن کعب کی روایت ہے کہ آنحضورؐ نے آنے والے فتنوں کا ذکر کیا اور آپنے بیان کیا کہ وہ فتنے قریب ہی ہیں پھر آپ کا گذر ایک آدمی پر ہوا جس نے اپنے چہرہ کو کپڑے سے چھپا رکھا تھا آپنے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ھٰذا یومئذٍ علی الھدیٰ یہ آدمی اس روز حق پر ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جو اس آدمی کو دیکھا تو وہ حضرت عثمان تھے۔ (ترمذی)

حضرت انس کی روایت ہے کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ احد پہاڑ پر تھے آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان بھی تھے کہ اتنے میں احد پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی تو آپ نے اس کو پاؤں مار کر کہا کہ احد تو ٹھہر جا تیرے اوپر یا تو نبی ہے یا صدیق یا دو شہید۔ (بخاری)

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضور نے اول لیل سے آخر فجر تک حضرت عثمان کیلئے مسلسل دعا کرتے رہے۔

اللّٰھم عثمان رضیت عنہ فارض عنہ۔ (البدایہ ص ۲۱۲ ج ۷)

اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا آپ بھی ان سے راضی رہیں۔

یہ ہے اس صحابی مظلوم اور شہید راہِ حق کی زندگی کا ہلکا سا تعارف جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اگرچہ میں نے بڑے اختصار سے کام لیا ہے مگر میرے اندازے سے زیادہ پھیل گیا، اگرچہ بہرحال اس سے حضرت عثمان کی سیرت کا کچھ اندازہ ہوسکے گا اور اس صحابیٔ رسولؐ کے بارے میں جو گندگی پھیلائی گئی ہے اور مسلسل اس فعل شنیع کا "خلافت و ملوکیت" جیسی کتاب کی بار بار اشاعت سے ارتکاب کیا جا رہا ہے اس کی حقیقت آشکارا ہوگی۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری قسط ۱۸

بریلوی مذہب پر ایک نظر

وہابی دیوبندی سب واجب القتل مباح الدم ہیں

سراج الہدیٰ صاحب سنی حنفی قادری لکھتے ہیں۔

بخلاف وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کے یہ احکام دین دنیا میں سب سے بدتر ہیں ان کے لئے سخت شدید عذاب آخرت ہے ــــ نیز واجب القتل مباح الدم ہیں ان کا ذبیحہ قطعاً حرام و مردار اگرچہ ہزار بار کلمہ پڑھ کر ذبح کریں۔

(متفقہ فتاوی ص۴۲)

فائدہ :- اب اٹھائیں بریلوی حضرات تلوار اور دیوبندی وہابی کی گردن مارتے جائیں، خدا کا شکر ہے کہ یہ علمائے دنیا کا فتویٰ ہے علمائے دین کا نہیں۔

بریلوی مذہب میں جانور سے نکاح ہو سکتا ہے

مولانا سراج الہدیٰ صاحب یکے از علمائے دنیا لکھتے ہیں۔

ان کا نکاح (یعنی وہابی دیوبندی کا) کسی مسلم یا کافر یا مرتد ان کے ہم مذہب یا مخالف مذہب انسان حیوان کسی سے نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً ص۴۲)

فائدہ :- مولانا جانے دیجئے ان وہابیوں کو ان بیچاروں کا نکاح اگر کسی

یہ حیوانات سے نہیں ہو سکتا تو نہ ہو وہ صبر کر لیں گے لیکن آپ بتلائیے کہ آپ کا نکاح از روئے مذہب بریلوی گدھی سے ہوا ہے یا کتی سے، آپ کے یہاں ان جانوروں سے نکاح پر مہر کی مقدار کیا ہے۔ آپ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی کا نکاح گدھا سے ٹھہرایا اور بڑی والی کا خچر سے آپ نے مہر کیا رکھی ہے، ہاں ذرا اس سے بھی مطلع فرمائیں کہ اعلیٰحضرت کے خاندان کی کتنی شاہزادیاں وشاہزادے ان کتے بلیوں، گدھے گدھیوں کے ساتھ ہیں۔ مقصود محض اپنی معلومات عامہ میں اضافہ کرنا ہے۔

جو عورت کسی دیوبندی وہابی وغیرہ کی جورو ہو وہ ایسی ہی ہے کہ جیسے کسی کتے کے نیچے آئی ہو

یہی سراج الہدیٰ صاحب لکھتے ہیں

مسلمانوں اگر سنی ہو تو بگوش ہوش سنو اور اس پر عمل کرو جو عورت کسی بد مذہب کی جورو ہو وہ ایسی ہی ہے کہ جیسے کسی کتے کے نیچے آئی ہو ہاں اب اتنا جاننا ضروری ہے کہ بد مذہب کتا ہے یا نہیں البتہ یقیناً ضرور یہ لوگ کتے سے بھی سوا ناپاک و بدتر ہیں۔ (الانعام ۴۴)

فائدہ :- سوال یہ ہے کہ کتے سے نکاح کرنا تو آپ کے مذہب میں جائز ہے۔ ابھی آپ کو معلوم ہوا تو کیا دیوبندی سے نکاح بھی جائز ہے مولانا ذرا سوچ کر لکھئے آپ کے یہاں کتے سے نکاح جائز تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی مجھلی ہمشیرہ کا نکاح ولایتی کتے سے ۱۳۴۸ھ میں بڑی دھوم دھام سے ہوا ہے اور اب ماشاء اللہ وہ کئی بچوں کی ماں بھی ہے۔

صحابہؓ کا کسی کام کو نہ کرنا دلیل ممانعت نہیں

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نہ کرنا یہ تنہا دلیل منع نہیں ہو سکتا۔

(وشاح الجید صفہ ۱۳)

فائدہ :- جب کسی کا قلب بدعت کا گہوارہ ہوجاتا ہے تو اس کو اسی طرح کی بات سوجھتی ہے۔ اعلیٰحضرت صلوٰۃ عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ کو جائز بتلاتے ہیں عیدین کی نماز آنحضورؐ نے بھی پڑھی اور صحابہ کرام نے بھی عیدین کی نماز کے بعد نہ کسی سے معانقہ ثابت نہ معانقہ بریلوی حضرات اس کو جائز بتلاتے ہیں اگرچہ ان کے اعلیٰحضرت کو بھی اعتراف ہے کہ یہ معانقہ و مصافحہ کسی صحابی سے ثابت نہیں نہ آنحضور نے اس کو کیا اور نہ کرنے کا حکم دیا مگر اس بدعت کی ترویج کیلئے یہ زور و زوری و شور شوری ملاحظہ فرمائیں کہ صحابہ کا نہ کرنا دلیلِ منع نہیں ہوسکتا جی ہاں صحابہ کا نہ کرنا دلیل منع نہیں ہوسکتا مگر آپ کا کرنا دلیلِ جواز بن سکتا ہے۔

مصافحہ بعد نماز روافض کی سنت ہے مگر اب بریلوی حضرات نے بھی اس کو سنت بنالیا

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں:

اور سن لیجئے کہ کسی طائفہ باطلہ کی سنت جبھی تک قابلِ احتراز رہی ہے کہ وہ ان کی سنت رہے۔ اور جب ان میں سے رواج اٹھ گیا تو ان کی سنت ہونا ہی جاتا رہا۔ احتراز کیوں مطلوب ہوگا مصافحہ بعد نماز اگر کبھی سنت روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں۔ (وشاح الجید صکا)

فائدہ :- دیکھا آپ نے بدعت کا کرشمہ قلب کو کیسا تاریک کئے ہوئے ہے۔ اس اعتراف کے باوجود کہ مصافحہ بعد صلوٰۃ روافض کا طریقہ اور انکی سنت اور ان کی ایجاد کردہ چیز ہے نہ کسی حدیث سے ثابت نہ کسی صحابی سے مگر پھر بھی اعلیٰحضرت کا ذوق بدعت اس امر غیر مشروع کو جائز بتلانے کیلئے بے چین ہے۔

ایک ولی کی داد و دہش

مولوی محمد قادری برکاتی اپنی کتاب انفال السنان میں ایک ولی کے بارے میں

یوں گہرافشاں ہیں۔

ایک ولی کو دیکھا بہت عظیم مقام پہ تھے وہ یہ کہ وہ تمام مخلوقات گویا خاموش ودوحوش وحشرات الارض اور آسمانوں اور دن کے ستاروں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے اور عالم کے سارے کرے کو دیکھتے تھے کہ ہر چیز ان سے مدد مانگ رہی ہے اور یہ ان سب کی آوازیں اور ان سب کا کلام ایک لحظہ میں سنتے اور ہر ایک کی حاجت کرتے اور ہر ایک کو جو اس کے لائق ہے عطا فرماتے اور انھیں ایک کام دوسرے سے غافل نہ کرتا بلکہ تمام عالم بالا وعالم زیریں سب ان کے سامنے ایسا تھا گویا کہ ایک ہی مکان میں جمع ہے۔

.... اور اس ولی کی مدد آنحضور فرمارہے تھے۔ باختصار، درد خال السنان ص۴۳

فائدہ۔ بریلوی مذہب کی بنیاد اسی طرح کے قصوں پر قائم ہے اور اس طرح کے قصے جن کا مضمون شرک خالص ہوتا ہے یہ بڑے فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور النفس

دنیا و آخرت کی ساری مرادیں حضورؐ کے اختیار میں ہیں

اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

دنیا و آخرت کی ساری مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔ نیز فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔

فائدہ:۔ اعلیٰحضرت کی یہ بات غالباً صحابہ کرام کے سمجھ میں نہ آئی تھی ورنہ وہ بھی آنحضورؐ سے دنیا و آخرت کی ساری مرادیں ضرور مانگ لیتے۔ کاش کسی صحابی کے بارے میں اعلیٰحضرت دکھلا دیتے کہ ان کا بھی آنحضور کے بارے میں یہی عقیدہ تھا، اس خالص شرک کا نام ان کے یہاں توحید ہے۔

آپ نے غیب کی نفی من حیث البشریۃ فرمائی

کشف السر المکنون کا مصنف لکھتا ہے۔

بحیثیت بشریت آپ نے ایسی بات فرمائی جس سے علم غیب کی نفی پائی گئی ورنہ من حیث المرتبہ تو آپ کے علم سے آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

فائدہ :۔ حدیث و قرآن میں صریح الفاظ کے ساتھ آنحضور کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا۔ لیکن یہ بدعت کے متوالے زبردستی قرآن و حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔ اور اس کو حب رسول اور تعظیم رسول سمجھتے ہیں، یعنی جس چیز سے رسول اکرم تبری فرمائیں اس کو آنحضورؐ کیلئے ثابت کرنا ان کے نزدیک محبت رسول ہے لعنت ہو ایسی محبت پہ۔

آنحضورؐ کی غیب دانی دو طرح کی تھی روحی و ذاتی

یہی کشف السر المکنون کا مصنف لکھتا ہے۔

اطلاع بر غیوب دو قسم پر ہے روحی و ذاتی، روحی اطلاع دفعۃ واحدۃ بغیر تدریج و ترتیب ہوتی ہے اور ذاتی بتدریج و ترتیب۔ ص ۱۹

فائدہ :۔ یہ ان صاحب کا آنحضور کے علم کے بارے میں بالکل نیا انکشاف ہے۔ شاید بریلوی بھی اس پر ناک بھوں چڑھائیں۔ ایک ہی وقت میں آنحضور تدریجاً بھی جانیں اور بلا تدریج بھی اور ترتیباً بھی جانیں اور بلا ترتیب بھی۔ یہ معمہ بریلوی حضرات حل کریں۔

فاتحہ کا دوم سوم کتاب و سنت سے ثابت ہے

جواز الطعام کا مصنف محمد عمر قادری لکھتا ہے۔

روز موت دوم، سوم، چہارم، دہم و چہلم و سہ ماہی، ششماہی و برسی و جمعرات و شب برات، رجب و عیدین و عشرہ محرم و ربیع الثانی و ربیع وغیرہ سارے ایام سن میں

جائز و مستحب ہے، یہ سب کام اچھے لوگوں کے نکالے ہوئے اور ثابت از کتاب سنت ہیں۔ [ص۳۱]

فائدہ :- اگر یہ کھانے ثابت از کتاب وسنت ہیں تو ذرا کوئی بریلوی صاحب اس کو کتاب وسنت میں مذکور دکھلا دیں۔ ایک طرف قادری صاحب کہتے ہیں کہ یہ اچھے لوگوں کے نکالے ہوئے ہیں، اور دوسری طرف کتاب وسنت سے ثابت مان رہے ہیں دعویٰ نسباً چوڑا ہے اور دلیل انشاء اللہ کتاب وسنت سے مرتے دم تک بھی ہاتھ نہ آئیگی، بدعتی کا ذہب اتنا ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کی طرف بھی بلا تکلف وہ باتیں منسوب کر دیتا ہے جن سے قرآن وحدیث بری ہیں۔

سوم و چہلم وغیرہ اگرچہ زمانہ خیر القرون میں نہ تھا مگر سنت ہے

جواز الطعام کا مصنف لکھتا ہے۔

پس اسی طرح ہمارے تیجہ وچہارم دہم چہلم وغیرہا باوجود بلحاظ اپنے اختصاص وانفراد اور نیز اعتبار خصوصیات کے سنن ثلثہ سے قطعاً باقی باندہ ہونے اور قرون ثلثہ اور امام اعظم سے اصلاً ثابت نہ ہونے کہ بوجہ خیر ہونے کے ہرگز ہرگز اتباع سنت سے خارج نہیں بلکہ اس میں داخل ہیں۔ ص۲۹

فائدہ :- اس غریب کو ابھی یہ معلوم ہی نہیں کہ سنت کس کو کہتے ہیں۔ ابھی ان کھانوں کو ذرا پہلے ثابت از کتاب وسنت کہا ہے اور یہاں اس کا انکار کر رہا ہے بلکہ قرون قرون ثلثہ میں بھی اس کا وجود نہیں مانتا ہے۔ اس کو کون سی بات صحیح ہے اسکا فیصلہ بریلوی کریں۔

مردہ کی روحیں گھروں میں آتی ہیں

اعلحضرت لکھتے ہیں۔

(روحوں کے) آنے کے بارے میں تو اتنی کتب وعلماء کی عبارت اتنی روایات ہیں

بھی نفی و انکار کے لیے کون سی روایات ہے، کس حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کا آنا باطل اور غلط ہے۔ (اتیان الارواح ص۶)

فائدہ:- اعلیٰحضرت نے گندے عقائد کا ایک دفتر تیار کیا ہے اسی میں ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ روحیں گھروں میں آتی ہیں اور پکارتی ہیں اور کھانا مانگتی ہیں وغیرہ وغیرہ چنانچہ فتاویٰ امام کی ایک عبارت کا وہ ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز و شب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازہ کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں اے میرے گھر والو اے میرے بچو، اے میرے عزیزو ہم پر صدقہ سے مہر کرو ہمیں یاد رکھو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔ (ص۵)

اس قسم کی من گھڑت کہانیاں بریلوی مذہب کی اساس و بنیاد ہیں۔ اور اعلیٰحضرت کا ذوق انھیں باطل باتوں سے تسکین پاتا ہے۔

آنحضور اللہ کے نور ذاتی سے پیدا ہیں

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں۔

(صلات الصفا ص۳)

فائدہ:- خدا تو قرآن میں فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ آنحضور اللہ کے نور ذاتی سے پیدا ہیں، اب چاہے آپ قرآن کی بات مانیں یا اعلیٰحضرت کی۔ البتہ اعلیٰحضرت سے ایک سوال ضرور ہے کہ اللہ کا نور واجب ہے یا ممکن؟ اور اللہ کے نور ذاتی سے پیدا ہونے والی چیز واجب ہوگی یا ممکن پھر یہ بتلائیے کہ آنحضور واجب تھے یا ممکن؟ ان سوالات کا جواب اعلیٰحضرت تو گذر گئے اب ان کا کوئی چیلہ دے۔ پھر دیکھئے کہ اس کے اس عقیدہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

محمد اجمل مفتاحی

خط اور اس کا جواب

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقہ حنفی کے مقلد ہونگے؟

محترم مولانا صاحب   سلام مسنون

عرض یہ ہے کہ قرب قیامت جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو وہ حضور کے امتی بن کر مسائل شرعیہ میں کیا فقہ حنفی کی تقلید کریں گے ؟ غیر مقلدین حضرات کچھ اس قسم کی بات عوام کو بتلاتے ہیں کہ احناف کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے، براہ کرم جواب باصواب سے بذریعہ زمزم مطلع فرمائیں۔ —

جاوید شیخ اورنگ آباد مہاراشٹر

ناظرم ! "حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقہ حنفی کے مقلد ہوں گے، احناف کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے، غیر مقلدین حضرات کچھ اسی قسم کی باتیں عوام کو بتلاتے ہیں "

تو جو غیر مقلد ایسا کہتا ہے اس سے پوچھئے کہ احناف کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے "احناف کی کتابوں" کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے عموماً فقہ اور احادیث و شروح احادیث یا تفسیر کی وہ کتابیں مراد ہوتی ہیں جن کو علمائے احناف نے تصنیف فرمایا ہوتا ہے، ہماری نگاہ سے اب تک احناف کی ایک بھی ایسی کتاب نہیں گذری جس میں یہ لکھا ہو، نہ یہ قول ہمارے امام کا ہے اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی شاگرد کا ہے تو جو شخص یہ بات فقہ حنفی یا ائمہ احناف کی حدیث و تفسیر کی کسی کتاب کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ

اس بات کی سچائی کو ائمہ احناف کی کتابوں میں سے کسی کتاب سے ثابت کرے، پروپیگنڈہ اور جھوٹ کے ذریعہ کسی غلطبات کو صحیح ثابت کرنے کا فن کوئی غیر مقلدین سے سیکھے، ان بیچاروں کی زندگیاں اس فن میں پہلوانی دکھلاتے میں گذری ہیں، فقہ حنفی اور فقہائے احناف کے خلاف جھوٹ گڑھنا، بدزبانی کرنا اور بدتہذیبی کا ننگا ناچ ناچنا غیر مقلدوں کی پرانی سنت ہے۔ وکفیٰ بھم فخراً۔

اگر کسی اللہ والے کا یہ کشف ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لانے کے بعد شرعی احکام میں فقہ حنفی کی موافقت کریں گے تو اولاً یہ کسی حنفی امام کا قول نہیں ہے کسی بزرگ کا کشف ہے، کشف شرعی دلیل نہیں بنتا۔ دوسرے یہ کہ تقلید نام ہے کسی چھوٹے کا اپنے بڑے کی اتباع کرنے کا، تقلید میں مقلد کم علم اور تابع ہوتا ہے، اور وہ جس کی تقلید کرتا ہے وہ علم اور مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہوتا ہے، وہ تابع نہیں متبوع ہوتا ہے، تو کون ایسا جاہل ہے جو یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی ہی بن کر اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور وہ اپنے سے کم علم اور کم مرتبہ کی تقلید کریں گے؟ اور جو منصب نبوت سے سرفراز ہوتا ہے وہ ہمیشہ متبوع ہی ہوتا ہے وہ کسی کا تابع نہیں ہوتا ہے۔

البتہ کسی بات میں بڑا چھوٹے کی موافقت کرے تو اس سے بڑے کا مرتبہ گھٹتا نہیں ہے ہاں چھوٹے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اور اس کا شرف و کمال ظاہر ہوتا ہے، کتنے مسائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی ہے، تو کیا اس سے اللہ کی جلالت وعظمت اور اس کے علم میں کچھ فرق پڑا، اور کوئی یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کی؟

بہت سے مواقع پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی، صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی۔

ائمہ اربعہ بہت سے مسائل فقہیہ میں ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں، تو کیا کوئی کہے گا کہ یہ ائمہ ان مسائل میں ایک دوسرے کے مقلد ہیں، دیکھو ائمہ اربعہ میں سے

ہر ایک ایک دوسرے سے موافقت کرتا ہے کہ اکٹھی تین طلاق تین ہوتی ہیں نہ کہ ایک جیسا کہ شیعوں کا مذہب ہے، تراویح کسی ایک امام کے نزدیک آٹھ رکعت نہیں اس میں چاروں امام ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں، اصول شرعیہ چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس اس میں ہر امام دوسرے امام کا موافق ہے، جب کہ شیعہ اس کے قائل نہیں ہیں، اور بھی اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جن میں چاروں اماموں سے ہر امام ایک دوسرے کی موافقت کرتا ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں امام فلاں امام کا مقلد ہے تو یہ اس کا پاگل پن ہے، چاروں اماموں سے ہر امام مستقل مجتہد مطلق ہے اور مجتہد پر تقلید حرام ہے، تو کوئی امام کسی امام کا مقلد کیسے ہوگا، توافق کا نام تقلید رکھنا کھلی جہالت ہے۔

تو اگر کسی اللہ والے کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسائل شرعیہ میں فقہ حنفی سے موافقت فرمائیں گے تو عین ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر یہ امکان ہی کے درجہ تک کی بات ہوگی، یہ کشف کوئی قطعی اور شرعی حجت نہ ہوگا کہ اس کو لے کر غیر مقلدین ہنگامہ مچائیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرنے کا راگ الاپنے لگیں، رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فقہ حنفی کے ساتھ موافقت تو یہ فقہ حنفی کا شرف ظاہر کرنے کے لئے ہوگا اور یہ بتلانے کیلئے ہوگا کہ اس فقہ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف قبولیت حاصل ہے، جیسا کہ بہت سے مسائل میں اللہ تعالیٰ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت فرمانا یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شرف وفضل اور اسلام میں ان کا مقام بلند بتلانے کے لئے رہا ہے۔ نہ یہ دکھلانے کے لئے کہ معاذ اللہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ علم و کمال میں اللہ تعالیٰ سے بڑھا ہوا ہے۔ تعالیٰ اللہ علوا کبیرا۔

اب سنئے کہ اصل قصہ کیا ہے؟ غیر مقلدین کے ایک محدث صاحب تھے "گوندلوی" کی نسبت سے مشہور تھے [1]۔

---

(۱) گوندلوی صاحب کا اصل نام محمد یحییٰ ہے، پاکستان کے کسی اہلحدیث مدرسہ کے مدرس اعلیٰ ہیں یا تھے یا ہیں۔ واللہ اعلم۔

غیر مقلدین ان کا اصل نام بہت کم لیتے ہیں ان کو "حضرت محدث گوندلوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ صاحب عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے، غیر مقلدیت کے سارے جراثیم اکٹھے ان کے اندر موجود تھے، یعنی بدزبانی، بدتہذیبی، بڑوں اور اکابر اور اولیاء اللہ کی گستاخی اور بے احترامی، تقلید کی دشمنی، ائمہ احناف رحمہم اللہ سے دلی بغض اور کینہ، کتابوں کی عبارتوں میں الٹ پھیر کرنا، یہ ان کی بعض خصوصیات ہیں، ہم نے ان کی کچھ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ان کی ان خصوصیات کو ہم نے ان کی کتابوں میں جگہ جگہ محسوس کیا ہے، بہرحال ان محدث گوندلوی صاحب کو ترکی سے چھپا ہوا حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات کا منتخب عربی رسالہ مل گیا انھوں نے اس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد فقہ حنفی پر عمل کریں گے ۔

گوندلوی محدث صاحب فرماتے ہیں" سنئے سید احمد سرہندی حنفی فرماتے ہیں

ان عیسیٰ یعمل بعد نزولہ بمذھب الامام ابی حنیفۃ حضرت عیسیٰ نازل ہونے کے بعد فقہ حنفی پر عمل کریں گے ۔ (مطرقۃ الحدید)

گوندلوی محدث صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام جس انداز میں لیا ہے وہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں، جس شخصیت پر برصغیر کے مسلمانوں کو بلاامتیاز ایں و آں ناز و فخر ہے اور جس کے کارناموں سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ روشن ہے اور جس نے اپنی تنہا جدوجہد و ایثار و قربانی سے اکبر کے دین الٰہی کا قلع قمع کر کے ہندوستان میں اسلام کی بجھتی ہوئی شمع کو روشن کیا اس کو محدث گوندلوی صاحب "سید احمد سرہندی حنفی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کا لازمی لقب مجدد کو کیا ذکر کرتے رحمۃ اللہ علیہ تک کہنا ان کو گوارا نہیں ہوا اس لئے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حنفی تھے، جی ہاں غیر مقلدیت اسی کا نام ہے ۔

اب اور سنئے کہ ان محدث صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ پر یہ افترا کیا ہے ۔

حضرت مجدد الف ثانی نے ہرگز یہ نہیں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی فقہ پر عمل کریں گے، اور اپنے اسی دجل اور فریب اور بددیانتی کو چھپانے کیلئے محدث صاحب نے مکتوبات

کی پوری عبارت نقل نہیں کی، حضرت مجدد صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ

ویمکن ان یکون ما قاله الخواجه بارسا قدس سره فی الفصول السنة من ان عیسیٰ علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام یعمل بعد نزوله بمذهب الامام ابی حنیفة بواسطة هذه المناسبة التی له رضی الله عنه بحضرة روح الله علیه السلام یعنی ان اجتهاده روح الله یکون موافقا لاجتهاد الامام الاعظم لا انه یقلده فان شانه علیه السلام اعلیٰ واجل من ان یقلد علماء الامة۔

یعنی پس ممکن ہے کہ وہ بات جس کو خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصول الستہ میں ذکر فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کریں گے، اسی مناسبت کی وجہ سے (جو حضرت امام اعظم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مابین رہی ہے) حضرت پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد حضرت امام اعظم کے اجتہاد سے موافقت رکھے گا نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت امام ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے اسلئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہیں کہ وہ اس امت کے علماء میں سے کسی کی تقلید کریں۔

دیکھئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرمارہے ہیں اور گوندلوی محدث کیا فرماتے ہیں۔

محدث صاحب نے جو بات خواجہ پارسا کی تھی اس کو حضرت مجدد الف ثانی کے سر مڑھ دیا، حضرت مجدد صاحب تو صاف صاف انکار کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ امت کے کسی عالم کی تقلید کریں، اور محدث صاحب فرماتے ہیں کہ مجدد صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حضرت امام اعظم اور فقہ حنفی کے مقلد ہوں گے۔

ان محدث صاحب کو اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئی۔

افسوس صد افسوس ایسے ہوتے ہیں جماعتِ غیر مقلدین کے محدث لوگ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت مجدد صاحب خواجہ پارسا کے قول کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام اعظم کو حضرت عیسیٰ سے ایک خاص روحانی مناسبت ہے تو ہوسکتا ہے کہ مسائل شرعیہ میں دونوں کے اجتہاد[1] میں توافق ہو، یہ توافق والی بات بھی بدرجہ امکان کے ہے نہ کہ بطور قطعیت اور لزوم کے، حضرت مجدد صاحب نے اپنی عبارت میں پہلا لفظ فیمکن لاکر یہ بتلادیا ہے کہ خواجہ پارسا کی بات بدرجہ امکان میں ہے نہ یہ کہ یہی واقعہ بطور لازم پیش آئیگا۔

اور میں بتلا چکا ہوں کہ تقلید الگ شئ ہے اور موافقت الگ شئ ہے، تقلید میں مقلِد کا مقلَد یعنی متبوع سے کم ہونا ضروری ہے، تقلید عامی کیلئے ہوتی ہے، مجتہد کسی کی تقلید نہیں کرتا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود مجتہد ہوں گے وہ کسی امتی کی تقلید نہیں کرینگے بلکہ اپنے اجتہاد پر عمل کریں گے اور یہ اجتہاد حضرت امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا تو یہ حضرت امام اعظم کے شرف و بلندی درجہ اور اللہ کے یہاں فقہ حنفی کی مقبولیت کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے شہادت ہوگی۔

غالباً غیر مقلدین کو یہی پریشانی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقہ حنفی کے بارے میں کیوں ایسی شہادت مہیا فرمائیں گے جن سے خرمن غیر مقلدیت کے جل کر خاک ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

بہرحال آپنے دیکھا کہ غیر مقلدین نے اس پروپیگنڈہ میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقہ حنفی کے مقلد ہوں گے کیسی دھاندلی کی ہے اور جو بات کسی حنفی فقہ کے امام سے ثابت نہیں ہے اسکو انھوں نے حضرات فقہائے احناف کے سر مڑھ دیا ہے اسی سے سمجھ لیجئے کہ غیر مقلدیت کیا ہے اور یہ کتنا بڑا فتنہ ہے۔"

---

(۱) چونکہ وحی کا آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہوچکا ہے اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی کی اتباع کریں گے۔ اور اپنے اجتہاد کے مطابق اس شریعت پر عمل فرمائیں گے۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

محترم المقام زید مجدکم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غازی پور حاضری کے موقع پر حضرت والا نے اپنے کتب خانہ سے بھرپور استفادہ فرمانے کا موقع دے کر میری بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کے یہاں ایک روز دو شب بڑی راحت و آرام کی گذری، مزید کرم فرما کر مجھے متعدد کتابوں کا فوٹو لینے کی بھی اجازت دی یہ وہ کتابیں ہیں جو آپ کے کتب خانہ میں ہیں ہندوستان کے تجارتی کتب خانوں میں دستیاب نہیں ہیں۔ فجزاکم اللہ خیرالجزاء۔

سیف محمدی جوناگڈھی کی کتاب کا جواب لکھا جائے تو بہت بہتر ہے، ہمارے اطراف میں غیر مقلدین کی جماعت بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت مفت کر رہی ہے، اگر فی الحال جواب کا موقع نہ ہو تو مختصراً اس پر آپ تبصرہ فرمادیں، امید ہے ہماری یہ درخواست قابل اعتناء ہوگی۔　　　　والسلام

ھارون رشید۔ میسور

نامہ نام ! محترم ! میسور جیسے دور دراز کے علاقہ سے آپ غازی پور تشریف لائے یہ آپ کا کرم، محبت اور علمی ذوق کی بات ہے کہ صرف ملاقات اور علمی استفادہ کی خاطر آپ نے اتنا طویل سفر فرمایا۔

"سیف محمدی" کا جواب وہ دے جس کا علمی ذوق حضرت مولانا جوناگڈھی غفر رحمۃ اللہ علیہ

جیسا ہو، جو اسی ماحول میں پلا ہو جس ماحول میں حضرت مولانا پلے بڑھے تھے۔ مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ جب پیدا ہوئے تو ان کی پیدائش کی جگہ پر ہر طرف غلاظت ہی غلاظت تھی، کہیں پیشاب تھا، کہیں پاخانہ، کہیں عورتوں کی شرمگاہ کی رطوبت تھی اور کہیں منی کا ڈھیر تھا، کہیں حیض کا خون تھا اور کہیں نفاس کا چشمہ تھا، اور تذکرہ بھی ہوتا تھا تو کوئی اغلام بازی کا ذکر چھیڑتا تو کوئی اپنے زنا کا قصہ سناتا، کوئی عورتوں کے ساتھ اپنی چھیڑ چھاڑ کی حکایت لذیذ سے اپنے ہم نشینوں کو محظوظ کرتا، اس ماحول میں حضرت مولانا جوناگڈھی مدرسہ محمدیہ دہلی کے صدر مدرس رحمۃ اللہ علیہ کی پرداخت ہوئی تھی، اور حضرت کے علم کا حال یہ تھا کہ ان کو ماضی مضارع کی گردان بھی اللہ کے فضل سے نہیں آتی تھی اخبار کا فعل مجہول اور اس کی اصل سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ناواقف تھے۔ مستثنیٰ کا اعراب کتنے قسموں پر ہوتا ہے اس کا حضرت جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے پرکھوں کو بھی علم نہیں تھا، تو جو اس ماحول کا آدمی ہو اور جس کی علمی پرواز ایسی بلند ہو اس کی کسی کتاب کا جواب دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جس کا علم حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہوگا اور جس کی پرداخت بھی حضرت کے ماحول میں والی ہوگی وہی اس کا جواب دے سکتا ہے۔

حضرت جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ محمدیہ دہلی کی ساری کتابوں میں حضرت مولانا کا یہی ماحولیاتی رنگ اور ان کا یہی علم جھلکتا ہے۔ جس کو طبقہ غیر مقلدین بڑی لذت کے ساتھ سنتا ہے اور دوسروں کو سناتا ہے اور ان میں جو صاحب حیثیت ہوتا ہے وہ مولانا کی کتابوں کو شائع کر کے مفت تقسیم کرتا ہے۔

حضرت مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اسی کاوش میں گذری کہ فقہ حنفی کی کتابوں سے اپنے ذوق اور اپنی طبیعت کی مناسب باتیں نقل کریں اور اسکو پہلے اپنے اخبار ,,محمدی،، میں شائع کریں اور پھر اسے رسالہ یا کتاب کی شکل دیکر شائع فرمائیں اور پیسہ کمائیں۔

آپ نے سیف محمدی کی بات کی ہے اور اس کا ایک نسخہ مجھے روانہ کر دیا ہے تو

ذرا اسی کا رنگ دیکھئے کہ اس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساخت و پرداخت کا رنگ کیسا نمایاں ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے در مختار کے حوالہ سے پہلا ہی مسئلہ یہ ذکر کیا ہے۔ ولا عند وطی بھیمۃ بلا انزال یعنی جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے سے نہ تو غسل آتا ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے، جب تک کہ انزال نہ ہو۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے پوری کتاب سے اپنے ذوق کا یہ مسئلہ ڈھونڈھ نکالا، اور سر فہرست اسکو جگہ دی۔(1)

حضرت مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس مدرسہ محمدیہ دہلی نے دوسرا مسئلہ فتح القدیر سے اپنے ذوق اور اپنے مزاج کا یہ ذکر کیا ہے۔

---

(1) یہ مسئلہ خود غیر مقلدین کا ہے، نواب وحید الزماں نزل الابرار من فقہ النبی المختار میں فرماتے ہیں۔ والمعانی الموجبۃ للغسل انزال المنی بشھوۃ ...... فلو لم یخرج المنی من العضو المخصوص لا یلزم الغسل (ص۲۳/ج۱) یعنی غسل کو واجب کرنیوالے اسباب میں سے یہ ہے کہ منی شہوت کے ساتھ نکلے، اگر منی عضو مخصوص سے نہیں نکلی ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ در مختار کے مسئلہ اور اس مسئلہ میں کیا فرق ہے! مگر جوناگڈھی صاحب کو تو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں، ان پر تو حنفیت کا بھوت سوار ہے۔

بلکہ غیر مقلدین کا مذہب تو یہ کہتا ہے، نواب حیدرآبادی اس کتاب میں فرماتے ہیں۔
ولا ینقض بالقھقھۃ ولو من مصل بالغ صلوۃ کاملۃ وکذا بمس المرأۃ والامرد وکذا بالمباشرۃ الفاحشۃ۔ (ص۱۹/ج۱)

یعنی وضو نہ تو قہقہہ سے ٹوٹتا ہے اور نہ عورت اور امرد کے چھونے سے اور مباشرت فاحشہ یعنی عورت یا مرد کے ساتھ جماع اور اغلام بازی کرنے سے۔

نیز فرماتے ہیں نواب صاحب وکذا اذا ادلج فی فرج البھیمۃ یعنی غسل واجب نہیں ہوگا اگر آدمی اپنا ذکر جانور کی شرمگاہ میں داخل کرے۔ اپنے گھر کا یہ مسئلہ جوناگڈھی کو نظر نہیں آیا۔

او جامع امرأته في غير الفرج او احتلم فلما انفصل اخذ احليله حتى سكنت فخرج بلا شهوة فارسل فخرج بلا شهوة يجب عندهما لا عنده ۔ یعنی کسی نے اپنی بیوی سے فرج کے سوا اور جگہ مجامعت کی پھر انزال کے وقت سرِ ذکر کو تھام لیا اور الگ ہو کر پھر منی نکال ڈالی جب کہ سکون ہو گیا تھا تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر غسل واجب نہیں ۔

دیکھئے فتح القدیر سے کیسے مزے کا مسئلہ نکالا ہے ۔ فتح القدیر کے سیکڑوں صفحات کو الٹ پلٹ کر یہ مسئلہ وہی نکالے گا جس کا ذوق اس قسم کا ہو گا ۔ حضرت مولانا کا ذوق ان کی سلفیت پرداخت کی وجہ سے ایسا ہی بن گیا تھا ۔ (۱)

البتہ حضرت مولانا جوناگڑھی صدر مدرس مدرسہ محمدیہ دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر کی عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے ، وہ اپنے علم کی اسی پونجی کے مطابق کیا ہے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں ملی تھی ۔

حضرت جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے فخرج بلا شہوۃ ۔ کا ترجمہ کیا ہے ۔ اور الگ ہو کر پھر منی نکال ڈالی "

اب کوئی حضرت سے پوچھے کہ اس عبارت کا یہ ترجمہ آپ کے کس استاذ نے بتلایا ہے

---

(۱) گزشتہ حاشیہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مسئلہ تو مولانا کے گھر کا ہی ہے کہ بلا شہوت منی نکلے تو غسل واجب نہیں ہوتا ۔ نواب وحید الزماں صاحب مزید فرماتے ہیں کہ والمعتبر الشهوة عند الخروج فلو امسك الذكر حتى بطلت شهوته ثم خرج المني لا يلزمه الغسل ۔ (ص ۲۳/۱۷ نزل الابرار) یعنی منی نکلنے سے غسل واجب ہونے میں اس کا اعتبار ہے کہ منی شہوت سے نکلے ۔ پس اگر آدمی نے اپنا آلۂ تناسل پکڑ لیا حتی کہ اس کی شہوت جاتی رہی پھر منی نکلی تو اس پر غسل لازم نہیں ہے ۔

ناظرین غور فرمائیں کہ فتح القدیر کے مسئلہ میں اور اس مسئلہ میں کیا فرق ہے ؟

توحضرت مولانا محمد جوناگڈھی مدرس اعلیٰ مدرسہ محمدیہ دہلی اس کا کیا جواب دیں گے، مجھے نہیں معلوم اور اگر حضرت نے اس کا ترجمہ از راہ دیانت ایسا کیا ہے تو یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے غایت درجہ تقویٰ اور ورع کی بات ہے[1]۔

حضرت مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذوق کا ایک مسئلہ درمختار سے یہ نقل کیا ہے۔

اولج حشفته ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع وجب والا لا۔ یعنی اگر کسی نے اپنے ذکر کے سر کو کپڑا لپیٹ کر داخل کیا تو بھی اس پر غسل واجب نہیں ہے۔ اگر لذت جماع نہیں پائی۔

دیکھئے کیسا پاک صاف اور ستھرا ذوق تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا۔ درمختار کے ہزارہا مسائل میں سے حضرت نے بڑی محنت اور جد وجہد سے اپنے ذوق کا یہ مسئلہ ڈھونڈھ نکالا۔ البتہ اگر حضرت کو اپنی کتابوں پر نظر ہوتی تو ان کو درمختار کے سیکڑوں صفحات پلٹنے کی ضرورت نہیں تھی یہ مسئلہ بڑی آسانی سے نزل الابرار میں مل جاتا جو مذہب اہلحدیث کی مقبول عوام کتاب ہے۔

نواب حیدرآبادی صاحب فرماتے ہیں۔

ولو لف الحشفة بخرقة ثم اولجها فان وجد لذة الجماع اغتسل والا لا۔ (ص ۲۴ ج ۱)

---

(۱) عبارت کا اصل ترجمہ یہ ہے۔

یا اس نے اپنی بیوی سے فرج یعنی مقام صحبت کے علاوہ میں مجامعت کی یا اسکو احتلام ہوگیا پس جب منی اپنے مقام سے جدا ہوئی تو آدمی نے اپنا ذکر پکڑ لیا یہاں تک سکون ہوا یعنی شہوت جاتی رہی پھر اس نے اپنا ذکر چھوڑ دیا پھر منی بلا شہوت خارج ہوئی تو حضرت صاحبین کے نزدیک غسل واجب ہوگا حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں۔ —— اس ترجمہ کو مولانا جوناگڈھی کے ترجمہ سے ملا کر دیکھیں حضرت کی دیانت خوب واضح ہوگی یا حضرت کا جہل خوب عیاں ہوگا۔

یعنی اگر کسی نے اپنے ذکر کے سرا کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا پس اگر اس کو جماع کی لذت حاصل ہوئی تو غسل کرے گا ورنہ غسل نہیں کریگا۔

یہ تو بعینہٖ درمختار والی بات ہے۔ اب پتہ نہیں حضرت جوناگڈھی نے اپنی کتاب کو چھوڑ کر درمختار حنفی فقہ کی کتاب کو کیوں ٹٹولا۔

آپ کو بتلا دوں کہ حضرت جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص ذوق اور ان کے خاص مزاج لطیف کے مطابق اس کتاب نزل الابرار میں بہت سے مسائل ہیں، حضرت کو ان مسائل سے لطف اندوز ہونا چاہیئے تھا۔ مثلاً خاص حضرت کے ذوق کا نزل الابرار میں ایک مسئلہ یہ ہے۔

فلو ادخل الجنی حشفته فی فرج المرأة ولم تره ولم تنزل لا يلزم عليها الغسل۔ (ص ۲۳ ج ۱)

یعنی اگر کسی جن نے کسی عورت کی شرمگاہ میں اپنے ذکر کا سرا داخل کیا اور عورت نے جن کو دیکھا نہیں اور نہ اسے انزال ہوا تو عورت پر غسل نہیں ہے۔

اور ایک مسئلہ حضرت جوناگڈھی کی اپنی ہی کتاب نزل الابرار میں یہ بھی ہے

وکذا اذا اولج فی فرج البهيمة او دبر الآدمی او دبر البهيمة (ایضاً)

یعنی ایسے ہی غسل اس شخص پر بھی واجب نہیں ہوگا جو اپنا ذکر کسی جانور کی شرمگاہ میں داخل کرے، یا آدمی کے پیخانہ کے مقام میں داخل کرے یا جانور کے پیخانہ کے مقام میں داخل کرے۔

حضرت مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ مدرس اعلیٰ مدرسہ محمدیہ دہلی نے سیف محمدی لکھنے کیلئے احناف کے فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں جتنا وقت صرف کیا ہے، ان کا کافی وقت بچ جاتا اگر وہ صرف اپنے مسلک اہلحدیث کی ایک ہی کتاب نزل الابرار کا مطالعہ فرما لیتے اس کتاب کے چند صفحات میں ان کے ذوق کی وہ ساری باتیں ہیں جن سے ان کا ذوق لطیف تسکین پاتا اور حضرت کو اس طرح کے مسائل کو ڈھونڈھنے میں فقہ حنفی کی کتابوں کے مطالعہ

کرنے میں جو وقت صرف کرنا پڑا ہے یا جو محنت کرنی پڑی ہے اس سے انکو راحت مل گئی ہوتی۔
نزل الابرار میں یہ مسئلہ بھی تو ہے۔ اگر حضرت جوناگڈھی کی اس پر نگاہ پڑی ہوتی تو بہت خوش ہوتے۔

اذا اولج فی فرج امرأة میتة والمرجح فیه عدم الوجوب

یعنی اگر کسی غیر مقلد صاحب نے کسی مردہ عورت کی شرمگاہ میں اپنا ذکر داخل کردیا تو راجح بات یہ ہے کہ وہ غسل نہ کرے۔

حضرت جوناگڈھی نے اپنی اس کتاب میں یہ بھی اطلاع دی ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ تھا کہ شرمگاہ میں ذکر یعنی آلۂ تناسل داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے جب تک کہ انزال نہ ہو۔ اسلئے کہ حدیث میں آتا ہے انما الماء من الماء یعنی پانی کا استعمال بطور غسل اسی وقت ضروری ہے جب کہ انسان کے بدن سے منی خارج ہو۔

نواب صاحب کی اصل عبارت یہ ہے۔

وههنا مذهب آخر ذهب الیه طائفة من الصحابة واختاره بعض اصحابنا کالامام البخاری وهو انه لا یجب الغسل بالایلاج فقط اذا لم ینزل عملاً بحدیث انما الماء من الماء (ص ۲۴/۱۲)

یعنی یہاں ایک دوسرا مذہب ہے جس کی طرف بعض صحابہ گئے ہیں اور ہمارے اصحاب میں سے بعض نے اسی کو پسند کیا ہے۔ مثلاً حضرت امام بخاری نے اور وہ مذہب یہ ہے کہ جب تک کہ انزال نہ ہو شرمگاہ میں محض ذکر داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ کسی شرمگاہ میں خواہ عورت کی ہو مرد کی ہو جانور کی ہو ذکر داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوگا، تو اب غیر مقلدین کو تو کھلی چھوٹ مل گئی ہے، وہ خوب خوب اس کام سے لطف اندوز ہوں گے۔

ایک اور دلچسپ مسئلہ نزل الابرار من فقہ النبی المختار کا سنئے، جو حضرت مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ مدرس اعلیٰ مدرسہ محمدیہ دہلی کی آنکھوں سے اوجھل رہا ہے۔ اسلئے کہ اگر ان کی نگاہ اپنے گھر کی اس کتاب کے مسئلہ پر ہوتی تو وہ اس کو اپنی کتاب سیف محمدی میں ضرور ذکر کرتے اسلئے کہ یہ مسئلہ بطور خاص ان کے ذوق لطیف سے مناسبت رکھتا ہے۔

وہ مسئلہ یہ ہے۔

ولو ادخل ذکرہ فی دبر نفسہ لا یلزم الغسل الا بالانزال (ص۲۴ ج۱)

یعنی اگر کوئی غیر مقلد اپنا ذکر اپنی خود کی دبر میں یعنی پاخانہ کے راستہ میں داخل کرے گا تو بلا انزال اس پر غسل واجب نہ ہوگا۔

اہل حدیث مذہب میں اس طرح کے بہت سارے مسائل ہیں جن سے حضرت مولانا محمد جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق خاص کو تسکین ملتی ہے، مگر نہ معلوم کیوں حضرت نے اپنے گھر کی کتابوں سے پہلوتہی کی اور حنفی کتابوں سے اپنے ذوق کو تسکین دینی چاہی۔

اب ایک مسئلہ اور سن لیجئے اور مجھے اجازت دیں یہ مسئلہ بھی اہلحدیث کی مسلم اور خاص وعام میں مقبول کتاب نزل الابرار ہی کا ہے، اور حضرت مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص ذوق کا ہے وہ مسئلہ یہ ہے۔

ولو اتی عذراء ولم ینزل عند بھا لا یجب الغسل ولو حبلت (ص۲۴ ج۱)

یعنی اگر کسی غیر مقلد شخص نے کسی باکرہ عورت سے صحبت کی مگر اس کا باکرہ پن زائل نہیں کیا تو غسل واجب نہیں ہوگا اگرچہ اس عورت کو حمل ٹھہر جائے۔

دیکھئے نواب صاحب حیدرآبادی کیا فرماتے ہیں کہ اگر صحبت کے بعد اس عورت کو حمل بھی ٹھہر جائے تو اس غیر مقلد پر غسل واجب نہیں ہوگا، حالانکہ بلا انزال عورت کو حمل نہیں ٹھہر پا سکتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجامعت کے بعد اگر انزال بھی ہو جائے تب بھی مجامعت کرنے والے پر غسل واجب نہیں ہوگا، یہ نرالا مذہب یہ نرالا مسئلہ صرف مذہب اہلحدیث کا ہے، فقہ حنفی کا نہیں، فقہ شافعی کا نہیں، فقہ مالکی یا اور کسی فقہ کا نہیں صرف اور صرف

مذہب اہلحدیث کا ہے۔

آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ سیف محمدی پر میں تبصرہ کروں ایسی کتاب پر کوئی کیا تبصرہ کرے جس میں اول سے آخر تک اسی طرح کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں اور علم وقابلیت کے جس مقام پر ہوتے ہوئے مولانا جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ذکر کیا ہے اور اپنی شرافت و مکارم اخلاق کا جس انداز میں اظہار کیا ہے میں اس سے بالکل تہی دامن ہوں، پوری کتاب کا جواب لکھنا تو دور کی بات ہے میں پوری کتاب پر تبصرہ بھی نہیں کر سکتا، میرے اندر اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ میں اس کتاب پر تبصرہ کروں، شروع کتاب کے چند صفحات سے جن چند مسئلوں کا ذکر کیا گیا ہے اسی سے اندازہ لگالیں کہ اس پوری کتاب میں کیا ہے۔

ایک پاگل تھا، اس نے ایک پیالہ میں پیشاب جمع کیا تھا، ایک میں پاخانہ، ایک پیالہ میں منی، ایک پیالہ میں خون، ایک پیالہ میں ناک سے نکلنے والا مادہ، اور ایک پیالہ میں کان کی گندگی، ایک پیالہ میں بلغم اور ایک پیالہ میں بدن سے نکلا ہوا پسینہ۔ ان سب چیزوں کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ کچھ بدبدا رہا تھا، ایک بڑے میاں اس کے پاس گئے اور پوچھا کیا کر رہے ہو تو اس نے کہا کہ تم لوگ اللہ میاں کو طاہر، نظیف کہتے ہو بھلا ایسا خدا نظیف کیسے ہو سکتا ہے جو انسان میں ان گندے مادوں کو پیدا کرنے والا ہے، چونکہ وہ پاگل تھا اسلئے بڑے میاں اس کو یہ سمجھانے سے عاجز رہے کہ ان مادوں ہی کی بدولت تو انسان کی حیات کی بقا ہے، اور ان مادوں کو انسانی جسم میں پیدا کرنا عین حکمت ہے۔

کچھ یہی حال غیر مقلدوں کا ہے کہ وہ فقہ کی کتابوں سے چند ایسے مسائل کو جمع کرتے ہیں جن کا تعلق طہارت اور نجاست، عورتوں سے صحبت اور حیض و نفاس سے ہوتا ہے اور ان کو اس پاگل کی طرح کتابوں میں جمع کر کے فقہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو فقہ میں ایسے ایسے مسائل ہیں، ان بے عقلوں اور بدعقلوں کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہی تو فقہ کا کمال ہے کہ وہ انسان کی زندگی میں پیش آنے والے تمام امور کا ذکر کر کے ان کا شرعی حکم بتلاتا ہے، اگر فقہ کی کتابوں میں ان کا ذکر نہ ہوتا تو ان کا شرعی حکم معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا اور انسان کو

جب ان سے سابقہ پڑتا تو وہ حیران ہوتا کہ ہم کیا کریں، قرآن وحدیث سے تمام مسائل شرعیہ کا حکم ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا۔ کیا دنیا میں ایسے لوگ نہیں ہیں کہ جو اپنی خواہش جانوروں سے پوری کرتے ہیں اور ان کو کبھی انزال ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ہے، تو کیا اس عمل کا کوئی شرعی حکم نہیں ہوگا، یقیناً ہوگا اور ہونا چاہیئے، اگر شریعت میں اس کا حکم نہ ہو تو شریعت کا کمال نہیں ہوگا بلکہ اس کیلئے عیب کی بات ہوگی، اب فقہ بتلائے گا کہ اس جانور کا کیا حکم ہے جانور سے خواہش پوری کرنے والے کا کیا حکم ہے، اس پر غسل واجب ہوگا کہ نہیں، اس پر حد لگائی جائے گی کہ نہیں، اس کی شرعی سزا کیا ہوگی، نواب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مقلد کسی جانور سے اپنی خواہش پوری کرے گا تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا اگر انزال نہ ہوا ہو تو اور ویعزر من نکح بھیمۃ یعنی جو جانور سے وطی کرے اس کو سزا دی جائے گی، اگر جانور سے وطی کرنے کی بات واقعہ نہ ہوتی تو نواب صاحب کو یہ مسئلہ ذکر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔

اب اگر فقہ کی کتابوں میں ان احکام کا ذکر ہو تو غیر مقلدین اپنا منہ کڑوا کرنے کے بجائے یہ فرمائیں کہ تم اس جانور یا اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہو تمہارے مذہب میں اس کا ذکر ہے کہ نہیں، جوناگڈھی صاحب نزل الابرار کا مطالعہ فرماتے تو ان کو فقہ حنفی کی کتابوں میں جان کھپانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

دو عورتیں سوئی ہیں، ایک شخص نے ان میں سے ایک کو اپنی بیوی سمجھ کر بوسہ لے لیا اتفاق سے وہ بیوی نہیں بیوی کی ماں تھی، اب کوئی غیر مقلد بتلائے یہ امر پیش آسکتا ہے کہ نہیں یا یہ ناممکن اور محال ہے، اگر یہ بات ممکن ہے تو اگر یہ پیش آجائے تو اس صورت میں شرعی حکم کیا ہوگا، اسے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ نہیں، کیا قرآن وحدیث سے صراحتاً اس کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے؟ اے دانشمندان قوم ذرا بتلاؤ تو اس مسئلہ کا شرعی حکم تم کہاں سے معلوم کروگے؟۔

اچھا بتلاؤ کہ بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا جائز ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث سے اس کا حکم بیان کرو، نہ تم اس کا حکم قرآن سے بتلاسکتے ہو اور نہ حدیث سے اس کیلئے مدرس علی

مدرسہ محمدیہ دہلی کو اپنے غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں کی کتاب ہی کی طرف لوٹنا ہوگا۔ سنئے نواب صاحب کیا فرماتے ہیں۔

ویجوز النظر الی فرج النساء وجتہ والامۃ یعنی (ہمارے غیر مقلد بھائیوں کیلئے) جائز ہے دیکھنا بیوی کی شرمگاہ کا اور باندی کی شرمگاہ کا۔ (نزل الابرار ص ۱۲/۲۳)

دیکھو نواب صاحب نے اسی مسئلہ کا حکم اپنے فقہ کی کتاب سے بتلادیا، اور تم کہتے ہو کہ فقہ میں گندے گندے مسائل ہیں نواب صاحب کے نزدیک اس طرح کے مسائل اگر گندے ہوتے اور ان کا ذکر کرنا جائز نہ ہوتا تو وہ نزل الابرار میں ان کا ذکر کیوں کرتے، خیر یہ تو نواب صاحب حیدرآبادی ہیں، غیر مقلدین حضرات اپنے مجدد اعظم نواب صدیق حسن خان بھوپالی اور اپنے سرتاج محدثین قاضی شوکانی اور علامہ ابن حزم کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو انکی آنکھیں ایسی روشن ہونگی کہ گھپ اندھیرا میں بھی ان کو چمگادڑ نظر آجائے گا۔

آپ نے فرمایا ہے کہ سیف محمدی آپ کے اطراف میں مفت تقسیم کیجارہی ہے۔ تو اس سے فکر مند ہونے کی بات نہیں ہے، ہر باطل فرقہ کا یہی حال ہے، قادیانیوں کو دیکھئے عیسائیوں کو دیکھئے کس طرح سے وہ ہزارہا ہزار کی تعداد میں اپنی کتابیں اور پمفلٹ تقسیم کرتے ہیں، اور انکو پڑھ کر لوگ قادیانی و عیسائی بھی ہوجاتے ہیں۔ آپ اپنی استطاعت اور صلاحیت بھر اپنا کام کیجئے آپ اسی کے مکلف ہیں۔ ہر شخص سے مناظرہ کرنا اور ہر کتاب کا جواب دینا ہمارے بزرگوں کا طریقہ نہیں رہا ہے۔ اور نہ یہ ممکن ہے اور نہ دانشمندی ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

طریقۂ نماز احادیث وآثار کی روشنی میں

جدہ سعودیہ عربیہ میں ہمارے ایک کرم فرما اور مخلص صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب ہیں، اصلاً یہ رہنے والے پاکستان صوبہ سرحد کے ہیں، مگر مدتہائے دراز سے یہ جدہ میں مقیم ہیں، پہلے جدہ کی مشہور مسجد، مسجد شعیبی میں وہ بچوں کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ امامت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے اور اب وہ جدہ کے حی العزیزیہ میں تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ مرکز عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن کے نام سے قائم کرکے دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ مدرسہ صرف ایک مدرسہ ہی نہیں ہے بلکہ دعوت کا ایک مرکز بھی ہے، قاری صاحب دامت برکاتہم بہت فعال متحرک اور دعوتی سرگرمیوں سے وابستہ شخص ہیں، جدہ میں آپ کا درس قرآن بہت مشہور ہے، ہفتہ میں ایک روز یہ درس ہوتا ہے اور مختلف علاقوں سے آکر لوگ اس درس میں شریک ہوتے ہیں، خواتین کا بھی مجمع ہوتا ہے، اس درس کے ذریعہ سے لوگ دین وشریعت کے احکام سے واقف بھی ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا نقشہ بھی بدل جاتا ہے، قاری صاحب سے لوگ مسئلے مسائل بھی ملاقات کرکے یا فون کے ذریعہ پوچھتے رہتے ہیں، جدہ سے نکلنے والے اردو اخبار کے قاری صاحب مستقل کالم نگار ہیں، یہ اخبار ایک لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں چھپتا ہے، اور سعودیہ کے علاوہ خلیج کی تمام ریاستوں میں پڑھا جاتا ہے، اس طرح قاری صاحب کی آواز کی گونج دور تک پہونچتی ہے، درس قرآن کی کیسٹیں تیار

کرنے کا مرکز عبداللہ بن مسعود ہیں، بڑا اہتمام ہے - اس درس کی کئی سو کیسٹیں تیار ہیں، اور ان کیسٹوں سے نہ صرف اردو بولنے والے سعودیہ عربیہ میں بلکہ دنیا کے مختلف مشرقی و مغربی ممالک میں جہاں اردو داں ہیں فائدہ اٹھاتے ہیں، اس طرح قاری صاحب کی تنہا ذات دعوت کے میدان میں ایک جماعت کا کام کر رہی ہے -

اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب کو نہ صرف شگفتہ گوئی کی دولت سے نوازا ہے بلکہ آپ ایک صاحب قلم عالم بھی ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، انھیں کتابوں میں سے آپ کی نئی کتاب "طریقہ نماز احادیث و آثار کی روشنی میں" ہے - اس کتاب کے بارے میں قاری صاحب لکھتے ہیں :

" اس میں نماز کے طریقہ کو فقہائے احناف کی تشریحات کے مطابق قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کی دلیلوں کے ساتھ آسان وعام فہم اسلوب میں بیان کیا گیا ہے "

آپ کتاب پڑھئے، کتاب کا ہر عنوان قاری صاحب کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے، کم پڑھے لکھے لوگوں کیلئے یہ کتاب بہترین تحفہ ہے، ان کو بڑی آسانی کے ساتھ نماز کے بارے میں پوری معلومات فراہم ہوتی ہیں، اور ذہن پر بھاری اور بوجھل تحریر کا کوئی بار نہیں ہوتا ہے، نیز ان کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ احناف کا طریقہ نماز کتاب وسنت کے عین مطابق ہے، اور بعض گمراہ جماعتوں کا یہ پروپیگنڈہ کہ احناف کی نماز سنت کے مطابق نہیں ہوتی ہے، وہ نرا پروپیگنڈہ ہی ہے، اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے -

اس کتاب پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا ایک جاندار اور پُر مغز علمی مقدمہ ہے جو اپنی جگہ پر خود قابلِ مطالعہ ہے، ہندوستان میں یہ کتاب مکتبہ نعیمیہ دیوبند نے شائع کی ہے، کتابت و طباعت ہر طرح سے دیدہ زیب اور معیاری ہے -

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں قدیم دہلی کالج کا کردار
ایک دستاویزی کتاب

دریا باد بستی صوبہ یوپی کا ایک زرخیز علمی قصبہ ہے، جہاں عصری و دینی علوم کی باغ وبہار شخصتیں پیدا ہوتی رہی ہیں، اسی قصبہ کے ڈاکٹر شمس الہدیٰ ایک نوجوان عصری علوم کے فاضل ہیں، یہ صاحبزادہ ہیں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کے، ان کی تعلیم تمام تر عصری درسگاہوں میں ہوئی ہے، اور اس وقت مولانا آزاد اُردو یونیورسٹی حیدرآباد میں بحیثیت لکچرار ان کا تقرر ہے، انگریزی، ہندی اور اردو تینوں زبانوں پر ان کو اچھی قدرت حاصل ہے۔

ڈاکٹر شمس الہدیٰ سے اگر آپ ملاقات کریں گے تو پہلی ملاقات میں آپ کو محسوس ہوگا کہ وہ کسی عربی درسگاہ کے متدین عالم وفاضل ہیں، سنجیدہ طبیعت، باوقار انداز گفتگو، چہرہ پر بھری ہوئی ڈاڑھی، سر پر ٹوپی، نماز روزہ کے پابند، کوٹ، شرٹ، پتلون سے بے نیاز، کرتہ پیجامہ میں ملبوس، پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے اور ایک یونیورسٹی میں اعلیٰ درجہ کے ملازم ہونے کے باوجود تواضع وسادگی کا پیکر، نہ کھراپن، نہ ہروقت ہنسنا، یہ ہیں ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی بستوی سلمہٗ اللہ تعالیٰ

پیش نظر کتاب ،، ہندوستانی نشاۃ ثانیہ میں قدیم دہلی کالج کا کردار ،، ان کا پی ایچ ڈی کا وہ مقالہ ہے جس پر جواہر لال یونیورسٹی دہلی سے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے، اب وہی مقالہ کتاب کی شکل میں مذکورہ نام سے عمدہ طباعت وکتابت کے ساتھ شائع ہوکر شائقین کے ہاتھوں پہونچ رہا ہے۔

کتاب کا موضوع بظاہر خشک معلوم ہوتا ہے مگر ڈاکٹر شمس الہدیٰ کے قلم جادو رقم کا کمال ہے کہ اس خشک موضوع کو انھوں نے ایسا تر بنادیا ہے کہ کتاب کو شروع کیجئے تو ہر صفحہ کے بعد دوسرے صفحہ کی طلب ہوتی ہے اور اگر آپ کا وقت فارغ ہے تو ایک

دو نشست میں ہی آپ کتاب کو ختم کرنا چاہیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں دہلی کے عربک کالج یا قدیم عربی کالج کا بڑی تفصیل سے تعارف کرایا ہے، اور ہندوستان کی علمی و ادبی نشأۃ ثانیہ میں جو اس کا شاندار کردار رہا ہے اس کو بڑے دلچسپ اور ادبی انداز میں ذکر کیا ہے، کالج سے متعلق جو شخصیات رہی ہیں ان میں سے بیشتر کا ذکر کیا ہے، خواہ وہ شخصیتیں اساتذہ کی ہوں یا طلبہ کی یا اس کے منتظمین کی، اور خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا انگریز اور یورپین۔

یہ کتاب متنوع تاریخی معلومات کا ایک جہاں نما ہے، پڑھنے والوں کو سنہ ۱۸۵۷ء سے قبل کی ایک صدی اور بعد کی ایک صدی یعنی سنہ ۱۹۴۷ء تک کی پوری علمی تاریخ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں۔

پوری کتاب میں بظاہر کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس پر گرفت کی جائے، البتہ بعض جگہ کی عبارت کو آئندہ اڈیشن میں تصحیح کر لی جائے تو بہتر ہے، مثلاً ص۴۶ میں ہے، "باہمی تعاون مدنیت کی روح رواں ہیں" ہیں کی جگہ "ہے" ہونا چاہیے۔ ص۱۰۵ میں "رام چندر کی صحافت پیشہ ورانہ نہ ہو کر اصلاحی تھا" تھا کی جگہ تھی ہونا چاہیے ص۱۰۹ میں "ذکاء اللہ نے بھی ...... کالج میں داخل ہوئے" یہاں نے زائد ہو گیا ہے۔ ص۱۲۳ میں "مورخین نے اسے صرف فوجی بغاوت کہا ہے جو صرف فوج تک محدود تھا" تھا کی جگہ تھی لکھنا تھا، ص۱۲۹ میں ہے، لاکھوں مسلمانوں کو تختہ دار پر لٹکایا گیا، شاید تعداد بتلانے میں مبالغہ ہو گیا ہے۔ ص۲۱۴ میں ہے، "تاریخ گواہ ہے کہ سائنس اور تکنیکی علوم ہی وہ بڑا اور مؤثر ہتھیار تھا جس کو لیکر" "بڑے اور مؤثر ہتھیار تھے جن کو لیکر" صحیح عبارت ہوگی، ص۲۲۳ میں سرسید اور رام چندر کے دوستانہ مراسم کو ثابت کرنے کی جو دلیل دی ہے وہ تام نہیں ہے، کسی کی صحافتی سرگرمیوں سے واقف ہونا دوستانہ مراسم کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

ان چند چھوٹی چھوٹی فروگزاشتوں سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو کتاب

بقیہ ص۵ پر

محمد ابوبکر غازی پوری

اعیان العباد
یعنی
اللہ والے
مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ

الامام الحافظ، ابوسلمہ مسعر بن کدام کوفہ کے بلند پایہ محدث اور فقیہ تھے۔ ان کے شاگردوں میں سفیان بن عیینہ، یحیٰی القطان محمد بن بشر یحیٰی بن آدم اور ابونعیم جیسے ائمہ حدیث ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم کے اساتذہ حدیث ان کے شاگرد تھے، احادیث کے ضبط و اتقان میں درجہ بلند کے مالک تھے، حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ مسعر بن کدام اس درجہ حدیث کو پختگی سے ضبط کرنے والے تھے کہ ہم نے ان کا نام "مصحف" رکھ رکھا تھا علو اسناد اور حفظ و اتقان میں ان کا درجہ سفیان ثوری (جن کو امیرالمومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے) سے بھی بڑھا ہوا تھا، ان کے سوا ایسے اساتذہ تھے جن سے سفیان کو شرف سماع حاصل نہیں ہوسکا تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہ سے انھوں نے حدیث و فقہ کا علم حاصل کیا تھا، ان کا شمار حضرت امام اعظم کے مشہور تلامذہ میں سے ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مسعر کو امام ابوحنیفہ کے حلقہ میں دیکھا کہ وہ امام کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان سے فقہ و حدیث کے بارے میں سوال کر رہے ہیں اور مسائل سمجھ رہے ہیں، خود حضرت مسعر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

میں امام ابوحنیفہ کی مسجد میں ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ صبح سے ظہر تک اور ظہر سے عصر تک پھر عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک تعلیم کو جاری رکھے ہوئے ہیں، پھر جب لوگ چلے گئے تو نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور صبح تک نماز میں لگے رہے تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں ان کی صحبت میں اس وقت تک رہوں گا جب تک ان کا یا میرا ہی انتقال ہو جائے۔ پھر میں نے حضرت امام ابوحنیفہ کی مسجد میں ان کے درس میں برابر شریک رہا۔

حضرت مسعر امام اعظم کے بارے میں فرماتے تھے کہ جو آدمی امام ابوحنیفہ کو اپنے درمیان اور اپنے رب کے درمیان رکھے گا مجھے امید ہے کہ وہ شریعت کے خلاف نہیں چلے گا اور نہ اس سے احتیاط میں کمی واقع ہوگی۔

حضرت مسعر بن کدام کی شان میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا ایک شعر یہ ہے۔

من کان ملتمسا جلیساً صالحاً

فلیات حلقة مسعر بن کدام

جس کو اچھے ہم نشین کی تلاش ہو وہ مسعر بن کدام کے حلقہ صحبت میں جائے۔

قاسم بن معن بن عبد الرحمن المسعودی رحمۃ اللہ علیہ

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ الامام العلامہ قاضی کوفہ تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاندان اور ان کی اولاد میں سے تھے، اجلہ محدثین نے ان سے حدیث روایت کی ہیں، جاہ و مال سے بے نیاز تھے، قضاء کا کام بلا تنخواہ انجام دیتے تھے، کثرت سے روایت کرنے والوں میں سے ان کا شمار ہوتا ہے، عربیت فقہ کے بڑے جانکار تھے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ کے ان علماء میں سے تھے کہ ان کے زمانہ میں کوفہ میں ان کی نظیر نہیں تھی، مذہبًا حنفی تھے، حضرت امام اعظم کے حلقہ درس میں بیٹھا کرتے تھے، عربیت لغت اور فقہ و حدیث کے عالم تھے، زہاد اور ثقات علماء میں سے تھے، امام نسائی نے بھی انکو امام ابوحنیفہ کے ثقات شاگردوں شمار کیا ہے، ابن ابی عمران کہتے تھے کہ قاسم بن معن فقہ میں امام تھے اور یہ اجلہ اصحاب ابی حنیفہ میں سے تھے، قاسم بن معن سے کسی نے پوچھا کہ آپ عربیت میں بھی امام ہیں اور فقہ میں بھی امام ہیں، ان دونوں میں سے کس کا علم آپ کو زیادہ ہے؟ تو فرمایا کہ خدا کی قسم امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر تمام عربیت سے بڑھ کر ہے۔

مولانا محمد انوار احمد اکاڑوی
پاکستان

قربانی کے دو مسئلے

جمہور امت وائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل اور محدثین کا تواتر سے یہ عمل چلا آرہا تھا کہ قربانی کا اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرے گا، اگر دس آدمی شریک ہوگئے تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔

انگریز کے دور میں ایک فرقہ غیر مقلدین بنام "اہلحدیث" وجود میں آیا جنھوں نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول "کا نعرہ لگا کر پوری امت میں اختلاف وانتشار کی فضا پیدا کردی، اور بہت سارے جو امت کے اتفاقی مسائل تھے اختلاف کر کے شاذ اور متروک روایات کو لے کر فتوے دیدیئے، ان اتفاقی مسائل میں سے ایک مسئلہ قربانی کے اونٹ میں سات حصوں کا بھی ہے اس مسئلہ میں اختلاف کر کے قربانی کے اونٹ میں دس حصوں کا فتویٰ دیا، ان حضرات کا مبلغ علم یہ ہے کہ شاذ اور متروک روایات جمع کر کے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جمہور امت کی روایات صحیحہ کی مخالفت کرتے ہیں، ان میں سے چند شاذ اور متروک روایات جن کو وہ قربانی کے اونٹ کے دس حصوں میں استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) عن ابن عباسؓ قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ سفر میں تھے، عید کا دن آگیا پس ہم اونٹ میں دس آدمی اور گائے میں سات آدمی شریک ہوئے۔

جواب (۱) اس حدیث میں سفر کا واقعہ ہے اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہوتی تو اس اشتراک سے مراد یہ ہے کہ کھانے کے اعتبار سے دس آدمی شریک تھے، یہ مطلب نہیں کہ دس آدمیوں نے ایک اونٹ کو ذبح کیا۔

جواب (۲) یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیوں کہ مسلم شریف کی حدیث حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سات آدمی اونٹ میں شریک ہوں، یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی ہے لہذا مسلم کی حدیث ابن عباس کیلئے ناسخ ہے۔

(۲) عن رافع بن خديج قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجعل فى قسم الغنائم عشرا من الشاء ببعير۔ (نسائی)

حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم کی تقسیم میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر ٹھہرایا۔

جواب ۔ یہ حدیث مالِ غنیمت کے تقسیم کے بارے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بکریوں کی قیمت کو ایک اونٹ کی قیمت کے برابر قرار دیا۔ اس حدیث سے قربانی کے اونٹ میں دس حصوں پر استدلال کرنا انتہائی کم علمی اور کم فہمی کی دلیل ہے۔

(۳) عن جابرؓ قال نحرنا يوم الحديبية سبعين بدنة، البدنة عن عشرة۔ (مستدرک حاکم ص ۲۳۰ ج ۴)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ کے دن ستر اونٹ ذبح کئے ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے۔

جواب ۔ علامہ ذہبی تلخیص مستدرک میں فرماتے ہیں کہ ابن جریج، مالک اور زہیر نے "ابوالزبیر" سے اونٹ میں سات حصوں کی روایت نقل کرتے ہیں صرف سفیان ابوالزبیر سے سات حصوں والی روایت کی بھی منقول ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

شیخ جمن کو چار بیوی کے ہوتے ہوئے پانچویں کی تلاش

ایک وقت میں چار بیوی سے زیادہ رکھنا جائز ہے۔

شیخ جمن کا دعویٰ

بیٹا۔ ابا جی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ ابا جی کچھ سنا آپ نے، شیخ جمن حفظہ اللہ اب پانچواں نکاح کرنے جا رہے ہیں محلہ میں ان کا چرچا زوروں پر ہے۔

باپ۔ بیٹا شیخ جمن حفظہ اللہ تو ہماری جماعت اہلحدیث کے بڑے عالم ہیں، جامعہ سلفیہ سے فارغ ہیں، علامہ بقراط حفظہ اللہ سے بخاری شریف پڑھی ہے، انکو علامہ سقراط سے سند اجازت حاصل ہے، وہ بہت دنوں تک علامہ محروم من العین نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ریاض میں رہے ہیں، ان کا علم بہت پختہ ہے، حدیث و قرآن کے تو گویا حافظ ہیں، ان کو یہ تو معلوم ہوگا کہ ایک وقت میں چار بیوی سے زیادہ رکھنا ہماری شریعت میں حرام ہے۔

بیٹا۔ ابا جی ہمارے جن عالموں نے ایک وقت میں چار بیوی سے زیادہ رکھنے کو منع کیا ہے

انھوں نے قرآن و حدیث کا صحیح ڈھنگ سے مطالعہ نہیں کیا ہے، شیخ جمن حفظہ اللہ لوگوں کو یہی بتلا رہے ہیں۔

باپ۔ بیٹا، قرآن میں صاف مذکور ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع، فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ یعنی اگر تم بیویوں کے درمیان عدل کر سکتے ہو تو دو سے تین سے اور چار سے نکاح کر سکتے ہو۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ نے شیخ جمن حفظہ اللہ کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی تھی تو شیخ جمن نے ہنس کر ان کو چانٹا رسید کیا اور کہا سلمہ تم نے اس آیت کا غلط مطلب سمجھا ہے۔

باپ۔ بیٹا تو اس آیت کا صحیح مطلب انھوں نے کیا بتلایا؟

بیٹا۔ انھوں نے کہا کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ ایک عقد میں دو سے بھی نکاح کر سکتے ہو، تین سے بھی کر سکتے ہو، چار سے بھی کر سکتے ہو، یعنی عقد واحد میں ایک عورت ہی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایک ساتھ متعدد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔

باپ۔ بیٹا۔ آیت شریفہ کا یہ مطلب یہ شیخ جمن کا اجتہاد ہے یا انھوں نے کسی کی تقلید میں یہ مطلب بیان کیا ہے؟

بیٹا۔ اباجی، ہمارے شیخ جمن حفظہ اللہ بڑے عالم تو ضرور ہیں مگر ابھی ان میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خود اجتہاد کریں، بلکہ یہ بات انھوں نے نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں کہی ہے۔

باپ۔ کیا آیت کا یہ مطلب نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بیان کیا ہے؟

بیٹا۔ جی اباجی، وہ اپنی کتاب ظفر اللاضی بما یجب فی قضاء القاضی کے ص۱۴۱ میں

لکھتے ہیں۔

فقولہ تعالیٰ مثنیٰ وثلاث ورباع یستفاد منہ جواز نکاح النساء اثنین اثنتین وثلاثا وثلاثا واربعًا واربعًا، والمراد جواز تزوج کل دفعۃ من ھذہ الدفعات فی وقت من الاوقات ولیس فی ھذا النص منع لمقدار عددھن بل یستفاد من الصیغ الکثرۃ من غیر تعیین۔

یعنی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی وقت ایک ساتھ ایک عقد میں دو دو تین تین چار چار عورتوں سے شادی کیجا سکتی ہے، اس میں عورتوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے کہ چار سے زیادہ سے شادی نہیں کیجا سکتی، بلکہ اس آیت سے تو بلا تحدید کثرت نکاح کا پتہ چلتا ہے۔

اور ان کے صاحبزادہ کی کتاب عرف الجادی میں ہے۔ کہ

عربوں اور ائمہ لغت کے محاورہ میں قرآن کا یہ بیان اس سے متعلق ہے کہ ایک دفعہ میں دو تین اور چار عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے، عورتوں کی تعداد کا بیان نہیں کہ ایک وقت میں چار بیوی سے زیادہ رکھنا حرام ہے۔ ص۱۱

باپ۔ بیٹا۔ اس بارے میں تو متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام کو جن کے نکاح میں ایک ہی وقت میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں چار کے رکھنے اور باقی کو طلاق دینے کا حکم کیا تھا۔

بیٹا۔ اباجی شیخ جمن حفظہ اللہ نے ان تمام احادیث کو ضعیف بتلایا ہے اور کہا کہ ہمارے علماء ان احادیث کو نہیں مانتے ہیں۔

باپ۔ مگر امت کے بقیہ محدثین فقہاء علماء تو ان احادیث کو اجماعًا قبول کرتے ہیں، کسی ایک محدث نے کسی ایک فقیہ نے ایک وقت میں چار سے زیادہ بیوی رکھنے کو جائز نہیں رکھا ہے۔

بیٹا ۔ ابا جی، اس بحث کو چھوڑ یئے، یہ بتلائیے کہ ہمارے لوگوں کو ہمیشہ دور ہی کی کوڑی کیوں سوجھتی ہے، یہ عدم تقلید کا ثمرہ ہے کیا؟

باپ ۔ پتہ نہیں بیٹا ۔

شیخ کلو حفظہ اللہ کی قوالی
"ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ"

بیٹا ۔ ابا جی

باپ ۔ جی بیٹا

بیٹا ۔ ابا جی شیخ کلو حفظہ اللہ کی زبان پر آجکل یہ شعر بہت ہوتا ہے ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

باپ ۔ ہاں بیٹا، خاص طور پر جب وہ شیخ جمن حفظہ اللہ کو دیکھتے ہیں تو یہ شعر ضرور پڑھتے ہیں، کل ہی شیخ جمن حفظہ اللہ آئے تھے اور شیخ کلو حفظہ اللہ کی شکایت کر رہے تھے، ان کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے ۔

بیٹا ۔ ابا جی میں کئی روز سے دیکھ رہا ہوں کہ شیخ کلو حفظہ اللہ شیخ جمن حفظہ اللہ کے درس حدیث میں بھی نہیں آتے ہیں، نہ ان کے حقہ والی مجلس میں شریک ہوتے ہیں ۔

باپ ۔ بیٹا میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں کوئی مولوی دیوبند کا پڑھا عبید اللہ نامی آیا ہے شہر کے بوڑھے جوان اس کے درس قرآن میں شریک ہونے لگے ہیں، شیخ کلو حفظہ اللہ بھی اسی کے درس قرآن میں جاتے ہوں گے ۔

بیٹا ۔ ابا جی مجھ سے شیخ بدرالزماں حفظہ اللہ کہہ رہے تھے کہ شیخ کلو حفظہ اللہ کی مذہب اہلحدیث سے وابستگی ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے ۔

باپ ۔ بیٹا، اس میں کچھ قصور ہمارے لوگوں کا بھی ہے، شیخ کلو حفظہ اللہ کو شکایت ہے،

کہ ایک طرف ہماری جماعت کے لوگ بڑے زور و شور سے دعوی کرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ مذہب اہلحدیث والے تمام صحیح حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، ہر صحیح حدیث کو اپنا مذہب بناتے ہیں لیکن اصل صورت حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی حدیث اگرچہ وہ بخاری و مسلم ہی کی کیوں نہ ہو پیش کی جاتی ہے جو مذہب اہلحدیث کے خلاف ہو تو اس کو بڑی بے دردی سے رد کر دیتے ہیں، شیخ کلو کو اہلحدیث مذہب سے ہماری جماعت کے اسی طرز عمل نے بدگمان کیا ہے اور ان کا یہ شعر گنگنانا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

بیٹا۔ ابا جی ذرا اس شعر کا مطلب بیان کر دیں۔

باپ۔ بیٹا، ستاروں کو دیکھو وہ کتنے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ایک ستارہ زمین سے بھی بڑا ہے، یعنی ان کی حقیقت کچھ اور ہے اور ظاہر کچھ اور ہوتے ہیں، گویا ان ستاروں کا حال جادو تماشا دکھانے والے کا ہوتا ہے کہ تماشا دکھانے والے بھی اپنے جادو سے اصل کو کچھ کا کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ تو شیخ کلو حفظہ اللہ کے اس شعر کو پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے مذہب اہلحدیث والوں کی بھی حقیقت کچھ اور ہے اور ظاہر وہ کچھ اور کرتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صرف اپنے مطلب ہی کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا سر ہر صحیح حدیث کے سامنے جھکا ہوا ہے، اور ان کا عمل ساری صحیح حدیثوں پر ہے۔

بیٹا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تماشا گروں کی طرح مذہب اہلحدیث والے بھی دھوکا دیتے ہیں۔

باپ۔ شیخ کلو حفظہ اللہ کو شکایت تو یہی ہے۔

بیٹا۔ تو کیا شیخ کلو حفظہ اللہ مذہب اہلحدیث سے سرکتے سرکتے پوری طرح سرک جائیں گے؟

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

مکتبہ اثریہ غازی پور سے شائع ہونیوالا دوماہی دینی و علمی مجلہ

جلد ۱۲

شمارہ ۶

ذیقعدہ — ذی الحجہ

۱۴۳۰ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ —— ۸۰/ روپے

پاکستان کیلئے

پاکستانی دو سو روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلادیش کے علاوہ

غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل واڑہ سید غازی پور یوپی

پن کوڈ 233001

موبائیل نمبر 9453497685

فہرستِ مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

زمزم کا قارئین زمزم کو آخری سلام

زمزم کا یہ شمارہ جلد نمبر ۱۲ کا آخری شمارہ ہے، یعنی اس شمارہ پر زمزم نے اپنے بارہ سال پورے کیے، اس بارہ سال کی طویل مدت میں زمزم کن حالات سے دوچار رہا، اس کا تذکرہ کبھی کبھی قارئین زمزم کے سامنے بھی آتا رہا، مگر ان حالات میں بھی زمزم کا سفر جاری رہا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس بارہ سال میں محض توفیق خداوندی اور اکابر دیوبند کی روحانی توجہات سے زمزم نے غیر مقلدیت کے قلعہ کو مسمار کر دیا ہے۔ زمزم کے مضامین نے غیر مقلدیت کے علمبرداروں کو مایوس کر دیا ہے، دلائل کی روشنی میں اب غیر مقلدین بات کرنے کی سکت کھو چکے ہیں، ہاں البتہ شرارتوں کا کوئی علاج نہیں ہے، اور جن کی فطرت میں صرف فساد اور افساد ہو، ان کا مقابلہ کرنے کی ہمارے اندر ہمت نہیں، غیر مقلدین کے تقریباً تمام مشہور اعتراضات کا جواب زمزم میں آچکا ہے، غیر مقلدین سے ان جوابات کا جواب نہ بن پڑا ہے اور نہ انشاء اللہ بن پڑے گا، البتہ گالی گلوج سے اپنا حوصلہ وہ نکالیں تو الگ بات ہے، مگر دلائل کی روشنی میں وہ بات نہیں کر سکتے۔

اب اگر غیر مقلدین ایک ہی بات کو بار بار اچھالیں جس کا جواب زمزم دے چکا ہے تو ہم اس کو ان کی شرارت یا حماقت سمجھتے ہیں، اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ گروہ ہے جو اپنی اس شرارت سے باز نہیں آئے گا نہ اس سے یہ حماقت جائے گی۔ اس لئے ہم اس کی طرف کوئی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

عرض کیا جا چکا ہے ۔ زمزم نے بڑے مشکل حالات میں یہ بارہ سال پورے کئے مگر اب زمزم اس قدر مالی اعتبار سے گراں بار ہو چکا ہے کہ اب مزید کا ہمیں تحمل نہیں، بقایاجات کے وصول نہ ہونے سے زمزم بڑے خسارہ میں رہا، اس لئے اب فیصلہ ہوا ہے کہ سر دست زمزم کو بند کر دیا جائے ۔ اسلئے قارئین زمزم کو اب کچھ مدت کیلئے زمزم کے کسی اور شمارہ کا انتظار نہ کرنا چاہیئے، جب زمزم کے حالات سدھریں گے تو دیکھا جائے گا، حالات سدھریں گے تو زمزم کو دوبارہ جاری کیا جا سکتا ہے ۔

آخر میں ہم زمزم کا آخری سلام پہونچاتے ہوئے ان تمام بزرگوں دوستوں محسنوں اور زمزم کے عام قارئین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی دلچسپیوں اور مدد اور دعاؤں سے زمزم نے بارہ سال کی اس طویل مدت کو طے کیا، پھر اگر اللہ نے ہمارے قلم میں اخلاص کی دولت رکھی رہی ہوگی اور مقصود حق کا دفاع رہا ہوگا تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ اس حقیر فقیر بندہ کو اجر و ثواب اور اپنے فضل سے محروم نہیں رکھے گا، اور اگر خدانخواستہ نیت خراب رہی اور اپنے علم کا دکھاوا مقصود رہا، اور لوگوں سے واہ واہی مراد رہی تو ہم اللہ سے استغفار اور توبہ کرتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں اعتراف جرم کرتے ہوئے اس ذاتِ کریم سے عفو اور مغفرت کے طلبگار ہیں ۔

محمد ابوبکر غازیپوری

۴ر شوال المکرم ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۴ر ستمبر ۲۰۰۹ء

نوٹ

زمزم کے خریداروں میں سے کچھ ایسے ضرور ہوں گے جن کا کچھ پیسہ ادارہ زمزم کے ذمہ رہ رہا ہوگا۔

ہم ان تمام خریداروں سے اللہ کا واسطہ دیکر عرض کرتے ہیں کہ اپنی باقی رقم کی اطلاع ادارہ کو ضرور کر دیں اور ہم سے بقایا وصول کرلیں۔ خریداروں کا بقایا ادا کرنے کی بہترین شکل یہ ہوگی کہ ہم ادارہ مکتبہ اثریہ سے شائع ہونے والے رسائل اور کتابوں سے اسکی ادائیگی کریں گے اور اگر مطالبہ کرنیوالے چاہیں گے تو انکی باقی رقم نقد کی شکل میں ادا کردینگے، زمزم کے کچھ شمارے ہونگے ان کے ذریعہ سے بھی ادائیگی ہو سکتی ہے، ان تینوں شکلوں میں سے جو چاہیں وہ پسند کرلیں، ہم ہر طرح سے راضی ہیں، ہم حساب برابر کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ آخرت کے حساب سے ہم بری رہیں ۔

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

نبوی ہدایات

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. تم اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، تمہارے لڑکے تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔

ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اوران کے ساتھ محبت سے پیش آنا، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اوران کے ساتھ نرم گفتگو کرنا، یہ اولاد کا فریضہ ہے، قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید ہے، اس کی برکتیں بے انتہا ہیں، اس حدیث پاک میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیک عمل کی ایک برکت کا ذکر کیا ہے کہ اگر تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کروگے تو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گی۔

عام طور پر اس کا ہمیں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ جن ماں باپ کی اولاد اپنے والدین کا خیال رکھتی ہیں ان کی اولاد کا معاملہ بھی ان کے ساتھ بہتر سلوک اور احسان کا ہوتا ہے، اور والدین کو ایذا اور تکلیف پہونچانے والی اولادوں کا حشر ان کی اولادوں کے ہاتھوں بُرا ہوتا ہے۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. عفوا عن النساء تعف نساءکم، یعنی تم دوسروں کی عورتوں سے اپنے دامن کو پاک صاف رکھو تمہاری عورتیں بھی پاک صاف رہیں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم دوسروں کی عورتوں پر بری نگاہ نہیں ڈالوگے انکی عزت وآبرو کا خیال رکھوگے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری عورتوں کو بھی پاک دامن رکھیں گے۔

اور دوسرے کے ہاتھوں ان کی آبرو وعزت پامال نہ ہوگی، اور اگر تم نے دوسروں کی عورتوں سے کھلواڑ کیا اور ان کی عزت و آبرو کا خیال نہ رکھا تو سزا کے طور پر تمہاری عورتوں کی عزت بھی دوسروں کے ہاتھوں پامال ہوتی رہے گی۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے بُرا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا انتہائی درجہ کی دنائت ہے، ہر مسلمان کا اکرام اور اس کی عزت کا خیال رکھنا واجب ہے، ایمان اور اسلام کی دولت کے بعد ہر آدمی کی قیمت اللہ کی نگاہ میں بہت بڑھ جاتی ہے، تو جو اللہ کے یہاں باقیمت اور باعزت ہوگیا ہو اس کو بے قیمت سمجھنا اور حقارت کی نگاہ سے اس کو دیکھنا کتنے بڑے گناہ کی بات ہے۔ عام طور پر یہ شیوہ متکبروں کا ہوتا ہے، جن کو اپنے مال، اپنے حسن وجمال یا اپنے منصب وجاہ پر گھمنڈ ہوتا ہے، ایسے ہی لوگ اپنے سے کم حیثیت لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ایسے لوگ بڑے لوگ ہیں، اور ان کے بُرے ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے۔

(۴) حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی یہ دعا کرے یہی اس کیلئے کافی ہے۔ اللّٰھم اغفرلی، وارحمنی، وادخلنی الجنۃ۔ یعنی اے اللہ تو میری مغفرت فرمادے، اور تو میرے اوپر رحم فرما اور تو مجھ کو جنت میں داخل کردے۔

دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی بہت زیادہ لمبی چوڑی دعا نہ کرے، خصوصاً مجمع میں تو دعا میں اختصار اور بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے بیچ لمبی دعا کرنے میں ریا کا اندیشہ ہوتا ہے، قرآن میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ہیں، اور خود اللہ نے اپنے بندوں کو دعا سکھلائی ہے، ان سب دعاؤں میں اختصار ہے، لمبی لمبی دعاؤں کا کہیں ذکر نہیں۔ مثلاً قرآن میں یہ دعا ہے۔ ربنا آتنا فی الدنیا

حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار ۔ اے اللہ تو ہمیں حسنہ دے اور آخرت میں حسنہ دے اور آگ کے عذاب سے ہم کو بچا ۔ یا سورہ فاتحہ میں ہے ۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۔ اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا، ان کا راستہ جن لوگوں پر تو نے انعام کیا ہے، ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کا جو گمراہ لوگ ہیں ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا تھی ۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اگر آپ نے ہماری مغفرت نہیں کی اور ہمارے اوپر رحم نہیں کیا تو البتہ ہم گھاٹے والوں میں سے ہوں گے ۔

حضرت نوح نے دعا کی ۔ رب انی اعوذبك ان أسالك ما لیس لی به علم وان لا تغفر لی وترحمنی اکن من الخاسرین ۔ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے اس کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اگر تو نے میری مغفرت نہیں فرمائی اور میرے اوپر رحم نہیں کیا تو میں گھاٹے والوں میں سے ہو جاؤنگا ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی ۔ رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ، ربنا اغفر لی والدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب اے میرے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد میں سے نماز کو قائم کرنے والا بنا، اے ہمارے پروردگار تو میری مغفرت فرما، اور میرے والدین کی اور ایمان والوں کی قیامت کے دن ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی ۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ لقوم الظالمین ۔ ونجنا برحمتك من القوم الکافرین ۔ اے ہمارے رب ہم کو ظالم قوم کے لئے آزمائش مت بنا اور تو ہمیں اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے ۔

حضرت یونس نے دعا فرمائی ۔ لا الہ الا انت سبحانك انی کنت

من الظالمین ۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا فرمائی ۔ رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ۔ اے میرے پروردگار مجھے تکلیف لاحق ہوئی ہے، اور آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں ۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی ۔ رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء ۔ اے پروردگار تو میرے لئے اپنی طرف سے اچھی اولاد دے، بیشک تو دعا کو سننے والا ہے ۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دعا فرمائی ۔ اللّٰھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدًا لاولنا وآخرنا وآیۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین ۔ اے اللہ، اے ہمارے رب تو آسمان سے ہمارے لئے توشہ نازل فرما، تو ہمارے اول وآخر کے لئے خوشی بنے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور تو ہم کو رزق دے تو بہترین رزق دینے والا ہے ۔

یہ چند انبیاء علیہم السلام کی بعض دعائیں ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں، ان دعاؤں میں آپ غور فرمائیں، یہ دعائیں کتنی مختصر ہیں ۔ احادیث پاک میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں، ان سب کا حال یہی ہے، الفاظ کم اور معانی زیادہ طویل، دعائیں مانگنے کا آپ کا دستور نہیں تھا، اور نہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ طویل دعا کرنے کا تھا، خود قرآن میں طویل دعا کرنے کو اچھا نہیں سمجھا گیا ہے، اور اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے، قرآن میں دعا کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے ۔ ادعوا ربکم تضرعًا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین ۔ یعنی تم اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو، اللہ دعا میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ لمبی لمبی دعائیں مانگنا اور بہت بلند آواز سے دعا مانگنا یہ سب حد سے تجاوز کرنا ہے اور آداب دعا کے خلاف بات ہے ۔

محمد اجمل مفتاحی

صاحبزادہ قاری عبدالباسط
مقیم حال جدہ

نماز تراویح اور اس کی تعداد

حدیث کی ایک کتاب "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۴/۲ روایت ۷۶۹۲ کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

اس روایت میں گرچہ کچھ کلام ہے لیکن صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۲۰ رکعات تراویح کا اہتمام ہوتا تھا، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں۔

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً (الموطا للامام مالک ص ۱۰۵، حدیث ۲۵۴ باب ماجاء فی قیام رمضان، کتاب الصلاۃ فی رمضان)

یزید بن رومان سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ ۲۳ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

۲۳ رکعات سے مراد ۲۰ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر کی نماز ہے، سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر کسی صحابی نے نکیر نہیں فرمائی بلکہ دوسرے خلفاء راشدین کے عہد میں بھی اسی پر عمل رہا ہے، چنانچہ مروی ہے۔

عَنْ اَبِی الْحَسْنَاتِ أَنَّ عَلِیَّ بْنَ أَبِی طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلاً یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔ (کنز العمال حدیث ۲۳۴۷۴ باب صلوٰۃ التراویح، ومصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۶۳ روایت ۷۶۸۱)

ابوالحسنات سے روایت ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحوں کے ساتھ بیس رکعت پڑھائے۔

دوسری روایت ابن ابی شیبہ نے یوں نقل کی ہے۔

عَنْ یَحْیٰ بن سَعِیْدٍ۔ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلاً یُصَلِّی بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً (المصنف ۲/۳۹۳ روایت ۷۶۸۲)۔

یحیٰ بن سعید سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائیں۔

نیز محدث کبیر عبدالرزاق صنعانی نے روایت نقل کی ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ۔ أَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ فِیْ رَمَضَانَ عَلٰی أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَعَلٰی تَمِیْمِ الدَّارِی عَلٰی اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً یَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِیْنَ وَیَنْصَرِفُوْنَ عَنْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ

(مصنف عبدالرزاق ۴/۲۶۰ روایت ۷۷۳۰ واسنادہ صحیح)

سائب بن یزید سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں ۲۱ رکعت تراویح پڑھنے پر جمع کر دیا وہ حضرات سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور فجر کے قریب قریب اس نماز سے فارغ ہوتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے مزید ایک اثر نقل کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ، كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔

(مصنف ۲/۱۶۳، روایت ۷۶۸۴)

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں لوگوں کو ۲۰ رکعت تراویح پڑھاتے، اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

علی بن الجعد نے اپنی تالیف جو مسند کے نام سے مشہور ہے، میں لکھا ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ، كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔ (مسند علی بن الجعد حدیث ۲۹۶۶)

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

بہرحال اس زمانہ میں بیس رکعت ہی تراویح پڑھنے کا معمول تھا اور اسی پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کیا تھا، اس زمانہ میں اکابر و اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے طریقے اور خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرو۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔

(ابن ماجہ حدیث ۴۲ باب اتباع السنۃ الخلفاء الراشدین الھدیین)

تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء الراشدین کی اس متفقہ سنت سے اعراض نہ ہونا چاہئے، آٹھ رکعت تراویح پڑھنے کا حدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے، ہاں

نمازِ تہجد میں آٹھ رکعت کا معمول ثابت ہے ۔ (ملاحظہ ہو بخاری، حدیث ۱۱۴۷، باب قیام النبی باللیل)

چنانچہ ائمۂ اربعہ بیس رکعت تراویح پر متفق ہیں اور سلف صالحین کا عمل بیس رکعت تراویح پڑھنے کا رہا ہے، سیدنا عطاء (بن رباح) رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ۔

قَالَ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۳/۲: روایت ۷۶۸۸)

عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر کی تین رکعت کے ساتھ بیس رکعات تراویح (کل ۲۳ رکعت) پڑھتے ہوئے پایا ۔

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے ۔

عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۳/۲ روایت ۷۶۸۳)

نافع بن عمر کہتے ہیں کہ رمضان میں ابن ابی ملیکہ ہمیں بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھایا کرتے تھے ۔

علی بن ربیعہ کے بارے میں مذکور ہے ۔

كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۳/۲، روایت: ۷۶۹۰)

وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو پانچ ترویحات (ہر چار رکعت پر کچھ دیر آرام) کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھائی اور پھر تین رکعت وتر بھی پڑھائی ۔

اسی طرح کا اثر "ابوالبختری" رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے (حوالہ سابق) علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو، تقریر ترمذی ۲۰ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ)

اور علامہ ابن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

وَأَمَّا أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فَعَلَى عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُرْوَى ذٰلِكَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَصْحَابِ الرَّأْيِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهٰكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (شرح السنہ ۴/۱۲۳ باب قیام رمضان وفضلہ، حدیث ۹۹۰ کے تحت)

بہرحال اکثر اہل علم کی رائے بیس رکعت کی ہے، اسی طرح سیدنا عمر وعلی رضی اللہ عنہما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور یہی قول سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، شافعی اور اصحاب الرائے (احناف) کا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا۔

بڑے پایہ کے حنبلی عالم فقیہ ابن قدامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ (أَحْمَدَ) رحمہ اللہ فِيْهَا (يعني صلاة التراويح) عِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَبِهٰذَا قَالَ الثَّوْرِيُّ، وَأَبُوْحَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ ..... وَلَنَا أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ لَمَّا جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (المغنی ۲/۶۰۴ فصل والمختار عند ابی عبداللہ مسئلہ ۲۴۷ قیام شہر رمضان عشرون رکعۃ)

ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں یعنی تراویح کی نماز میں بیس رکعت پڑھنا ہی مختار وپسندیدہ ہے۔ اور اسی کے قائل امام ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ ... اور ہماری (حنابلہ کے قول کی) دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کیلئے جمع فرمایا تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

فَإِنَّهُ قَدْ ثَبَتَ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ يَقُومُ بِالنَّاسِ عِشْرِينَ رَكْعَةً فِي قِيَامِ رَمَضَانَ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ فَرَأَى كَثِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ ذٰلِكَ سُنَّةٌ لِأَنَّهُ أَقَامَهُ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ مُنْكِرٌ (مجموع الفتاوی ۲۳/۵۶ المجلد الرابع عشر، تنازع العلماء فی مقدار القیام فی رمضان)

یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت اور وتر کی تین رکعت پڑھایا کرتے تھے، اسی وجہ سے بہت سے اہل علم نے اسے (۲۰ رکعات تراویح کو) سنت قرار دیا ہے، اسلئے کہ انھوں نے ایسا عمل مہاجرین وانصار صحابہ کی موجودگی میں انجام دیا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

الشیخ محمد بن ابراهیم بن عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ
سابق مفتی عام سعودی عرب

زمانۂ قریب کی معروف ومشہور اور مقبول ترین شخصیت شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی عام مملکت سعودی عربیہ سے پہلے ان کے محترم استاذ سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۱ — ۱۳۸۹ھ) مملکت سعودی عربیہ کے مفتی عام اور سپریم کورٹ کے صدر جج تھے، نماز تراویح کے بارے میں انکی رائے بھی بیس رکعت کی تھی، چنانچہ محمد بن سعد الشویعر شیخ موصوف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وكان الشيخ لا يرى غير ما عليه الجمهور والمعمول به وهو عشرون ركعة والوتر ثم اورد حادثة حصلت للشيخ ابراهيم بن عبد الله بن عتيق الذى كان قاضيا فى الشمال، فصلى التراويح احدى عشرة ركعة فجاءه برقية من الشيخ محمد (بن ابراهيم بن عبد اللطيف)

بأن يصلي كما يصلي الناس فعاد وصلى عشرين ركعة كما امر سماحته ۔
(مجلة البحوث الاسلامية ص ۴۴ شماره نمبر ۵۱ ربيع الاول ۔ جمادى الآخر
۱۴۱۸ھ تصدرھذه المجلة عن رياسة ادارة البحوث العلمية والافتاء
الرياض)

جمہور اہل علم کی جو رائے تھی اور جس پر جمہور کا عمل تھا، اس سے ہٹ کر شیخ کی رائے نہیں تھی، یعنی شیخ بھی ۲۰ رکعات تراویح اور وتر کے قائل و عامل تھے پھر ایک واقعہ شیخ ابراہیم بن عبداللہ بن عتیق جو کہ شمالی علاقہ کے جج تھے، کے ساتھ پیش آیا وہ یہ کہ انھوں نے گیارہ رکعت تراویح پڑھادی تو شیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف (جو کہ اس وقت مملکت کے مفتی عام تھے) کی طرف سے ان کے پاس تار بھیجا کہ وہ تراویح کی نماز اسی طرح اور اسی تعداد میں پڑھیں جس طرح اور جس تعداد میں لوگ پڑھتے چلے آرہے ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنی رائے اور عمل سے رجوع کیا اور سماحۃ الشیخ کے حکم کے مطابق ۲۰ رکعت تراویح پڑھی۔ (اور پڑھائی)

ابھی ہم نے علامہ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا کہ انھوں نے سعودی عرب کے شمالی علاقوں کے قاضی کو تار بھیجا کہ بیس رکعت تراویح ہی پڑھاؤ، یاد رہے کہ علامہ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، خود شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقد لازمت حلقاته نحوا من عشر سنوات وتلقيت عنه
جميع العلوم الشرعية (احكام الجمعة والجماعة للشيخ بن باز ص ۶)
میں نے دس سال تک ان (شیخ محمد بن ابراہیم) کے دروس میں شرکت کی اور میں نے تمام شرعی علوم ان سے سیکھے۔

نجد اور ریاض کے علاقوں میں شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی عام بننے سے پہلے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا عام معمول تھا، چنانچہ ایک محمد بن سعد الشویعر

لکھتے ہیں :

کما أن الشیخ عبد العزیز بن باز طبق عملیا صلاۃ التراویح احدی عشرۃ رکعۃ فی جامع الریاض وھذا کان مخالفا لما علیہ مساجد الریاض عموما (مجلہ البحوث الاسلامیۃ ص ۳۲۳ شمارہ ۵۱ ربیع الاول۔ جمادی الآخرۃ ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ عبد العزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض کی جامع مسجد میں عملی طور پر گیارہ رکعت تراویح کو نافذ العمل کر دیا حالانکہ یہ عمل ریاض کی عام مساجد کے معمول کیخلاف تھا۔

فضیلت الشیخ الدکتور محمد بن سعد الشویعر کی اس تحریر نے بتایا کہ ریاض اور گرد و نواح کے علاقوں میں صدیوں سے تمام مسلمان مستقل بیس رکعت تراویح پڑھتے چلے آرہے تھے حتی کہ شیخ، مجدد، محمد بن عبد الوہاب اور ان کی اولاد (رحمۃ اللہ علیہم) کے زمانوں میں بھی بیس رکعت تراویح ہی کا معمول تھا، لیکن شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے اس تواتر والے معمول کو تبدیل کیا اور پہلی بار عملی طور پر بیس رکعت کے بجائے گیارہ رکعت تراویح کو عام کیا۔

الشیخ احمد بن عبد العزیز الحمدان حفظہ اللہ
مدیر مرکز الدعوۃ والارشاد، جدہ

سعودی عرب کے ایک نامور عالم دین، شیخ و مفتی علامہ، الشیخ احمد بن عبد العزیز الحمدان، مدیر مرکز الدعوۃ والارشاد، جدہ، نے ایک مختصر سا کتابچہ اور بڑا چارٹ (chart) تحریر فرمایا ہے، جس کا نام "المصابیح فی صلوٰۃ التراویح" ہے، فضیلۃ الشیخ احمد الحمدان نے اس کتابچہ میں تراویح کے بارے میں عناوین قائم فرمائے ہیں (۱) صلوٰۃ التراویح عبر التاریخ (۲) عدد رکعات صلاۃ التراویح (۳) اور تیسرا اہم عنوان ہے: مما جاء عن الصحابۃ والتابعین، اس باب میں لکھا ہے۔

عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ أن عمر رضی اللہ عنہ

جمع الناس فی رمضان علی أبی بن کعب وعلی تمیم الداری علی احدی و عشرین رکعۃ ۔

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو امام بنا کر لوگوں کو اکیس رکعت تراویح و وتر پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

پھر فضیلۃ الشیخ نے ایک دوسری روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ :

وروی عن علی رضی اللہ عنہ أمر رجلا یصلی بالناس فی رمضان عشرین رکعۃ ۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائیں ۔

قال القاضی ابن العربی المالکی رحمہ اللہ لیس فی القیام رکعات مقررۃ والشئ اذا ثبت عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم فلا عبرۃ بمخالفۃ من خالفھم ۔

قاضی ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رمضان کے قیام کیلئے رکعات کی تعداد مقرر نہیں ہے، لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کی مخالفت کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے ۔

شیخ احمد الحمدان حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ کے آخر میں " فتاوی کبار العلماء " بھی نقل کئے ہیں، جن میں ایک فتویٰ یہاں سودی عرب کی اللجنۃ الدائمۃ کا ہے، جس میں لکھا گیا ہے کہ :

لم یحدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعات محددۃ وعمر رضی اللہ عنہ والصحابۃ رضی اللہ عنہم صلوھا فی بعض اللیالی عشرین سوی الوتر وھم أعلم الناس بالسنۃ ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

تراویح کی رکعات کو محدود و مقرر نہیں فرمایا لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض راتوں میں بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں اور یہ لوگ ہی حقیقت میں سنت کو سب سے زیادہ جاننے اور سمجھنے والے تھے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب (رحمۃ اللہ علیہ) کا فتویٰ

سئل الشیخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله عن عدد التراویح، فأجاب: الذی استحب أن تکون عشرون رکعة۔
(الدرر السنیة ۴/۳۶۳)

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے رکعت تراویح کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ بیس رکعت تراویح پڑھنا ہی بہتر (اور سنت کے موافق) ہے۔

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہم کا قول

وقال ابنه الشیخ عبد الله الذی ذکر العلماء رحمه الله أن التراویح عشرون رکعة (الدرر السنیة ۴/۳۶۳)

محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہما کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم نے جو ذکر کیا ہے اس کے مطابق رکعات تراویح کی تعداد بیس ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب معروفی
مدرس دارالعلوم دیوبند

درس حدیث میں دبستان دیوبند کا امتیاز

چاروں فقہی مسلک صدیوں سے مسلم چلے آرہے تھے، ان میں مسائل و دلائل کا اختلاف ہونے کے باوجود کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں تھی کہ فلاں مسلک یا فلاں مکتبۂ فکر طریقۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، بلکہ چاروں مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابعدار جانتے اور سمجھتے تھے، مگر جب ایک نئی جماعت بنام "اہلحدیث" وجود میں آئی اور اس نے شوشہ چھوڑنا شروع کر دیا کہ احناف کا مسلک سنت و حدیث کے مطابق نہیں ہے تو اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ حنفی مسلک مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، اور عین سنت کے مطابق ہے، بزرگوں نے متعدد رسائل لکھے، اور حدیث کے درس کے دوران ان مسائل سے متعلق احادیث میں بہ نسبت دیگر احادیث کے کچھ زیادہ بسط و تفصیل سے کلام کیا جانے لگا شاہ اسحٰق دہلویؒ کے زمانہ ہی سے غیر مقلدیت نے اپنے پیر پھیلانے شروع کر دیئے تھے جس کی نزاکت کو شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے محسوس کیا اور اپنے درس میں اس کی تردید کی جانب زیادہ توجہ دی چنانچہ یہ ذوق آپ کے شاگردان رشید مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا مظہر علی نانوتویؒ کی جانب منتقل ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں مولانا یعقوب نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے اسی طرز پر درس جاری فرمایا حضرت شیخ الہندؒ کا بیان ہے کہ میں شاہ ولی اللہ کی مشکل مسائل کو پڑھ کر جاتا اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے اشکال کرتا تو وہ اس کا جواب بشرح وبسط کے ساتھ دیتے اور مزید مفید

باتیں بھی ارشاد فرماتے، حضرت نانوتوی کو علم کلام میں ید طولیٰ حاصل تھا، اسکے ساتھ فقہ اور حدیث میں آپکا مقام انتہائی بلند تھا، مولانا احمد علی سہارنپوری نے بخاری شریف کا جو بے مثال حاشیہ لکھا ہے اس کے اخیر کے پانچ چھ پاروں کا حاشیہ حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے، ایسی صفائی کے ساتھ پیوندکاری کی ہے کہ کہیں سے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ الگ الگ دو مصنفین کی تصنیف ہے، یہ نسخہ سب سے پہلے ۱۲۷۰ھ میں طبع ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں جامع ترمذی کے درس کو زیادہ اہمیت حاصل رہی کیونکہ امام ترمذی مذاہب فقہاء اور انکے ادلہ کو خود بھی بیان کرتے ہیں اور جن حالات میں درس حدیث کا آغاز ہوا ہے ان کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ مذاہب فقہاء انکے دلائل اور مسلک حنفی کی ترجیح پر زیادہ زور دیا جائے اس کیلئے سنن ترمذی سے زیادہ مناسب کوئی کتاب نہ تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ان کے شاگرد علامہ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (م ۱۳۸۷ھ) کا بھی یہی ذوق تھا اور اسی نہج پر ان حضرات نے اپنے تلامذہ کی تربیت فرمائی۔

بلکہ علامہ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۳ھ) رحمہ اللہ کا درس تو امتیازی شان کا حامل تھا، ۱۳۳۳ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث بنائے گئے، آپ اس طرح کے اختلافی مسائل کو جن میں غیر مقلدین فقہاء احناف کو مطعون کیا کرتے تھے انتہائی بسوط بحث فرماتے تھے، ہر فریق اپنی دلیل میں جس حدیث کو پیش کرتا، یا اس مسلک کے خلاف جس حدیث کو پیش کیا جاسکتا تھا اس پر مفصل گفتگو کرتے، اس کے جملہ متعلقات اور منشأ اختلاف کو بیان کرتے، شراح حدیث کی عبارتوں کو ذکر کرتے، ان کتابوں کی خصوصیات بیان کرتے، اس ضمن میں کسی محدث یا عالم کا ذکر آتا تو اس کے علمی مقام پر روشنی ڈالتے، دیگر علماء کی تحقیقات ذکر کرتے، ان پر تنقید وتبصرہ فرماتے، حوالہ کیلئے ان کے ایک جانب صحاح ستہ مؤطائین اور طحاوی وغیرہ رکھی رہتی تھیں، بوقت ضرورت جو احادیث ان میں مذکور ہوتیں

کتاب کھول کر انھیں پڑھتے، اور طلبہ کو سناتے تھے، الغرض علوم و معارف کا ایک سمندر تھا جو پوری آب و تاب کے ساتھ موجزن تھا۔

درس کے علاوہ تصانیف میں بھی عقیدہ اور مذہب کی خدمت ہی پیش نظر رہتی تھی، علامہ انور شاہ کشمیری کے افادات مثلاً فیض الباری، معارف السنن وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کلامی مسائل پر سیر حاصل بحث ہے، دلائل نقلیہ کے ساتھ عقلی دلائل تشفی بخش حد تک جمع کئے گئے ہیں، فقہی مسائل میں احناف کی مکمل ترجمانی کی گئی ہے، باب میں وارد مختلف احادیث کو سامنے رکھ کر اصول درایت اور اصول روایت پر حدیثوں کو پرکھتے ہوئے ان کے درمیان تطبیق کی کوشش کی گئی یا ترجیحی دلائل کی بنیاد پر ایک کو دوسری پر ترجیح دیا گیا، یا ان میں ناسخ و منسوخ کی نشان دہی کی گئی، یہی نہیں بلکہ "نظر" اور "اثر" دونوں پہلوؤں سے مذہب حنفی کو مبرہن اور مؤید کیا گیا ہے۔ بعض بحثیں اس قدر طویل ہیں کہ وہ مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہیں، مثلاً سماع موتی، قرأت خلف الامام اور رفع یدین وغیرہ بحثیں قابل دید ہیں، بلکہ شاہ صاحب کی کتاب "نیل الفرقدین" رفع یدین کے موضوع پر ایک اچھوتی کتاب ہے۔

اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کی، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، ایک لاجواب شرح ہے شیخ زاہد کوثریؒ نے اس کتاب پر شاندار تبصرہ فرمایا اور تمام عالم کی توجہ اس کتاب کی جانب مبذول کرائی ہے، یہ تبصرہ "مقالات کوثری" کے ضمن میں مطبوع ہے، "فتح الملہم" کا مقدمہ تو اپنی اچھوتی نادر اور مدلل ابحاث کی وجہ سے کتب اصول حدیث منفرد مقام رکھتا ہے، جو الگ سے بھی شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ کی تعلیقات سے غالباً شائع ہو چکا ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور کا بھی یہی مذاق تھا، البتہ وہاں سنن ابی داؤد کا درس دو وجہ سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔

(۱) صحت کے اعتبار سے اس کا مقام جامع ترمذی پر بلند ہے کیونکہ ابو داؤد

ہر باب میں صحیح ترین حدیثوں کے جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں ۔

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ امام ابوداؤد باب میں جتنی حدیثیں قابلِ استدلال پاتے ہیں ان تمام کو جمع فرما دیتے ہیں بلکہ اگر الفاظ اور سندوں میں اختلاف ہوتا ہے تو ہر ایک روایت کو الگ الگ سند سے روایت فرماتے ہیں جس کی وجہ سے طالب علم کے سامنے مختلف روایات ایک ساتھ آجاتی ہیں اور اختلافی مسائل میں محاکمہ کرتے وقت حقیقت کو سمجھنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ) کے نزدیک اور ان کے بعد آج تک وہاں سنن ابوداؤد کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے ۔

مظاہر علوم کے علماء میں بھی درس حدیث کے ساتھ ساتھ تصنیف کا ذوق زیادہ نمایاں نظر آتا ہے ۔ چنانچہ وہاں کتب حدیث کی ایسی ایسی شرحیں تیار ہوئیں جن کو ہر مکتبۂ فکر میں مقبولیت حاصل ہوئی، مولانا خلیل احمدؒ "بذل المجہود" اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی "اوجز المسالک" اور "الابواب والتراجم" کا نام لینا کافی ہوگا۔

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کی وجہ سے اس کو دیوبند اور سہارنپور دونوں جگہ یکساں حیثیت حاصل ہے، شروع میں کتاب کا کچھ حصہ درایۃً پڑھایا جاتا ہے ۔ پھر اکثر حصہ سرداً پڑھا کر کتاب ختم کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے تو عورت کیا کرے

غیر مقلدین اپنے مسلک کی وضاحت کریں اور اس کو قرآن و حدیث سے ثابت کریں

گرامی قدر جناب حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خدمت میں ضروری عرض ہے کہ زمزم میں سوالات کے جوابات بڑے ہی دلچسپ اور تسلی بخش ہوتے ہیں۔ اس وقت جناب والا کی خدمت میں ایک سوال ارسال ہے کہ زوجہ مفقود الخبر کتنا دن انتظار کر کے دوسری شادی کرے گی، ایک غیر مقلد عالم "امام ابوحنیفہ اور اس بارے میں ان کا فتویٰ" یہ عنوان دیکر امام صاحب علیہ الرحمہ اور انکے اس فتویٰ کی خوب توہین کر رہا تھا

اس سلسلہ میں غیر مقلد کے چار سال کا فتویٰ اور اس کے دلائل کی حقیقت اور امام صاحب علیہ الرحمہ کے ۹۰ سال کا فتویٰ دلائل کی روشنی میں اس موضوع پر آپ کی تحریر انشاء اللہ ہم سب کیلئے باعث بصیرت ہوگی۔

زمزم ہی کے کسی شمارہ میں اپنی تحریر شائع فرما کر مشکور فرمائیں۔ فقط

نعیم الدین قاسمی مولانا آزاد سکنڈری سکول

بساؤ جھنجھنو نور

زمزم:۔ آپ نے لکھا ہے ایک غیر مقلد عالم امام صاحب کی اور ان کے فتویٰ کی

نوے سال عورت انتظار کر کے شادی کرے گی بڑی توہین کر رہا تھا، تو عرض یہ ہے کہ غیر مقلدین کی قسمت میں روز ازل سے یہ نحوست لکھی ہے کہ وہ اکابر و اسلاف کی توہین کریں اور اس منحوس و مذموم عمل پر شاداں ہوں، ان کے بڑوں نے یہی کیا اور اب چھوٹے بھی یہی کر رہے ہیں، اس سے امام صاحب علیہ الرحمہ کا تو کچھ نہیں بگڑتا البتہ غیر مقلدین اپنے انجام کی فکر کریں۔

یہ لن ترانیے جاہل محض ہوتے ہیں، مگر بات علاماؤں والی کرتے ہیں، ان سے ذرا آپ پوچھیں کہ امام صاحب کا یہ فتویٰ انھوں نے کس کتاب میں دیکھا ہے؟ امام صاحب علیہ الرحمۃ سے اس بارے میں اس بارے میں کس نے استفتاء کیا تھا کہ امام صاحب نے اس کو یہ فتویٰ دیا۔ امام صاحب سے اگر اس بارے میں نوے سال کی کوئی روایت ہو تو روایت کو فتویٰ بتلانا غیر مقلدین کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

ان غیر مقلدوں کو تو اس کا پتہ ہی نہیں ہے کہ اس بارے میں امام صاحب کا اصل مذہب کیا ہے، اور اس مذہب کی اساس کیا ہے، اگر غیر مقلدین کا اس بارے میں یہ مذہب ہے کہ عورت چار سال انتظار کر کے شادی کرلے تو ذرا اپنی اس بات کو وہ کتاب و سنت سے ثابت کریں۔ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے کہ جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے وہ چار سال تک انتظار کرے اور پھر وہ شادی کرلے۔

آپ ان سے صرف اسی کا مطالبہ کریں، پھر دیکھئے ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کا نام لے کر عوام کو گمراہ کرنے والے یہ لن ترانیے اپنی ساری لن ترانی بھول جائیں گے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابہ کرام کا عمل حجت نہیں، ان کا قول حجت نہیں، یہ صحابہ کرام کی تقلید سے بیزار قوم ہے، خلفائے راشدین کا عمل اور ان کی سنت بھی ان کی نگاہ میں بے حقیقت شئے ہے، تابعین وغیرہم کا اگر وہ نام لیں گے تو خود اپنی قبر کھود دیں گے۔ یہ صرف قرآن و حدیث والے ہیں، بس آپ ان سے قرآن و حدیث سے مفقود الخبر شوہر کے بارے میں ان کے مذہب کی دلیل معلوم کریں اور

جس زور وشور سے وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی توہین کرتے ہیں یا اس بارے میں ان کے مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں، کم از کم اسی زور وشور سے آپ ان سے ان کے چار سال تک انتظار کے بعد عورت کے شادی کر لینے کے جواز کی قرآن وحدیث سے دلیل طلب کریں، اور ان سے یہ بھی پوچھیں کہ اگر شوہر واپس آ گیا تو وہ بیوی کس کی ہوگی پہلے شوہر کی یا اس دوسرے شوہر کی ؟

رہا مفقود الخبر شوہر کی بیوی کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا ائمہ احناف کا مسلک ومذہب تو وہ یہ ہے کہ بیوی کو اس وقت تک دوسری شادی نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ شوہر کی طرف سے یا تو اس کے پاس طلاق دینے کی قطعی خبر نہ آجائے یا یہ نہ معلوم ہوجائے کہ اس کا شوہر وفات پا چکا ہے، خواہ شوہر کے غائب ہونے کی مدت کتنی بھی گزر جائے، بیوی کو صبر کے ساتھ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا انتظار کرنا چاہیئے اس کے بعد ہی وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، شوہر کی گمشدگی کو اپنے لئے وہ ایک آزمائش سمجھے اور اس آزمائش پر وہ صبر کرے ۔

یہ ہے احناف علیہم الرحمۃ کا اس بارے میں اصل مذہب، چونکہ اصل مذہب یہی ہے کہ اگر طلاق کی خبر نہیں آئی ہے تو بیوی شوہر کی موت کے تحقق کے بعد ہی دوسرا نکاح کرسکتی ہے، تو اب لوگوں نے اپنی رائے سے الگ الگ اندازہ لگایا ہے کہ آدمی عام طور پر کتنے روز زندہ رہتا ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی مدت ایک سو بیس سال ہے، بعض لوگوں نے سو سال تک کا اندازہ لگایا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عموماً آدمی نوے سال تک زندہ رہتا ہے، اس سے زیادہ کی زندگی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، اس وجہ سے نوے سال تک کی عمر پہونچنے تک شوہر کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا، مگر یاد رہے کہ یہ صرف حضرت امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے، اور چونکہ یہ اندازہ اقرب الی العقل ہے اور تجربات بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، اس وجہ سے ہدایہ میں یہ لکھ دیا ہے

کہ فتویٰ اسی پر ہے، اور "فتویٰ اسی پر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اب اس کا اس دنیا میں زندہ رہنا موہوم ہے اس لئے اس کو مردہ سمجھ کر اتنی مدت کے بعد عورت کو دوسرے سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی اصل اس باب میں یہی ہے کہ شوہر باحیات ہے کہ نہیں، اگر باحیات ہونے کا پتہ چلتا ہے تو بیوی کو ائمہ احناف کے نزدیک دوسرے نکاح کی اجازت نہیں ہے اگر باحیات نہیں ہے جس کا اندازہ اتنی طویل مدت یعنی نوے سال کی مدت گذر جانے اور اس کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہونے سے لگتا ہے تو یہ سمجھ کر اب شوہر اس دنیا میں نہیں رہا، بیوی کو دوسرے سے نکاح کی اجازت کا فتویٰ دیا گیا، لیکن اب بھی بہتر یہی ہے کہ بیوی دوسرے نکاح سے بچے اور صبر سے کام لے۔

اب اس کو کوئی ظلم سمجھتا ہے تو سمجھا کرے بیوقوفوں نے تو شریعت کی بہت سی باتوں کو ظلم سمجھا ہے، زنا کی سزا ظلم ہے، چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم ہے، قصاص کی سزا ظلم ہے، عورت کو پردہ میں رکھنا ظلم ہے، ان بیوقوفوں کے نزدیک یہ ساری باتیں ظلم ہیں، تو کیا ان مسائل میں شریعت پر عمل نہ کیا جائے؟ اسی طرح بیوی کے اس طویل مدت تک انتظار کو اگر کوئی ظلم سمجھتا ہے تو وہ سمجھا کرے، اس کی وجہ سے شریعت کا حکم تو نہیں بدلا جا سکتا۔ ذرا یہ بتایا جائے کہ ایک شوہر سے نکاح کے بعد بیوی کو کہاں سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے، یا کسی کو کہاں سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس بیوی کا دوسرے سے نکاح کرا دے۔ بیوی کیلئے دوسرا نکاح کرنے کی اس مسئلہ میں دو ہی شکل از روئے کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ہے، یا پہلا شوہر طلاق دے، یا اس کی وفات ہو جائے، یہاں ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات قطعی طور پر نہیں پائی گئی ہے، نہ پہلے شوہر کے طلاق دینے کی خبر ہے، اور نہ اس کے وفات پاجانے کی خبر ہے، تو کسی اور کے لئے وہ بیوی کیسے حلال ہو سکتی ہے؟

اگر غیر مقلدین کہیں کہ امام مالک کا تو یہی مذہب ہے کہ چار سال انتظار کرنے

کے بعد بیوی دوسرا نکاح کرسکتی ہے، تو عرض یہ ہے کہ کیا آپ کا یہ مذہب امام مالک کی تقلید میں ہے، آپ کے یہاں تو تقلید حرام ہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تو یہی منقول ہے، تو عرض یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جو بھی ہو آپ کو صحابہ کے اقوال و افعال سے حجت پکڑنا کہاں جائز ہے، آپ تو صرف قرآن وحدیث والے لوگ ہیں اور آپ کا نعرہ تو یہ ہے کہ "در اقوال صحابہ حجت نیست" یعنی صحابہ کے اقوال سے دلیل پکڑنی جائز نہیں ہے، آپ تو یہ بتلائیں کہ قرآن وحدیث میں اس کا کہاں ذکر ہے کہ مفقود الخبر شوہر کی بیوی چار سال انتظار کرنے کے بعد دوسرے کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اگر آپ میں دم خم ہے تو اپنے مسلک کی دلیل قرآن و حدیث سے پیش کر کے اپنی غیر مقلدیت کی لاج رکھئے۔

رہا یہ کہ امام ابوحنیفہ اور ائمہ احناف کا جنہوں نے یہ مذہب بتلایا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک شوہر مفقود الخبر کی بیوی دوسرا نکاح اس وقت کرسکتی ہے جب اس کو یہ اطلاع ملے کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی ہے یا اس کی وفات ہو چکی ہے، تو اس کے معلوم کرنے کا صحیح ذریعہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کی کتابیں ہیں۔ خصوصًا ان کے علوم کے ناشر حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں ہیں، اب سنئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اپنی مشہور کتاب، کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ میں کیا لکھتے ہیں، اس کتاب کی چوتھی جلد کے ص۵ پر وہ لکھتے ہیں۔

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ فی المفقود لا تتزوج امرأتہ حتی یاتیھا الخبر بطلاق او وفاۃ فتعتد ثم تتزوج۔

یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مفقود الخبر شوہر کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی بیوی دوسرا نکاح نہیں کرے گی الا یہ کہ اس کے پاس اس کے طلاق دینے کی یا اس کی وفات کی خبر پہونچے، پس وہ عدت

گذارے گی پھر دوسرا نکاح کرے گی۔

دیکھا آپ نے یہاں نوے سال تک یا سو سال تک یا ایک سو بیس تک انتظار کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، ذکر ہے تو اس کا کہ عورت کے پاس شوہر کے طلاق دینے یا اس کی وفات کی خبر پہونچے تب وہ اگر چاہے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے، اور جن کتابوں میں نوے سال یا سو سال یا ایک سو بیس سال یا اور کسی عدد کا ذکر ہے وہ شوہر کی وفات کا تخمینہ اور ایک اندازہ ہے کہ اب وہ اس مدت میں اس دنیا میں نہ ہوگا، چونکہ امام ابو حنیفہ کا مذہب اصل وہی ہے جو حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس لئے اگر شوہر کے طلاق دینے یا اس کی موت کی اطلاع چند ماہ بعد یا چند سال بعد ہی آگئی تو بیوی کو حق ہوگا کہ طلاق کی اطلاع آنے کی شکل میں طلاق کی عدت گذارنے کے اور موت کی اطلاع آنے کی شکل میں وفات کی عدت گذارنے کے بعد دوسرا نکاح کرے ۔ اور جو امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے وہی مذہب دنیائے عدم تقلید کے امام الائمہ ابن حزم کا بھی ہے، چنانچہ محلی طبع جدید کی جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۱۶۲ پر انھوں نے اس مسئلہ کو اس عبارت میں ذکر کیا ہے

مسئلہ : ومن فقد فعرف این موضعہ اولم یعرف فی حرب فقد او فی غیر حرب ولہ زوجۃ او ام ولد وامۃ ومال لم یفسخ بذلک نکاح امرأتہ ابداً، وھی امرأتہ حتی یصح موتہ۔

یعنی جو شوہر گم ہو جائے، تو اب اس کی موجودگی کی جگہ کا پتہ ہو یا نہ ہو، جنگ میں گم ہوا ہو یا غیر جنگ میں، اس کی عورت کا نکاح اس سے بھی فسخ نہیں ہوگا، وہ عورت اسی کی بیوی رہے یہاں تک کہ اس شوہر کے موت کی خبر صحیح طریقہ سے بیوی کو ملے ۔ ابن حزم کا کہنا ہے کہ چونکہ اس بارے میں کہ عورت چار سال تک انتظار کرکے دوسرا نکاح کرے، یہ نہ قرآن کا حکم ہے اور نہ رسول کا، اس وجہ سے اس قول کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اور خدا اور رسول کے سوا کسی کی بات قابل حجت نہیں ہے۔ ص ۱۶۲

جب ابن حزم کا بھی وہی مذہب ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ غیر مقلدین ابن حزم کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور اپنے اس امام کا کتنا مذاق اڑاتے ہیں۔

ہمارا اپنا تجربہ غیر مقلدین کے بارے میں یہ ہے کہ یہ گروہ عام طور پر جہل مرکب کا شکار رہتا ہے، یعنی الف با سے بے خبر رہتا ہے مگر وہ ظاہر کرتا ہے کہ لام، میم نون کا بھی اسے علم ہے، اور بعض تو چھوٹی یا اور بڑی یا تک بھی پہونچ جاتے ہیں ان کے اس جہل مرکب میں گرفتار رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ائمہ واسلاف کو تو کتاب وسنت سے جاہل بتلاتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کے کلمات کہتے ہیں، اور خود کو کتاب وسنت کا علامہ سمجھتے ہیں۔

بہرحال آپ غیر مقلدوں کو ان کے حال پر رہنے دیں۔ "حتی یصح الغیر موتھم عند کم" مجھ سے یہ سنئے کہ حضرت امام اعظم نے شوہر مفقود الخبر کے بارے میں اپنا جو مذہب بنایا ہے اس کی بنیاد رائے اور قیاس پر نہیں ہے بلکہ انھوں نے یہ مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اور صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود سے لیا ہے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت حکم بن عتبہ سے روایت ہے کہ ان علیا قال: ھی امرأۃ ابتلیت فلتصبر حتی یاتیھا موت او طلاق۔ (ص ۹۰ ج ۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے بارے میں جس کا شوہر لاپتہ ہے فرمایا کہ یہ ایسی عورت ہے جس کو آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے، پس اس کو صبر کرنا چاہئے۔ تا آنکہ اس کے پاس شوہر کے طلاق دینے یا اس کے موت کی خبر پہنچے۔

اور اسی مصنف میں یہ بھی ہے۔ عن ابن جریج قال: بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انھا تنتظر ابدا۔ ص $\frac{91}{ج7}$ یعنی ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی حضرت علی کی موافقت فرمائی ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کا زندگی بھر انتظار کرے گی۔ اس

بات کو ابن حزم نے محلی میں بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھو ص ۱۶۸ ج ۷)
اور جو بات ان دونوں جلیل القدر صحابی کی ہے اسی کے قائل حضرت ابو قلابہ
بھی ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ لیس لھا ان تتزوج حتی یتبین لھا موتہ۔
یعنی وہ شادی نہیں کرے گی یہاں تک کہ شوہر کے وفات پانے کی اطلاع واضح طور پر
اس کو ملے۔

اور یہی مذہب جلیل القدر تابعی حکم بن علتبہ کا بھی ہے، اور یہی مذہب
حضرت ابراہیم نخعی کا بھی ہے، اور یہی مذہب حضرت امام شعبی کا بھی ہے جن کے
بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھا تھا، اور یہی مذہب حضرت
جابر بن زید کا بھی ہے، اور یہی مذہب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کا بھی
ہے اور یہی مذہب حضرت حماد استاد امام ابو حنیفہ کا بھی ہے، اور یہی مذہب
حضرت ابن ابی لیلیٰ کا بھی ہے اور یہی مذہب ابن شبرمہ اور عثمان بتی کا بھی ہے،
اور یہی مذہب حضرت سفیان ثوری کا بھی ہے، اور یہی مذہب امام شافعی کا بھی
ہے اور ان کے علاوہ اور بھی اجلہ تابعین اور فقہائے امت ہیں جن کا یہ مذہب ہے، اگر
اس کی تفصیل جاننا چاہیں تو ابن حزم کی محلی دیکھ لیں، نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور
مصنف عبد الرزاق کا مطالعہ کریں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت امام اعظم کے ساتھ
کیسے کیسے ائمہ فقہ و حدیث ہیں، غیر مقلدین کس کس صحابی تابعی اور امام فقہ و حدیث کو
دینی لن ترانیوں اور بیہودہ گوئیوں کا نشانہ بنائیں گے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب اقرب الی الکتاب والسنہ ہے اس وجہ
سے امام اعظم نے اس بارے میں ان دونوں جلیل القدر صحابی کی اتباع کی ہے، چنانچہ
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی اور حضرت عمر کے قول کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے
ہیں۔ —— قال محمد! ھذا احب القولین الینا واشبھما بالکتاب
والسنۃ مع ما قد جاء عن رجوع عمر الی قول علی رضی اللہ عنہ۔
(کتاب الحجۃ)

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا جو اس مسئلہ میں الگ الگ قول ہے تو ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ والا قول زیادہ پسند ہے اور وہ ہمارے نزدیک کتاب وسنت کے حکم سے زیادہ مشابہ ہے۔ جبکہ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو حضرات احناف نے کیوں چھوڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو کیوں اختیار کیا، تو اس کو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر کر دیا، انھوں نے اس کی دو وجہ بتلائی ایک تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول کتاب وسنت سے زیادہ مشابہ ہے اور دوسری وجہ یہ بتلائی کہ بعد میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا، اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت علی رض سے اس مسئلہ میں صرف ایک قول وارد ہے یعنی ایسی عورت کو شوہر کے وفات پانے تک یا اس کے طلاق دینے تک دوسرے نکاح سے رکے رہنا ہے جبکہ حضرت عمر رض سے کئی طرح کی باتیں منقول ہیں۔ مثلاً ان کا ایک قول یہ ہے کہ

تتربص اربع سنین و تعتد اربعۃ اشھر وعشرا (ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۱۰) یعنی عورت چار سال تک انتظار کرے گی پھر چار مہینے اور دس روز عدت گذارے گی۔ پھر دوسری شادی کرے گی۔[1]

---

(۱) اس قول کی بنا پر حضرت عمر کے نزدیک بھی شوہر کی وفات کے بعد ہی دوسرا نکاح کرے گی گویا حضرت عمر رض نے چار سال کی مدت گذرنے کے بعد شوہر کی موت کا اندازہ لگا لیا، اسی وجہ سے عدت کی مدت چار مہینے دس دن مقرر کی جو متوفی عنہا کی عدت ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اس بات کو بالکل صاف کر دیا ہے، کتاب الام میں وہ فرماتے ہیں۔

عمر وعثمان قضیا فی امرأۃ المفقود تتربص اربع سنین ثم تعتد عدۃ المتوفی عنہا ثم تنکح، والمفقود من لا یسمع لہ بذکر وقد یکون الاغلب من ھذا انہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے وہ چار سال تک انتظار کرے گی۔ پھر شوہر کے ولی کو بلایا جائے گا اور وہ ولی شوہر کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے گا، پھر عورت چار مہینہ دس روز عدت گذارے گی، پھر عورت کو شادی کا حق ہوگا۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ اگر عورت نے چار سال انتظار کرلیا ہے پھر وہ اپنا قضیہ لے کر حاکم کے پاس گئی ہے تو اب وہ پھر سے چار سال مزید گذارے گی پچھلے چار سال تک انتظار کا اعتبار نہ ہوگا، جب مزید یہ چار سال گذار لے گی تو شوہر کے ولی کو بلا کر اس سے بیوی کو طلاق دلوایا جائے گا، اور وہ شوہر متوفی عنہا کی عدت گذار کر دوسرا نکاح کرے گی۔

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف اقوال مروی ہیں جب کہ حضرت علی کا اس بارے میں صرف ایک قول ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موافقت کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی ہیں، نیز بعض روایات سے صراحۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

مات (ص ۲۲۱ ج ۷) یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مفقود الخبر شوہر کی بیوی کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ چار سال تک عورت انتظار کرے گی پھر متوفی عنہا کی عدت گذارے گی پھر نکاح کرے گی، اور مفقود اس کو کہتے ہیں جس کا ذکر نہ سنا جائے اور اس کی وجہ سے غالب یہ ہے کہ وہ شوہر وفات پا چکا ہے۔

غیر مقلدین بتلائیں کہ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد عورت دوسرا نکاح عدت گذار کر کریگی۔ یا بلا عدت گذارے، اگر عدت گذار کر کریگی تو کتنی مدت عدت گذارے گی۔ تین حیض، یا تین طہر یا چار مہینہ دس دن، ان کا جو بھی مذہب ہو دلیل سے اسکو واضح کریں اور دلیل قرآن وحدیث سے ہو۔

کے قول کی تائید بھی ہو رہی ہے، چنانچہ دارقطنی میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان یعنی مفقود الخبر شوہر کی بیوی شوہر ہی کی بیوی ہوتی ہے، الا یہ کہ بیوی کے پاس واضح خبر آجائے (کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا، یا اس نے بیوی کو طلاق دے دی ہے، بیہقی کی سنن کبریٰ میں اس روایت کو متعدد سندوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ (ص۴۴۵ ج۷)

اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو ہم کہیں گے کہ احناف کے نزدیک حدیث ضعیف کا بھی اعتبار ہوتا ہے، اور جب ضعیف حدیث کی تائید آثار صحابہ وتابعین سے بھی ہوتی ہو تو ان کا ضعف جاتا رہتا ہے، محض سند حدیث کی وجہ سے کوئی حدیث ضعیف نہیں ہوتی ہے، خود غیر مقلدین کے اکابر علماء فرماتے ہیں کہ سند کے ضعیف ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اصل متن بھی ضعیف ہو، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے اس بات کو اپنی کتاب ابکار المنن میں بار بار دہرایا ہے۔

بہرحال آپ نے دیکھا کہ امام اعظم کے قول کی تائید میں حضرت علی کا بھی قول ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کا بھی قول ہے، بہت سے اکابر تابعین کا بھی قول ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کی تائید حدیث رسول بھی کر رہی ہے، اور غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد عبداللہ قاسمی غازی پوری قسط ۱۸

بریلوی مذہب پر ایک نظر

آنحضور کا اللہ کی ذات سے پیدا ہونے کا مطلب

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں

ذاتِ الٰہی سے اس کے (یعنی رسول اکرم کے) پیدا ہونے کی حقیقت کس کا مفہوم ہو مگر اس میں فہم ظاہر میں کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حق عز جلالہٗ نے تمام جہان کو حضور پرنور محبوب اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے پیدا کیا۔ (ایضاً ص۹)

فائدہ :۔ اعلیٰحضرت نے جس فہم کا ثبوت پیش کیا ہے وہ ماشاء اللہ ہے یہ دور کی کوڑی خاص اعلیٰحضرت کی دریافت ہے۔ اللہ کی ذات سے آنحضور کے پیدا ہونے کا یہ مطلب سن کر بریلوی حضرات بھی حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

آنحضور اللہ کی ذات سے بلا واسطہ پیدا ہیں

اعلیٰحضرت لکھتے ہیں

ہمارے حضور عین النور صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں اپنے رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں وہ تو ذاتِ الٰہی سے بلا واسطہ پیدا ہیں۔ (ایضاً ص۱۰)

فائدہ :۔ یہ ہے اعلیٰحضرت کا وہ عقیدہ جس پر بریلوی مسلک کی شرکیہ عمارت قائم ہے، آنحضور کو اللہ کی ذات سے بلا واسطہ پیدا ماننے کا مطلب اس کے سوا کیا

اور کیا ہے کہ معاذ اللہ آپ کا باپ ہے اور آنحضورؐ اس کے بیٹے ہیں یعنی وہی عیسائیوں والا عقیدہ۔

کیا اس عقیدہ کے بعد بھی اعلیٰحضرت کے کافر و مشرک ہونے میں کسی صاحب ایمان کو شک ہو سکتا ہے؟ اعلیٰحضرت نے اپنے اس شرکیہ عقیدہ کو بہت تاکید کے ساتھ ثابت کیا ہے، چنانچہ اس کتاب میں ایک جگہ مزید لکھتے ہیں۔

یعنی اللہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الٰہی ہے یعنی اپنی ذات سے بلا واسطہ پیدا فرمایا۔ (صلات ایضاً صـ۵)

نیز لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بلاشبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی یعنی عین ذات الٰہی سے پیدا ہے۔ (ایضاً صـ۲)

سارا عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہے

اعلیٰحضرت صاحب مواہب کی ایک عبارت سے ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ نے ساری مخلوق کو آنحضور کی ذات سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

یعنی جب اللہ عزوجل نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صمدی نوروں سے مرتبہ ذات صرف میں حقیقت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا پھر اس سے تمام عالم سفلی وعلوی نکالے۔ (صلات صـ۹)

فائدہ:۔ یہ بریلوی مسلک کا عقیدہ ہے، اہل اسلام سے بری ہیں، یہ بات کتاب وسنت سے کہیں ثابت نہیں کہ تمام مخلوق آنحضورؐ کی ذات سے نکلی افسوس کہ ایسے نازک عقائد کے بارے میں بھی اعلیٰحضرت نص قطعی پیش کرنے کے بجائے صوفیا کے اقوال سے استناد کرتے ہیں۔

تمام جہان کی مدد کرنیوالے حضورؐ ہیں

اعلیٰحضرت ابن حجر مکی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

تمام جہان کی مدد کرنیوالے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ حضور ہی بارگاہ الہی کے وارث ہیں۔ بلا واسطہ خدا سے حضور ہی مدد لیتے ہیں اور تمام جہان مدد الہٰی حضور کے واسطہ سے لیتا ہے جس کامل کو جو خوبی ملی وہ حضور ہی کی مدد اور حضور ہی کے ہاتھ سے ملی۔

(الیفنگا ص ۱۶)

فائدہ :۔ عقائد کے مسائل ہمیشہ دلائل قطعیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اعلحضرت نے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں پیش کی، اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ ملتا اللہ سے ملتا ہے، اللہ ہی منعم اور اللہ ہی خالق و رازق ہے۔ عزت و کمال سب اسی کے فیضان سے ہے۔

انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں اور جہاں چاہے آتے جاتے ہیں

مولانا امجد علی صاحب لکھتے ہیں۔

" انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، جہاں چاہے آتے جاتے ہیں۔

(بہار شریعت ص ۱۷، ج ۱)

فائدہ :۔ اہلسنت والجماعت انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی کے قائل ہیں مگر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس حیات کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، ان کی حیات کیسی ہے، ان کا کھانا پینا کیسا ہے یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ کہنا کہ انبیاء قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے، اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے چاہئے، اسی طرح یہ کہنا غلط ہے کہ وہ جہاں چاہے آتے جاتے ہیں (یاد رہے دنیا میں جس طرح چلنا پھرنا ہوتا ہے بات اس کی ہے) اسکے لئے بھی قطعی ثبوت چاہئے یا بتلایا جائے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کا یہ عقیدہ رہا ہے۔

تمام جہان حضورؐ کے تصرف میں ہے، دینا لینا سب آپ کے اختیار میں ہے۔

مولانا امجد علی صاحب لکھتے ہیں۔

تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لے لیں۔ تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔ احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیئے گئے ہیں، جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کیلئے جو چاہیں حلال کر دیں۔ اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔ (بہار شریعت ص ۲۳ ج ۱)

فائدہ :۔ ان سب دعووں کے لئے کتاب وسنت سے دلیل چاہئے، یہ وہ غلو فی المحبۃ ہے جس نے بریلیوں کو کفر و شرک سے قریب کر دیا ہے۔ ایک مسلمان کا عقیدہ ہے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے، لینا دینا سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ سارے جہان اور تمام جن وانس کا وہی مالک ہے، آنحضورؐ اپنی طرف سے نہ کوئی بات کہتے ہیں اور نہ بلا حکم الٰہی کوئی کام کرتے ہیں، آپ اپنے ہر قول و فعل میں اس امر الٰہی کے پابند ہیں۔ قرآن میں ہے۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی رسول اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں، ان کی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے ۔ نیز قرآن میں فرمایا گیا۔ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ ۔

یعنی آپ فرما دیں کہ میں اپنی طرف سے کچھ تبدیل کرنیوالا نہیں ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے ۔

قرآن کی ان آیات کی روشنی میں مولانا امجد علی اور ان کے ہم نواؤں کی مذکورہ بالا باتیں نا قابل التفات ہیں بلکہ موجب کفر ہیں، خدائی اور مالکیت و حاکمیت صرف ایک ذات واحد کے لئے ہے۔

اولیاء سیاہ و سفید کے مختار ہیں

مولانا امجد علی لکھتے ہیں۔

" اولیاء کرام کو اللہ عزوجل نے بہت بڑی طاقت دی ہے ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے، سیاہ سفید کے مختار بنا دیئے جاتے ہیں (الفیاضات ۱۷۰)

فــائدکا :- یہ خالص کفریہ شرکیہ عقیدہ ہے، سیاہ سفید کا مالک صرف اللہ ہے، اسی کا تصرف کائنات میں چلتا ہے، ذرا امجد علی صاحب سے کوئی پوچھے کہ کیا ان ولیوں کو اختیار ہے وہ روزہ نماز نہ کریں یا کسی سے نماز روزہ ساقط کردیں، اگر نہیں تو سیاہ سفید کے مالک کہاں ہوئے ؟ کیا ان ولیوں کو اختیار ہے کہ سورج کو مغرب سے طلوع کردیں، اگر نہیں تو سیاہ سفید کے مالک کہاں ہوئے ؟ کیا انھیں اختیار ہے کہ اللہ کسی بات کو نہ چاہے اور وہ چاہیں تو وہ بات ہو جائے اگر نہیں تو پھر سیاہ سفید کے مالک کہاں ہوئے ؟

نیز یہ بھی بتلائیے کہ ان اولیاء کرام میں اس سیاہ سفید کا اختیار صرف اصحاب تصرف ہی کو کیوں ہے، آپ کا تو عقیدہ یہ ہے کہ سارے اولیاء کائنات میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔

حکومتِ سعودیہ کی موجودگی میں حج ساقط

احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفےٰ رضا خاں نے ایک کتاب تنویر الحجۃ لمن یجوز التواء الحجۃ لکھی ہے، اس میں فرماتے ہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم کہتے ہیں اور بجزم و یقین کہتے ہیں کہ آج جب کہ حجاز مقدس میں ابن سعود منحوس و نامسعود و مخذول مطرود و مردود اور اس کے ہمراہیان نامحمود نحس ورود ہے اور جب بیان سائل فاضل و دیگر کثیر حضرات حجاج و افاضل امان مفقود ہے فرضیت ساقط ہے یا ادا غیر لازم ہے۔ صفحہ ۹

نیز صاحبزادے صاحب مزید گوہر افشاں ہیں

تو یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر دفع شرار لئام ناممکن ہو تو کسی کے نزدیک بھی اس وقت

حج کرنا فرض نہیں رہتا اور ہر وہ شخص جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل اور پہلو میں دل اور دل میں ذرا سا انصاف اور چہرے پہ آنکھیں اور آنکھوں میں حق کی روشنی اور کان میں قوتِ سمع موجود ہے، دیکھتا، سنتا، سمجھتا اور اعتراف کرتا ہے کہ آج نجدیان نا فرجام کے اس فتنے کی روک تھام حاجیوں سے ممکن نہیں ہے تو کسی طرح پہ ان پہ حج کرنا فرض ہوگا۔

(ایضاً ص ۱۲)

نیز لکھتے ہیں:

گرامی برادران یہ تو آفتاب نصف النہار کی طرح ہر ذی عقل پہ روشن اور آشکارا ہو لیا کہاں دنوں آپ پہ حج فرض نہیں یا ادا لازم نہیں۔ صفحہ ۲۲

فائدہ:۔ ان عبارتوں کو آپ غور سے پڑھ کر بتلائیں کہ کیا ایک فریضہ شرعی کو محض اپنی ہوا و ہوس سے ساقط کرنے والا دائرہ اسلام میں ہے یا وہ اسلام سے خارج ہے حج کی فرضیت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر صاحب استطاعت پہ حج فرض ہے لیکن اعلیٰحضرت کے یہ صاحبزادے اس واہمہ کی بنیاد پر کہ سعودی حکومت ان کے نزدیک مسلمان حکومت نہیں کہ اس فریضہ الٰہی کے سقوط کا فتویٰ دے رہے ہیں اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ لاکھا لاکھ کی تعداد میں ہر سال جو مسلمان اسی حکومت کی زیر نگرانی ادائیگی حج کیا کرتے ہیں، معاذ اللہ ان کا حج ادا نہیں ہوتا اور ان کے ذمہ یہ فریضہ باقی رہتا ہے؟

گالی دینا تو بریلوی حضرات کا شیوہ ہے مگر فریضہ الٰہی کے باب میں انکی یہ جرأت خطرناک بھی ہے اور حیرتناک بھی، افسوس ہوائے ہوس کے یہ بندے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ان کی اس طرح کی باتوں سے خود ان کے ماننے والے ان کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ ایک طرف پورے عالم کے مسلمان ہیں جو حکومت سعودیہ کے زیر انتظام حج کرنا سعادت سمجھتے ہیں اور اس حکومت کو خادم الحرمین الشریفین جانتے ہیں اور دوسری طرف بریلوی مذہب کی یہ ٹولی اس حکومت پہ سب و شتم کر رہی ہے

اور اس کو کافر بتلا دیا ہے، عقل و خرد کی یہ پستی بھی کوئی ملاحظہ کرلے۔

حکومتِ سعودیہ کافر ہے

بریلوی حضرات حکومتِ سعودیہ پر تبرا کرنا اور اسے کافر بتلانا اپنے ایمان کا جز سمجھتے ہیں، سعودی حکومت کو وہ کافروں کی حکومت کہتے ہیں اور اس حکومت کے افراد کو جو خاندان سعودی سے تعلق رکھتے ہیں ایسا کافر سمجھتے ہیں کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی ان بریلیوں کے نزدیک کافر ہے، چنانچہ ان کی عام کتابیں حکومتِ سعودیہ اور اہل نجد کی تکفیر و تفسیق سے بھری ہیں، سعودی حکومت کے افراد کو عام طور پر طائفہ نجدیہ شیاطین نجد کفرۂ نجد مرتدین نجد وغیرہ گندے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، تجانب اہل السنۃ کی ان عبارتوں کو ذرا دل پر جبر کر کے آپ بھی پڑھ لیں۔

امام زکریا مسجد بمبئی احمد یوسف نے مردود ابن سعود کے بیٹوں کا استقبال اور آداب بجالایا، حکومت نجد و ابن سعود نجدی اور اس کے بیٹوں کی تعریف کی نجدی مرتدوں کی مدح و ثنا میں قصیدے پڑھے گئے۔ (ص ۲۶۸)

امام مذکور صرف اپنے اعمال و اقوال سے غضب الٰہی کا استحقاق کمانے عرش الٰہی کے لرزانے اسلام و سنت کو ڈھانے مخلوق خدا کو لعنتِ خداوندی کی طرف بلانے سنت سے روک کر بدمذہبی پر جمانے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے حکومت شقیہ نجدیہ کی دعوت کو صحیح اور ایسی درست بتلا کر جس میں کجی و نقصان نہیں۔ اور وہابیہ نجدیہ کو مسلمان ٹھہرا کر نجدی مرتدوں کے عقائد کفریہ کی بھی تحسین و تائید کی اور بحکم شریعت مطہرہ ایسا شخص کافر و مرتد ہو گیا۔ (ص ۲۲۷)

دیکھا آپ نے زکریا مسجد بمبئی کے امام احمد یوسف نے ابن سعود کے بیٹوں کا استقبال کرکے اتنا بڑا جرم کیا کہ اس کی وجہ سے وہ مرتد و کافر ہو گیا۔ ان اصحاب جبہ و دستار کو اتنی بھی شرم و حیا نہیں کہ وہ سوچیں کہ اس طرح کی باتوں سے عوام ان کے بارے میں رائے قائم کریں گے، زکریا مسجد کے امام نے تو صرف ان ابن سعود کے بیٹوں کا استقبال

بچا کیا، جو لوگ ہر سال لاکھ لاکھ کی تعداد میں حج کرتے ہیں ان نجدیوں و سعودیوں ہی کی امامت میں
نماز پڑھتے اور حج کی ادائیگی کرتے ہیں ان تمام انسانوں کا کفر و اقتدا تو ذکر یا مسجد کے امام
سے کہیں بڑھ کر ہوا، عالم اسلام کے یہ سارے مسلمان ان بریلیوں کے مذہب کے مطابق
کافر ہیں، اب سوائے ان بریلیوں کے مسلمان بچا کون اور ایمان کی دولت ان کے سوا کس کے
حصے میں آئی ہے، ہے اس جنون کی کوئی حد؟

بحرا جب ان خادمان حرمین شریفین کو جو مکہ اور مدینہ کی پاسبانی کر رہے ہیں جو اللہ
کے رسول کے مہمانوں کا خادمانہ استقبال کرتے ہیں جو آج اپنے اس دولت سے جو اللہ نے انکی
زمین میں ارزانی فرمائی ہے دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی اور یورپ وامریکہ، افریقہ وایشیا
میں رہنے والے پرستاران توحید کی اقتصادی امداد سے ان کا ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں قرآن
وسنت کی اشاعت مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر پر عربی زبان اور کتب دینیہ کی اشاعت
پر بے شمار دولت خرچ کر رہے ہیں، کمزور مسلمان حکومتوں کو مالی امداد دے کر ان کی اقتصادیات
کو مضبوط کر رہے ہیں اور اپنے گھر کی دولت کو صرف گھر ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام
کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں، یہ خدام حرمین شریفین جن کا ہر مسلمان احترام کرتا ہے اور
مکہ ومدینہ سے ان کی نسبت پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔ تو ان کو جب بریلوی
مذہب کے یہ مولوی ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

بہرحال شک نہیں کہ وہابیہ نجدیہ علیہم اللعنۃ سرمدیہ اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ کے
سبب بحکم شریعت قطعاً یقیناً کافر و مرتد اور بے توبہ مرے تو مستحق نار ابد ہیں۔ (تجانب اہل السنہ)

تو دل صد پارہ ہو جاتا ہے اور خیال گذرتا ہے کہ کیا اللہ نے ان کے حصہ میں صرف
جنون ہی رکھا ہے، ایک طرف عالم کے سارے مسلمان ہیں جو ان کو مسلمان ہی نہیں بلکہ
خدام حرمین شریفین شمار کرتے ہیں اور ان کے لئے عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرتے
ہیں اور دوسری طرف بریلیوں کی یہ ٹولی اور شرذمہ قلیلہ ہے جو میدان میں خم ٹھونک کے آتی
ہے اور کہتی ہے کہ نہیں صرف ہم مسلمان ہیں اور بقیہ سب کافر حالانکہ خود اعلحضرت کا اس

کتاب میں فتویٰ گذر چکا ہے کہ عرب کو گالی دینا حرام ہے اب عرب اہل نجد و حجاز نہ ہونگے تو پھر کون ہوگا ؟

ان سعودیوں کو اس وجہ سے کافر کہا گیا کہ بریلیوں کے زعم باطل میں ان کے عقائد کفریہ ہیں۔ اہل نجد و حجاز کے عقائد کیا ہیں ! یہی تو کہ اللہ واحد ہے اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں عالم میں تنہا وہی متصرف ہے، ساری کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے اس کے بے چاہے کچھ نہیں ہوتا وہ اپنے ذات وصفات میں یکتا اور واحد ہے، دینا لینا مارنا جلانا نفع وضرر سب اس کے لئے ہے۔ ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز ہے نبی ہو کہ ولی حاکم ہو یا محکوم غنی ہو یا فقیر سب اس کے عبد اور اس کے تابع فرمان اور اسکے سامنے ہاتھ پھیلانے والے ہیں، عبادت صرف اسی کی ہوتی ہے، دور نزدیک کا سننے والا وہی ہے، استعانت اسی سے کی جائیگی مدد کیلئے اسی کی طرف ہاتھ پھیلایا جائیگا، اس کے سوا نہ کوئی دینے والا ہے نہ کوئی لینے والا اور نہ اس کی مشیت واذن کے بغیر درخت کا ایک پتہ کھٹکتا اور حرکت کرتا ہے۔

یہی ہیں وہ عقائد جن کے اہل نجد و حجاز بلکہ سارے مسلمان قائل ہیں صرف ایک ٹولی بریلیوں کی ہے جو اس کے خلاف ہے انھیں عقائد کو بریلی مذہب میں کفریہ قطعیہ کہا گیا ہے اور انھیں کی بنیاد پر سارے مسلمانوں کی تکفیر کی جاتی ہے۔

بایں عقل و دانش ببایہ گریست

شانِ خداوندی میں احمد رضا خاں کی گستاخی

اب ہم اپنی کتاب کو احمد رضا خاں کے اس گستاخ بیان پر ختم کرتے ہیں جس کو انھوں نے بلا تکلف اور بڑا مزہ لے کر بارگاہ خداوندی میں بکا ہے اور مسلمانوں کو دعوت غور و فکر دیتے ہیں کہ وہ آئیں اور اپنے عقل و خرد سے خود فتویٰ حاصل کریں کہ اللہ کی شان میں ان نازیبا کلمات کا استعمال کرنے والا کسی طرح بھی مسلمان کہلانے کے

قابل ہے، دیکھئے بریلیوں کا یہ امام کیا لکھتا ہے ۔

" وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جس کا سچا ہونا ضروری نہیں جھوٹا بھی ہو سکتا ہے ایسے کو جس کی بات پر اعتبار نہیں نہ اسکی کتاب قابلِ اسناد ہے نہ اس کا دین قابلِ اعتماد ہے ایسے کو جس کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتی کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے، کھانا، پینا، پیشاب کرنا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی بے حیائی کا مرتکب ہونا حتیٰ کہ مخنث کی طرح مفعول بننا، کوئی خباثت اس کی فضیحت اسکی شان کے خلاف نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول ۔

مسلمانوں تمہیں خدا کا واسطہ تم بتلاؤ کیا یہ گندے الفاظ جو ڈومینوں کی زبان پر چڑھے ہوتے ہیں کوئی شریف آدمی اللہ کی ذات تو بڑی برتر و اعلیٰ ہے کسی انسان کیلئے بھی استعمال کرنا گوارہ کریگا، رہا یہ کہنا کہ ہم نہیں کہتے ہیں وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے تو اعلیٰحضرت انشاء اللہ دوہرے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ ایک تو وہابیوں کی طرف غلط بات منسوب کرنے کا عذاب دوسرا اللہ کی شان میں ان الفاظ کے استعمال کرنے کا عذاب، اعلیٰحضرت تو مر چکے اور انشاء اللہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ بھی اپنی قبر میں بھگتے ہوں گے مگر انکی روحانی ذریت موجود ہے اس سے میرا مطالبہ ہے کہ جو جو الفاظ بارگاہِ خداوندی کیلئے وہابیوں کی طرف منسوب کر کے ان کے اعلیٰحضرت نے ذکر کئے ہیں وہ وہابیوں کی کتابوں سے دکھلادیں اگر نہیں دکھلا سکتے اور انشاء اللہ قیامت کی صبح تک نہیں دکھلا سکتے تو ان کلمات کا استعمال خود اعلیٰحضرت کے قلم سے شانِ خداوندی میں ہوا ہے اور اس کی ذریت نے ان کلمات کی اشاعت و تبلیغ کی ہے اس وجہ سے اعلیٰ و ادنیٰ سب انشاء اللہ مستحق لعنت خداوندی ہوں گے اور جہنم کی ایندھن ہونے میں برابر کے شریک ہوں گے ۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ احمد رضا خاں کی صرف یہی ایک عبارت ان کے ایمان و اسلام کا خاتمہ کر رہی ہے ۔

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

اعیان العباد

یعنی

اللہ والے

عمر بن عبد العزیز

عمر بن عبد العزیز خاندان بنی امیہ کے وہ رجل رشید تھے جن کے دورِ خلافت نے خلافت راشدہ کا پانچواں دور دکھلایا، اور ان کی ذات گرامی کو بلا اختلاف پانچواں خلیفہ راشد امت نے تسلیم کیا، سچ تو یہ ہے کہ ان کی شخصیت پر ایک پوری کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے مگر چونکہ ہمیں اپنی کتاب کا موضوع ہی پیش نظر رکھنا ہے، اس وجہ سے بہت مختصر میں ان کی شخصیت پر چند سطریں زیر تحریر لائی جارہی ہیں۔

عمر بن عبد العزیز مروان کے پوتا تھے، امام ذہبی نے ان کے نام کے ساتھ جو الفاظ جوڑے ہیں، ان سے ان کی شخصیت پر روشنی پڑرہی ہے۔ فرماتے ہیں۔ الامام، الحافظ، العلامۃ المجتھد، الزاھد، العابد، السید امیر المؤمنین حقا، الخلیفۃ الراشد۔

امام کے لفظ سے ان کی علوم شریعیہ میں جامعیت کی طرف اشارہ ہے، العلامۃ کے لفظ سے کثرت علم کی طرف اشارہ ہے۔ المجتھد کے لفظ سے ان کے صاحب اجتہاد ہونے کو بتلانا ہے، زاہد وعابد کے لفظ سے انکی عملی زندگی کو بتلانا ہے۔ السید سے ان کی سیادت و شرافت کو بتلاتا ہے۔ امیر المومنین حقا کا لفظ بتلاتا ہے کہ وہ فی الحقیقت مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ ہونے کے ہر طرح مستحق تھے اور ہر طرح کی صلاحیتوں سے آراستہ تھے، اور ان کے بعد امام ذہبی نے تین اور کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ الخلیفۃ الزاھد الراشد، جس سے اشارہ ہے کہ ان کی خلافت ہم رشتہ خلافت راشدہ تھی، یعنی ان کی خلافت کا وہی انداز تھا جو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کا انداز تھا، اور زاہد کے لفظ نے بتلا دیا ہے کہ حکومت وخلافت کے تخت پر بیٹھنے کے باوجود ان کے اندر دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت بے حد تھی۔

ابن سعد نے عمر بن عبد العزیز کو تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے، انکی روایت عبد اللہ بن جعفر، سائب بن یزید، سہل بن سعد وغیرہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے ائمہ کتاب وسنت کا شمار ہے، مثلاً ابوسلمہ، ابوبکر بن حزم، رجاء بن حیوۃ، ابن المنکدر، امام زہری، ایوب سختیانی جیسے اساطین فضل وکمال کا شمار ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز ننہالی رشتہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتے ہیں، انکی والدہ کا نام ام عاصم تھا، جو عاصم بن عمر بن خطاب کی صاحبزادی تھیں، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے پرنانا تھے۔

حضرت عمر کا سال ولادت ۶۳ھ ہے، بعض لوگوں نے ان کا سن ولادت ۶۱ھ لکھا ہے، اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی، لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت اعمش، ہشام بن عروہ، عمر بن عبد العزیز، طلحہ بن یحیٰی یہ سب ائمہ کتاب وسنت اسی سال پیدا ہوئے جس سال حضرت حسین کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے علم وفقہ، تقویٰ اور تدین کے بارے علمائے امت کیا فرما گئے ہیں

ذہبی میں ملاحظہ ہو۔

عمرو بن میمون فرماتے تھے کہ جب علماء کو حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ناپا جاتا تھا تو وہ شاگردوں کے درجہ میں معلوم ہوتے تھے۔

ابن عیینہ ایک صاحب کا بیان نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابن عبدالعزیز کو یہ کہتے سنا تھا کہ انھوں نے کہا جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنے سے جھوٹ بولنے والے کو نقصان ہوتا ہے، میں نے اپنی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں نکالا۔

امام شافعی کہتے تھے کہ خلفائے راشدین پانچ ہیں، ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز۔

مالک بن دینار کہا کرتے تھے کہ لوگ مجھے زاہد کہتے ہیں فی الاصل زاہد تو عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دنیا ان پر ٹوٹ کر آئی اور انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا۔

حضرت مکحول فرماتے تھے کہ اگر میں قسم کھاؤں کہ عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ دنیا سے بے رغبت اور اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا ہے تو میں حانث نہیں ہوں گا۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے سوا کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جس کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی رہی ہو، زید بن اسلم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رکوع اور سجدہ کو پورے طریقہ پر ادا کیا کرتے تھے اور کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں تخفیف کرتے تھے۔

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز روزانہ رات میں فقہاء کے ساتھ ایک مجلس قائم کرتے تھے جس میں موت کو یاد کیا جاتا تھا اور سب شرکاء مجلس رویا کرتے، عمر بن عبدالعزیز بھی روتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کی بیوی فرماتی ہیں کہ مغیرہ کہا کرتے تھے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ لوگوں میں کچھ لوگ ہوں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ نماز اور روزہ والے ہوں مگر اپنے رب سے ڈرنے والا میں نے عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا، ان کا حال یہ تھا کہ عشاء کی نماز

پڑھ کر مسجد میں بیٹھے رہا کرتے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر روتے رہتے تھے، ان کا یہ عمل مسلسل جاری رہتا جب نیند کا غلبہ ہوتا اور سو جاتے تو پھر جب بیدار ہوتے تو پھر اسی طرح ہاتھ اٹھا کر رونا شروع کرتے اور یہ عمل ان کا پوری رات جاری رہتا۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبد العزیز بیمار ہوئے اور طبیب نے آکر ان کو دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ وہ بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے، ان کے دل پر خوف کا بے انتہا غلبہ ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی زندگی خلافت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے بڑی نازونعمت کی تھی، شاہانہ انداز سے رہتے تھے، کپڑا بہت قیمتی استعمال کرتے تھے خوشبو کا استعمال اس کثرت سے کرتے کہ جس راستہ سے گزرتے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ ادھر سے کس کا گذر ہوا ہے چال بھی بہت نازوالی ہوا کرتی تھی، مگر جب خلیفہ ہوئے تو ان کی زندگی کا نقشہ بالکل بدل گیا، اب نہ وہ خوشبو کا استعمال، نہ اچھا کھانا اور قیمتی لباس۔ اب حال یہ ہوگیا تھا کہ ہشام بن یحییٰ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ عمر کے صاحبزادہ جن کا نام بھی عمر ہی تھا ان کو منصور خلیفہ وقت نے بلا کر پوچھا کہ عمر بن عبد العزیز کی آمدنی خلافت سے پہلے کتنی تھی تو انھوں نے کہا کہ سالانہ پچاس ہزار دینار، پھر پوچھا کہ مرنے کے وقت ان کی آمدنی کیا تھی تو کہا سالانہ دوسو دینار۔

مسلم بن عبد الملک کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کے بدن پر جو قمیص ہے وہ گندی ہے، تو میں نے ان کی بیوی سے کہا کہ اس کو دھو ڈالو تو گھر والوں نے کہا کہ ہم یہ کریں گے، جب دوسرے وقت گیا تو ان کی قمیص کا حال پہلے ہی والا تھا، تو میں نے کہا کہ کیا قمیص کو تم لوگوں نے دھویا نہیں یا تو ان کی بیوی نے کہا کہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسری قمیص نہیں ہے کہ اسے اتار کر اس کو پہن لیں۔

روزانہ کا خرچ کتنا تھا تو عمرو بن مہاجر فرماتے ہیں کہ ان کا روزانہ کا خرچ خلیفہ ہونے کے بعد صرف دو درہم تھا۔

لکھا ہے کہ ان کے گھر میں صرف مٹی کا چراغ جلا کرتا تھا، ایک دفعہ یہ خطبہ دے رہے تھے تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے بدن پر جو قمیص ہے اس میں پیوند لگا ہوا ہے۔

ان کی بیوی سے لوگوں نے پوچھا کہ ذرا آپ ہمیں عمر کے حال کے بارے میں بتلائیں کہ گھر کے اندر کی زندگی کیسی تھی تو انھوں نے کہا کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ جب سے وہ خلیفہ ہوئے انھوں نے احتلام یا جنابت کی وجہ سے غسل کیا ہو ۔

احتیاط و تقویٰ کی انتہا یہ تھی کہ جب حکومت کا کام ہوتا تو شمع جلائی جاتی اور اسکی روشنی میں کام ہوتا لیکن جب عمر بن عبدالعزیز اس سے فارغ ہوتے تو شمع بجھادی جاتی اور ان کا چراغ جلایا جاتا، میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میرا قیام عمر بن عبدالعزیز کے پاس چھ مہینہ رہا، میں نے ان کے بدن پر ایک چادر کے سوا دوسری چادر نہیں دیکھی ۔

حضرت عمر کا حال بچپن ہی سے خدا خوفی کا تھا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ یہ قرآن پڑھ رہے تھے کہ ان کے رونے کی آواز سنائی دی تو ان کی والدہ نے خادمہ کو بھیج کر پوچھا کہ کیوں رو رہے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ قرآن پڑھتے پڑھتے مجھے موت یاد آگئی، والدہ نے یہ سنا تو وہ بھی رونے لگیں ۔

ان کے نگراں اور اتالیق بچپن میں صالح بن کیسان تھے، حضرت عمر مدینہ میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے، صالح انکی دیکھ بھال پر مامور تھے، صالح بن کیسان کی کوشش ہوتی کہ ان کی نماز باجماعت فوت نہ ہو، ایک دفعہ مسجد پہونچنے میں تاخیر ہوگئی تو صالح نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ میرا بال کا کنگھا کرنے والی مجھے کنگھا کر رہی تھی تو انھوں نے ان کو ڈانٹ کر کہا کہ تمہارا بال اب ایسا ہوگیا کہ اس کے لئے نماز چھوڑی جارہی ہے، اور یہ واقعہ کیسان نے ان کے والد کو لکھ کر بھیجا تو ان کے والد نے ایک آدمی کو ان کے پاس بھیجا کہ جب تک وہ اپنا بال سر سے اتروائیں گے نہیں، میں عمر سے بات نہیں کروں گا، چنانچہ عمر کو اپنا سر منڈانا پڑا ۔

اسی قسم کی تربیت نے عمر بن عبدالعزیز کو عمر بن عبدالعزیز بنایا تھا۔ خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان ان کی عادت و اطوار دیکھ کر ان کو اپنی اولاد کے ساتھ رکھتا تھا، بلکہ ان سے بڑھ کر انکو چاہتا تھا پھر اپنی صاحبزادی جن کا نام فاطمہ تھا ان سے عمر کی شادی کر دی، اس شادی پر ایک شاعر نے کہا ؎

بنت الخليفة والخليفة جدها

اخت الخلائف والخليفة زوجها

یعنی فاطمہ خلیفہ کی صاحبزادی ہیں، ان کے دادا بھی خلیفہ تھے۔ یہ بہت سے خلفاء کی بہن ہیں اور اب ان کا شوہر بھی خلیفہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو عبدالملک نے اپنے لڑکوں کو چھوڑ کر خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ جس پر ارکان دولت اور اس کے لڑکوں کو عمر بن عبدالعزیز پر حسد رہا اور ان کو ایک خادم سے زہر دلا کر ختم کر دیا۔ جس خادم نے زہر دیا تھا اس کا پتہ حضرت عمر کو چل گیا تھا، مگر حضرت عمر نے اس سے صرف یہ پوچھا کہ تم کو اس کے لئے کتنا پیسہ دیا گیا تھا اس نے کہا دس ہزار دینار اور یہ کہ مجھے آزاد کر دیا جائے گا، یہ سب جاننے کے باوجود بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس خادم کو کچھ نہیں کہا صرف وہ سارا پیسہ بیت المال میں داخل کر دیا اور اس سے کہا کہ یہاں سے اس جگہ بھاگ جاؤ جہاں تمہاری اس کارروائی کا کسی کو پتہ نہ چلے۔

عمر بن عبدالعزیز کی مدت خلافت بہت کم رہی یعنی صرف دو سال اور پانچ مہینہ۔ بیس رجب ۱۰۱ھ ہجری میں صرف انتالیس سال کی عمر میں اس دار فانی سے ان کی رحلت ہوئی، ان کی نماز جنازہ مسلمہ بن عبدالملک نے پڑھائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی وفات سے پہلے ہی دس دینار میں اپنی قبر کے لئے ایک جگہ خریدی تھی، جہاں ان کی تدفین ہوئی۔

موت کے وقت انھوں نے اپنے گھر والوں سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک اور آپ کے ناخن میں سے کچھ منگوایا اور گھر والوں کو وصیت کی کہ ان آثار مبارکہ کو ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۱۴۴)

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

حکایات وواقعات

فرشتہ صفت وزیر "وزیر نظام الملک"

وزیر کبیر قوام الدین ابو علی الحسن بن علی بن اسحاق الطوسی، اپنے زمانہ کا نہایت مدبر سیاستداں، تجربہ کار، نیک سیرت، متدین اور صاحب جاہ وحشمت وزیر تھا، قراء اور فقہاء سے ہر وقت اس کی مجلس بھری رہتی تھی، اہل علم کیلئے اس کا دربار ہر وقت کھلا رہتا تھا، کار خیر کا حریص تھا، خود بڑا صاحب علوم وفنون تھا پہلے وہ سلطان الب ارسلان کے دربار کا وزیر تھا، پھر اس کے لڑکے ملک شاہ کے سپرد جب حکومت ہوئی تو اس کا وزیر تھا، امور مملکت میں اس کا بڑا دخل تھا، رعایا پروری میں مشہور تھا، اپنی وزارت کے زمانہ میں متعدد مدرسے اس نے بنوائے اور طلبہ کیلئے وہ سراپا خیر بنا رہا، بیس سال اس کی وزارت کا زمانہ رہا، اس مدت میں بقول حافظ ذہبی اس نے اپنے ملک سے تمام مظالم کا صفایا کر دیا، رعایا کے ساتھ مہربان رہا، اوقاف کی متعدد عمارتیں قائم کیں، علماء صلحاء اور امت کے اکابر دوسری جگہوں سے اس کے دربار میں ہجرت کر کے آئے، ان کی وجہ سے ان کا مقام اور مرتبہ مزید بلند ہوا۔

لکھا ہے کہ کان فیہ خیر و تقوی اس کے اندر خیر اور تقویٰ تھا، ومیل الی الصالحین اور اللہ کے نیک بندوں کی طرف اس کا رجحان اور میلان

رہا کرتا تھا مقتوع لموعظتھم اور ان کی نصیحتوں کو قبول کرتا تھا۔ یعجبہ من یبین عیوب نفسہ فینکسا دیبکی اس کو یہ بات پسند تھی کہ لوگ اس کے عیوب اس پر ظاہر کریں، اس وقت وہ تواضع اختیار کرتا اور اپنے عیوب سن کر روتا۔

وزیر نظام الملک کے بارے میں لکھا ہے کہ ما جلس الا علی وضوء یعنی وہ جب دربار میں بیٹھتا تو وضو سے ہوتا، اور جب وہ وضو کرتا تو دو رکعت نماز ادا کرتا، اور سوموار اور پنجشنبہ کو ہمیشہ روزہ رکھتا، اور لکھا ہے کہ کان یتصدق کل صباح بمأۃ دینار ہر صبح کو یعنی روزانہ ایک سو دینار صدقہ کرتا۔

حافظ ذہبی ابن عقیل کے حوالہ سے لکھتے ہیں بہر العقول سیرۃ النظام جودا وکرما وعدلا واحیاء لمعالم الدین۔ کانت ایامہ دولۃ اہل العلم ثم ختم لہ بالقتل وھو ماد الی الحج فی رمضان فمات ملکا فی الدنیا ملکا فی الآخرۃ۔ یعنی نظام کی سیرت اور اخلاق نے عقلوں کو مبہوت کرتا، اس کی سخاوت، شرافت، عدل وانصاف اور دین کی نشانیوں کو زندہ کرنے کے شوق وجذبہ سے لوگ حیران تھے، آخر میں حج کو جاتے ہوئے رمضان کے مہینہ میں اس کو قتل کر دیا گیا، پس وہ دنیا میں بھی فرشتہ تھا، اور آخرت میں بھی وہ فرشتہ صفت رہا۔

اس کے قتل کا قصہ یہ ہے کہ ایک باطنی شیعہ فرقہ کا آدمی صوفی کی شکل میں اس کے پاس آیا اور اس کو اپنی پیشانی کا بال دیا وزیر اس کو لے ہی رہا تھا، اس خبیث نے وزیر پر چھری سے حملہ کر دیا، چھری اس کے سینہ پر دل کے پاس پڑی جس سے اسی وقت وزیر کی موت ہو گئی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو رمضان کے زمانہ میں روزہ کی حالت میں شہادت کا عظیم مرتبہ اس کی نیکیوں کے بدلہ عنایت فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴۴/۱۴۶)

علمی انہماک کا عجیب غریب واقعہ

ابن دیزیل جن کا پورا نام ابراہیم بن حسین بن علی ہے، مگر ابن دیزیل کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کو "سیفنۃ" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، "سیفنۃ" مصر کے شہروں میں پائی جانے والی ایک چڑیا کا نام ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جس درخت پر بیٹھتی ہے اس کی ساری پتی کھا جاتی ہے، ابن دیزیل کا بھی اسی چڑیا جیسا حال تھا، یہ جس محدث کی خدمت میں حاضر ہوتے اسی وقت اس کو چوکھٹ کو چھوڑتے جب اس سے اس کی ساری حدیثیں سن لیتے۔

حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی انہماک کا قصہ خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں ایک روز رات میں لکھنے کیلئے بیٹھا، لکھتا رہا اور اتنا لکھا کہ تھک گیا پھر میں باہر نکل کر جو آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوا کہ ابھی تو رات کا ابتدائی حصہ ہے، پھر میں گھر گیا اور پھر لکھنے میں لگ گیا، جب تھک گیا تو باہر نکلا کہ دیکھوں کہ اب رات کتنی رہ گئی ہے تو پتہ چلا کہ یہ سحر کا وقت ہے چنانچہ میں نے تہجد کی نماز ادا کر کے جو میرا معمول تھا صبح کی نماز پڑھنے مسجد گیا، نماز سے فارغ ہو کر میں ایک دوکاندار کے پاس گیا کہ کچھ خریدوں تو میں نے جب اس کے حساب کا رجسٹر دیکھا تو اس نے اس پر سنیچر کا دن لکھ کر تاریخ ڈالی تھی تو میں نے اس سے کہا کہ کیا آج جمعہ نہیں ہے میں آج کا دن جمعہ ہی کا دن سمجھ رہا تھا، تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ کیا آپ نے کل جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، تب میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں دو رات اور ایک دن مسلسل لکھتا رہا۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۳۲۴ ج ۱۳)

ایک اندھے کا اپنے ملک کے وزیر کو جواب

ابوالعیناء نامی ایک آدمی تھا، بصرہ شہر میں پلا بڑھا تھا، وزراء اور بادشاہوں کے

دربار میں جاتا تھا اوران کو ہنسی مذاق کی باتیں اور قصے سنا کر انعام بٹورتا تھا، چالیس سال کی عمر میں اندھا ہوگیا تھا، اپنی ڈاڑھی سرخ خضاب لگا کر خوب لال لال کئے رہتا تھا، ایک دفعہ وزیر کے دربار میں کئی روز کے بعد پہونچا، تو وزیر نے اس سے پوچھا اتنے دنوں تک کیوں نہیں آئے؟ تو اس نے کہا کہ میرا گھوڑا چوری ہوگیا تھا، وزیر نے پوچھا کہ کیسے چوری ہوگیا؟ تو اس نے کہا کہ میں گھوڑے کے ساتھ نہیں تھا کہ میں جانوں کہ کیسے چوری ہوگیا تو وزیر نے کہا کہ دوسری سواری پر کیوں نہیں آیا؟ تو اس نے کہا کہ میں میرے پاس روپیہ نہیں تھا کہ سواری خریدوں اور میں نے ادھار لے کر سوار ہونے کی ذلت کو پسند نہیں کیا اور کرایہ پر اسلئے نہیں لیا کہ کرایہ پر دینے والوں کی بدخلقی اور ترش کلامی کو میں برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ۳۹/۱۰۷)

اللہ کی طرف سے غیبی مدد

علی ابن ابی طاہر ایک مشہور محدث تھے، ان کے بارے میں سلیمان بن یزید فرماتے ہیں کہ یہ ملک شام حدیث کی تحصیل کے لئے سفر کر کے گئے تھے، جب وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو اپنی لکھی ہوئی حدیث کی کتابوں کو انھوں نے صندوق میں رکھ دیا تھا، صندوق کو پہلے ایسے مادہ سے لیپ پوت دیا تھا کہ اس میں پانی کا اثر نہ ہو اور پانی اندر نہ پہونچے، اب انھوں نے سمندری راستہ واپسی کیلئے اختیار کیا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سمندر کے طوفان میں ان کی کشتی ہچکولہ کھانے لگی، اور اس کے ڈوب جانے کا اندیشہ ہوا تو انھوں نے کتابوں والے صندوق کو سمندر میں ڈالدیا، پھر طوفان ختم ہوگیا، اور کشتی میں بھی سکون پیدا ہوگیا، جب یہ کشتی سے باہر آئے تو سمندر کے ساحل پر بیٹھے تین روز تک اللہ سے دعا کرتے رہے کہ ان کا صندوق جس کو انھوں نے سمندر میں ڈالدیا تھا واپس مل جائے، تیسرے روز سجدہ میں گر کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ سے دعا کی کہ اے اللہ اگر میرا علم حدیث کا طلب کرنا محض تیری رضا کیلئے تھا اور تیرے رسول کی محبت کی وجہ

سے تھا تو تو میرا صندوق واپس کر کے میری مدد فرما، اس کے بعد جب سجدہ سے سر اٹھایا تو ان کا صندوق ان کے پاس موجود تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۵۶ ج ۱۱)

اسی مرتبہ قرآن ختم کرنے پر اسی ہزار درہم خرچ کیا

ابوبکر محمد بن عبدالرحیم بن ابراہیم اصبہانی امام القراء شمار کئے جاتے تھے۔ ۲۹۶ھ میں ان کی وفات ہوئی، پوری زندگی قرآن پڑھنا اور پڑھانا ہی ان کا مشغلہ تھا، امام ورش کی قرأت میں یہ اپنے زمانہ کے امام تھے، اللہ نے قرآن کی محبت اور اس کا احترام ان کے دل میں ایسا رکھ دیا تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے مصر کی طرف سفر کیا تو میرے ساتھ اسی ہزار درہم تھے جن کو میں نے اسی مرتبہ قرآن ختم کرنے پر خرچ کیا۔ یعنی ہر ختم پر ایک ہزار دینار اللہ کے راستہ میں اور لوگوں کی دعوت میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۵۲ ج ۱۱)

اللہ نے سوال کرنے کی ذلت سے بچا لیا

محمد بن ہارون الرویانی و محمد بن جریر الطبری و محمد بن خزیمہ و محمد بن نصر المروزی چاروں محمد نام کے اشخاص مشہور محدث ہیں، یہ چاروں مصر میں ایک زمانہ میں ایک ساتھ حدیث کی تحصیل میں لگے ہوئے تھے، کچھ مدت کے بعد ان کا سارا مال ختم ہو گیا اور کھانے پینے کیلئے پاس میں کچھ ہی نہیں رہا۔ پہلے تو بھوک برداشت کرتے رہے مگر جب کئی روز ہو گئے اور بھوک کی وجہ سے ان کا حال برا ہو گیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اب لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، مگر لوگوں کے پاس جائے کون؟ تو انھوں نے قرعہ ڈالا کہ جس کا نام نکلے گا وہ جائے گا، اتفاق سے قرعہ میں پہلا نام محمد بن خزیمہ کا نکلا تو انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے ذرا دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو، انھوں نے نماز شروع کی، ابھی انکی دو رکعت

نماز پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مصر کے گورنر کا آدمی ان کے پاس پہونچا اور ہر ایک کا نام لے کر پوچھا فلاں کون ہے، اور فلاں کون ہے جب لوگوں نے اپنا نام بتلایا تو اس نے ہر ایک کو پچاس پچاس درہم کی ایک ایک تھیلی دی اور کہا کہ گورنر نے خواب میں دیکھا ہے کہ "محامد" یعنی محمد نام کے لوگ بھوکے ہیں ان کی فوراً مدد کرو، چنانچہ امیر نے مجھ کو یہ تھیلیاں دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے، اور آپ کو تاکید کی ہے کہ یہ مال جب ختم ہو جائے تو امیر کو اس کی اطلاع فوراً ضرور آپ حضرات کریں۔ اس طرح اللہ ان محدثین کرام کو سوال کرنے کی ذلت سے بچا لیا۔

(سیر اعلام النبلاء صفحہ ۳۱ ج ۱۱)

ساڑھے تین ہزار کتابوں کو ہاتھ سے لکھنے والا

ابوالعرب جس کا نام محمد بن احمد تھا، افریقہ کا رہنے والا تھا، اس کے دادا افریقہ کے امراء میں سے تھے، یہ کثیر التصانیف آدمی تھا، مذاہب فقہیہ کا حافظ اور مفتی تھا، اس کی تصانیف میں سے بعض کتابوں کا نام یہ ہے، طبقات اہل افریقہ کتاب المحن، کتاب فضائل مالک، کتاب مناقب سمنون اور کتاب التاریخ جو گیارہ جلدوں میں ہے۔

اس کا کہنا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محمد بن سمنون کی کتاب الامامۃ کی دونوں جلدوں کا پڑھنا میرے نزدیک ان تمام کتابوں سے افضل ہے۔ اس کا انتقال ۳۳۳ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۱۹)

ستّر زبان کا جاننے والا اور موسیقی کا ماہر فلسفی

ابونصر فارابی دنیائے منطق و فلسفہ کا مشہور شخص ہے، اسکو فلسفہ اور منطق کا

معلم ثانی کہا جاتا تھا، معلم اول ارسطا طالیس کہلاتا تھا اور معلم ثالث ابن سینا تھا۔
فارابی ترکی الاصل تھا، اس کا نام محمد بن محمد بن فرحان بن ازلغ تھا۔
ذکاوت میں مشہور زمانہ تھا، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ستر زبان کا عالم تھا، اور موسیقی کے فن کا بہت بڑا ماہر تھا، ایک دفعہ سیف الدولہ کے دربار میں گیا، اور صدر مجلس میں بیٹھا اور اس نے گانے بجانے کا سامان نکالا، اور گانے لگا، اس کے گانے سے ساری مجلس پر طرب و مسرت کا نشہ چھا گیا، پھر اس نے اپنا راگ بدلا تو سارے مجلس والے سو گئے حتیٰ کہ دربان بھی سو گیا پھر یہ اٹھا اور چلا گیا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔

اس کا انتقال دمشق میں ۳۳۹ سنہ میں ہوا۔

سیر اعلام النبلا رص ۲۲۔۱۲۷

سورہ یٰسٓ کی برکت

ابوبکر بن داؤد صوفی زاہد و عابد آدمی تھے، نیشاپور کے رہنے والے تھے، اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں جس زمانہ میں قحط پڑا تو میں نے چالیس روز میں صرف ایک روٹی کھائی، جب مجھے بھوک لگتی تو میں آسودہ ہونے کی نیت سے سورہ یٰسٓ پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری بھوک ختم کر دیتا تھا۔

ان کی وفات ۳۴۲ سنہ ھ میں ہوئی۔

(سیر اعلام النبلا رص ۲۵۔۱۲۷)

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد اجمل مفتاحی

صدف یعنی سیپ کے بارے میں کچھ معلومات

سیپ یہ بحری، دریائی جانور ہے، جب بارش ہوتی ہے تو صدف اپنا منہ کھول دیتا ہے اور جب بارش کا قطرہ اس کے منہ میں پہونچتا ہے تو وہ منہ بند کر لیتا ہے، اس طرح اس میں سچے موتی بنتے ہیں، موتی خفقان کو دور کرتا ہے اور دل و جگر کے خون کو صاف کرتا ہے، بینائی میں اضافہ کرتا ہے، اسلئے اس کو سرمہ میں ملایا جاتا ہے، اگر اس کو اس قدر حل کر دیا جائے کہ پانی ہو جائے پھر اس کو چہرے کے داغ اور مہاسے پر مالش کی جائے تو ایک مالش سے تمام داغ دھبے ختم ہو جائینگے اور دوبارہ مالش کی نوبت نہیں آئے گی۔

اور سیپ کا لیپ کرنا وجع مفاصل اور نقرس کیلئے مفید ہے اور جب سرکہ میں ملا کر لگایا جائے تو نکسیر کیلئے از حد نافع ہے، اس کا گوشت کتے کے کاٹنے میں مفید ہے، اگر سیپ کو جلا کر دانتوں پر ملا جائے تو دانت مضبوط اور چمک دار ہو جاتے ہیں اور اگر سرکہ میں ملا کر آنکھوں میں لگایا جائے تو آنکھ کے زخم ٹھیک ہو جائیں گے، آگ کے جلے ہوئے پر سیپ کا لگانا مفید ہے، اگر سیپ کا صاف ٹکڑا بچہ کے گلے میں باندھ دیا جائے تو بچے کے دانت بآسانی نکل جائیں گے، اگر سیپ کو جاڑشیر میں حل کر کے ناک پر لیپ کیا جائے تو نکسیر بند ہو جاتی ہے۔

(از حیوٰۃ الحیوان للدمیری)

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کی تصانیف

مسائل غیر مقلدین | غیر مقلدین کی ڈائری
آئینہ غیر مقلدیت | ارمغان حق ۲ جلدیں
غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ | سبیل الرسول پر ایک نظر

کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ
مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں
حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد قبول
صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر
صلوۃ الرسول ہر ایک نظر
کیا ابن تیمیہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟
صور تنطق (عربی)
وقفه مع معارضی شیخ الاسلام (عربی)
وقفه مع لا مذهبيه
هل الشيخ ابن تيمية من اهل السنة والجماعة؟
(صوت الاسلام عربی) سه ماهی رساله
(زمزم اردو ۲ ماہی رسالہ)

اہم اعلان

اس شمارہ کا اداریہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ادارہ مالی دشواریوں کی وجہ سے اب ماہنامہ بند کرنے جا رہا ہے، اس کی اطلاع جب بعض احباب کو ہوئی تو انھوں نے اصرار کیا کہ ابھی زمزم کا سفر جاری رہنا چاہئے، ان میں سے بعض احباب اور محترم شخصیتیں وہ ہیں، جن کا حکم ٹالنا میرے لئے ممکن نہیں تھا، اسلئے اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ سر دست دو شمارہ آئندہ سال کا شائع نہ کیا جائے اور اس درمیان زمزم کے خریداروں کی توسیع کی جائے، اگر پانچ سو نئے خریدار مل گئے تو انشاء اللہ زمزم کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا، اب قدردان زمزم کی توجہ اور کرم فرمائی کی ضرورت ہے۔ کہ وہ اتنے نئے خریدار مہیا کر دیں۔

(ادارہ)

محمد اجمل مفتاحی مئو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

نواب وحید الزماں حیدرآبادی کی نوابی عبارت

بیٹا ۔ اباجی

باپ ۔ جی بیٹا ۔

بیٹا ۔ اباجی شیخ جمن تشریف لائے تھے ۔

باپ ۔ بیٹا خیریت تو ہے ؟ تم نے انکو روکا کیوں نہیں ۔

بیٹا ۔ اباجی انھیں جلدی تھی یہ کتاب چھوڑ کر کے گئے ہیں، اور کہہ رہے تھے کہ نواب صاحب حیدرآبادی کی یہ نزل الابرار ہے ، اس کی نشان زدہ عبارت اپنے ابا سے حل کروا کے رکھنا ۔ ظہر بعد مجھے اس کا درس دینا ہے ۔

باپ ۔ بیٹا مسئلے مسائل کے لئے تو ہمارے بڑوں نے ہمیشہ فقہ حنفی ہی پڑھایا ہے ، شیخ جمن نے نزل الابرار پڑھانے کی روایت کب سے ڈالی ہے ؟

بیٹا ۔ اباجی علامہ بحرانی نے انکو مشورہ دیا تھا کہ فقہ حنفی کے پیچھے کب تک ہم بھاگتے پھریں گے، ہمیں اپنے علماء کی کتابیں پڑھانی چاہئیں تو انھوں نے ان کے مشورہ سے نزل الابرار کا درس دینا شروع کر دیا ہے ۔

باپ ۔ اچھا ذرا وہ عبارت مجھے دکھلاؤ جس پر انھوں نے نشان لگایا ہے ۔

بیٹا ۔ اباجی، کتاب الرضاع کی یہ عبارت ہے ۔

وللحرمة بالرضاع شرطان الاول ان یرتضع اقل من اقل خمس رضعات فصاعداً .... فلو ارتضع اقل من خمس رضعات لاتثبت الحرمة ۔

باپ ۔ بیٹا، عبارت تو بالکل صاف ہے، شیخ جمن کو ایسی سہل عبارت میں کیا اشکال واقع ہوا ہے، نواب صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی بچہ نے پانچ دفعہ سے کم دودھ پیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، یعنی نہ وہ عورت جس کا بچہ نے دودھ پیا ہے اس کی رضاعی ماں ہوگی اور نہ اس کا شوہر اس کا رضاعی باپ ہوگا اور نہ اس عورت اور اس کے شوہر کی اولاد اس دودھ پینے والے بچے کے رضاعی بھائی بہن ہوں گے ۔

بیٹا ۔ اباجی یہی مطلب تو میں نے بھی بیان کیا تھا مگر وہ کہہ رہے تھے کہ عبارت کا پہلے ترجمہ کرو پھر مطلب بیان کرو جب میں نے اس عبارت کا ترجمہ کرنا چاہا تو میرا ذہن چکرا گیا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نواب صاحب کیا کہہ رہے ہیں، آپ ترجمہ کردیں۔

باپ ۔ سنو عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

اور دودھ پینے سے حرمت ثابت ہونے کیلئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ لڑکا

یہ کیا ؟ اقل من اقل خمسات فصاعداً ۔

بیٹا اس کا مطلب تو مجھ کو بھی نہیں سمجھ میں آرہا ہے ، علامہ بحرانی کے پاس جانا ہوگا۔

بیٹا ۔ شیخ جمن حفظہ اللہ ان کے پاس بھی گئے تھے تو انھوں نے انکو مشورہ دیا کہ اس کتاب میں رضاع کا بیان نواب صاحب نے ہم جیسے کم علموں کے لئے نہیں لکھا ہے انھوں نے اس کو اپنے دور کے علماء کے لئے لکھا تھا، اسلئے اس باب کو چھوڑ دو ۔

باپ ۔ بیٹا ، علامہ بحرانی نے بالکل صحیح فرمایا، ان نوابی عبارت کو نواب ہی قسم کے علماء سمجھیں گے، ہم اس دور کے لوگ کیا سمجھیں گے، اب دیکھو اس کتاب میں اسی رضاعت کے بیان میں یہ عبارت بھی ہے ، ویجوز ارضاع الکبیر ولو کان

ذالحیۃ لتجویز النظر، یعنی بوڑھے مردوں کا بھی دودھ پلانا جائز ہے اگرچہ وہ ڈاڑھی والا ہو اسلئے کہ قیاس اس کو جائز قرار دے رہا ہے۔ یعنی اگر کوئی بڑا بوڑھا آدمی اگرچہ وہ ڈاڑھی والا ہو کسی بچہ کو دودھ پلادے تو قیاس یہ کہہ رہا ہے کہ اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی، دودھ پلانیوالا رضاعی باپ ہوگا اور اسکی اولاد رضاعی بھائی بہن ہونگے۔

بیٹا۔ اباجی نواب صاحب کی یہ عبارت اقل من اقل خمس رضعات فصاعداً میں اس فصاعداً کا مطلب کچھ سمجھ میں آیا۔

باپ۔ یہ پوری کی پوری عبارت نوابی ہے۔ اگر ہم بھی نواب ہوتے اس عبارت کو سمجھ جاتے، کہاں ہم اور کہاں نواب صاحب۔ چہ نسبت خاک با عالم پاک۔

بیٹا۔ اباجی، ہمارے نواب وحیدالزماں کو جب عربی عبارت میں اپنا مطلب واضح کرنا نہیں آتا تھا تو ان کو مسئلے مسائل کی کتاب عربی میں لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

شیخ کلو حفظہ اللہ کی غیر مقلدیت سے توبہ اور مذہب حنفی میں واپس آنا۔

بیٹا۔ اباجی

باپ۔ جی بیٹا

بیٹا۔ اباجی وہی بات ہوگئی جس کا ڈر تھا۔

باپ۔ کیا بات ہوگئی بیٹا۔

بیٹا۔ اباجی شیخ کلو حفظہ اللہ نے غیر مقلدیت سے برأت کا اعلان کر ہی دیا، اور اب وہ پھر اپنے سابقہ مذہب، مذہب حنفی کی طرف لوٹ آئے۔

باپ۔ بیٹا۔ یہ حادثہ کیسے رونما ہوا، وہ تو ادھر بہت ہی پابندی سے شیخ جمن حفظہ اللہ کے درس "نزل الابرار" میں بیٹھا کرتے تھے۔

بیٹا۔ اباجی اس درس کی برکت ہی نے جوان کو غیر مقلدیت سے توبہ کرنے پر اکسایا۔

باپ - بیٹا ہوا کیا، اس درس میں کون سی ایسی بات ہو گئی یا آ گئی کہ شیخ کلو کو یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا -

بیٹا - اباجی، اس اندیشہ کا اظہار تو بہت سے لوگ کر رہے تھے، "نزل الابرار" کے درس میں انھوں نے جب سے شریک ہونا شروع کیا تھا اس وقت سے انکی دعوتی سرگرمیاں کم ہو گئی تھیں، اور اپنے لوگوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی کم ہو گیا تھا، کل کے درس میں جب نزل الابرار کی ایک عبارت کا شیخ جمن نے ترجمہ کیا اور اس کا مطلب بیان کیا تو شیخ کلو حفظہ اللہ نے شیخ جمن سے کہا کہ یہ تو مسئلہ ہوا اس کی دلیل کتاب وسنت سے دکھلائیے، اس پر شیخ جمن کو غصہ آ گیا اور کہا کہ ہر مسئلہ کی دلیل کتاب وسنت سے نہیں دکھلائی جا سکتی ہے - اس پر دونوں میں خوب تکرار ہوئی اور شیخ کلو نے کہا کہ آپ لوگ حنفیوں سے تو ہر مسئلہ کی دلیل کے لئے کتاب وسنت کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب اپنی باری آتی ہے تو آپ لوگوں کا رنگ دوسرا ہو جاتا ہے . میں ایسی سلفیت اور غیر مقلدیت سے ہزار بار توبہ کرتا ہوں.

باپ - بیٹا ذرا وہ عبارت مجھے بھی تو دکھلاؤ -

بیٹا - اباجی وہ عبارت نزل الابرار کے کتاب الرضاع کی ہے - لکھا ہے -

فلو زنا بامرأة فحملت فوضعت ثم ارضعت صغيرة فتحل هذه الصغيرة للزاني وقيل لا تحل وهو مختار الاحناف ثم لو زنا بصغيرة فهل تحل له امها ام لا واختار اهل الحديث الحلة واختار الاحناف الحرمة -

یعنی اگر کوئی آدمی کسی عورت سے زنا کرے پھر وہ عورت حاملہ ہو گئی اور اس کو پیدائش ہوئی پھر اس عورت نے کسی چھوٹی بچی کو دودھ پلا دیا تو یہ چھوٹی بچی اس زانی کے لئے حلال ہو گئی، (یعنی وہ اس کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے) اور کہا گیا ہے کہ وہ بچی زانی کے لئے حلال نہ ہو گی یہی احناف کا مختار مذہب ہے

پھر اگر اس نے زنا کیا کسی دوسری چھوٹی بچی سے تو کیا اس کی ماں زانی کے لئے
حلال ہوگی یا نہیں ؟ تو اہلحدیث کا مختار مذہب یہ ہے کہ وہ زانی کے لئے حلال ہوگی
اور احناف کا مختار مذہب یہ ہے کہ مزنیہ کی ماں زانی کیلئے حلال نہ ہوگی۔
اب شیخ کلو حفظ اللہ نے اہلحدیث کے مختار مذہب کی جو کتاب وسنت سے
دلیل مانگی تو شیخ جمن حفظ اللہ کا پارہ گرم ہوگیا۔
ابا جی، یہ زنا کا عمل اہل حدیث مذہب میں اتنا غیر مؤثر کیوں ہے، زانی اور
غیر زانی میں کوئی فرق ہی نہیں۔
باپ۔ پتہ نہیں بیٹا۔

ضروری اعلان

زمزم کے ذریعہ بار بار ان حضرات سے گذارش کی جاچکی ہے، جن کے
ذمہ زمزم کا بقایہ کئی سال کا باقی ہے کہ وہ اپنا بقایہ ادارہ کو بھیجدیں۔
بہت سے لوگوں نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے۔ بذریعہ مجبوری
ان تمام لوگوں کے نام زمزم کا بھیجا جانا بند کیا جا رہا ہے جن کی رقمیں دو سال
یا زیادہ کی باقی ہیں۔

(ادارہ)

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کی تصانیف

مسائل غیر مقلدین
غیر مقلدین کی ڈائری
آئینہ غیر مقلدیت
ارمغان حق ۲ جلدیں
غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ
سبیل الرسول پر ایک نظر
کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ
مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں
حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد وقبول
صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر
صلوۃ الرسول پر ایک نظر
کیا ابن تیمیہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟
صور تنطق (عربی)
وقفه مع معارضی شيخ الاسلام (عربی)
وقفه مع لا مذهبيه
هل الشيخ ابن تيمية من اهل السنة والجماعة؟
(صوت الاسلام عربی) سه ماهی رساله
(زمزم اردو ۲ ماہی رسالہ)